تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ سوم

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ

سوانح حیات، صفات و کمالات و تجدیدی و اِصلاحی کارنامے،

تلامذہ و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و معارف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام

۱۰۔کے ۳۔ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ما کراچی ۱۸

تاریخ

دعوت و عزیمت

حصہ سوم

حضرت خواجہ مُعین الدین چشتی رح

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رح

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری رح

سوانح حیات، صفات و کمالات و تجدیدی و اِصلاحی کارنامے،

تلامذہ و منتسبین و مُسترشدین کا تذکرہ و تعارف

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام

۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- رکن مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر اسلامی سینٹر آکسفورڈ

نام کتاب ـــــــ تاریخ دعوت وعزیمت
تصنیف ـــــــ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
طباعت ـــــــ احمد برادرز پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ـــــــ ۳۳۶ صفحات

ٹیلیفون : 6601817

اسٹاکسٹ : مکتبہ ندوۃ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی
ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔ کے۔ ۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

فہرست مضامین

باب سوم

۱۰۲ —— ۱۱۲

(اخلاق وصفات)

باب چہارم

۱۱۳ —— ۱۲۵

(اذواق وکیفیات)

باب پنجم

۱۲۶ —— ۱۳۴

(افادات وتحقیقات)

باب ششم

۱۳۵ —— ۱۵۴

(فیوض وبرکات)

سپاہِ تازہ برانگیزم از ولایتِ عشق
کہ در حرم خطرے از بغاوتِ خرد است
(اقبالؒ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفیٰ

الحمدللہ کہ تاریخ دعوت وعزیمت کا تیسرا حصہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے دوسرے اور تیسرے حصے کے درمیان اتنا طویل وقفہ پیش آیا کہ مصنف کی طبیعت افسردہ اور شائقین مایوس سے ہوگئے۔ اس عرصہ میں مصنف کے کوتاہ قلم سے متعدد کتابیں نکلیں اور شائع ہوئیں، جتنی تاخیر ہوتی جارہی تھی اتنا ہی یہ اندیشہ بڑھ رہا تھا کہ خدانخواستہ یہ مفید سلسلہ بہت سے قدیم مصنفین کی اہم کتابوں اور خود اپنے بعض سلسلۂ تصانیف کی طرح ناتمام نہ رہ جائے، شاید ایسا ہی ہوتا اور کم سے کم یہ کہ یہ وقفہ طویل سے طویل تر ہوتا، اگر اس میں ایک قابلِ صد احترام اور واجب التعمیل اشارہ اور تقاضا شامل نہ ہوتا۔

میرے مربّی رُوحانی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری دامت برکاتہ، نے تاریخ دعوت وعزیمت کو بار بار سن کر اور بار بار اپنی مجالس میں پڑھوا کر، تصنیف اور مصنف کی عزت و ہمت

بڑھائی، ان دُو جلدوں کے بعد حضرت موصوف نے تیسری جلد کا تقاضا فرمایا اور اپنے خادم کو اس کی تکمیل کی بار بار ہدایت فرمائی۔ بارہا ایسا ہوا کہ میں باہر سے حاضرِ خدمت ہوا، تو پہلا سوال یہ ہی فرمایا گیا کہ تیسرا حصّہ مکمل کرلیا؟ بعض مرتبہ میں نے اپنی الجھنیں عرض کیں سنتے ہی ارشاد ہوا کہ تیسرا حصّہ تو مکمّل ہی کر لیجیے! پھر جب حضرت والا کو یہ معلوم ہوا کہ یہ حصّہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ کے تذکرہ پر مشتمل ہوگا تو اپنے تعلقِ روحانی اور نسبت خاص کی بنا پر حضرت کی طرف سے اس کا اور بھی تقاضا ہوا، ادھر اس عاجز کا یہ حال ہو گیا تھا گویا اس نے قلم رکھ دیا ہے اور اس موضوع سے مناسبت جاتی رہی ہے یہاں تک کہ جون ۱۹۶۱ء میں ایک بار جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرت کی مجلس مبارک میں حضرت خواجہ کا وہ مجموعہ پڑھا جا رہا تھا جو **افضل الفوائد** کے نام سے امیر خسروؒ کی طرف منسوب ہو کر لاہور سے شائع ہوا ہے اور ایک عزیز دوست تحفۃً لائے تھے، یہ مجموعہ ایسے غیر مستند مضامین اور بے اصل روایات پر مشتمل ہے کہ اس کا سننا بھی تحقیقی اور تاریخی ذوق رکھنے والوں پر بلکہ مذاقِ سلیم پر سخت بار ہے، اس کی نسبت امیر خسروؒ کی طرف قطعاً مشکوک ہے۔ حضرت خواجہ گیسو درازؒ جنکے اور سلطان المشائخ کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ اور وہ بھی حضرت چراغ دہلیؒ کا ہے اور جو اسی خانوادۂ عالی کے چشم و چراغ اور محرمِ اسرار ہیں۔ صاف فرماتے ہیں کہ **فوائد الفواد** کے علاوہ ملفوظات کے جتنے مجموعے مشہور ہیں، بادِ ہوائی ہیں[۱]۔ مجلس میں یہ کتاب پڑھی

---

[۱] "ملفوظ شیخ نظام الدین کہ امیر حسن شاعر جمع کردہ است آں معتبر است و ملفوظہائے دیگر کہ از اں شیخ بمشتہ اند ہمہ بادِ ہوا است۔" (جوامع الکلم)

جارہی تھی، حضرت کبھی کبھی اس کے مضامین پر استعجاب کا اظہار فرماتے، نیم باز مگر دلنواز نگاہیں جو کبھی کبھی مصنف پر بھی پڑ جاتیں اشارہ اشارہ میں کہتیں کہ اگر کوئی مستند کتاب موجود ہوتی تو ایسی غیر مستند کتابوں کی کیا ضرورت تھی؟ یہ نگاہ دل میں تیر کی طرح پار ہوگئی اور وہیں دل نے فیصلہ کیا کہ پہلی فرصت میں اس کام کو انجام دینا ہے، اور یہ ارمغان پیش کرنا ہے۔

اس کام میں توقف ہونے کا ایک سبب راہ کی دشواریاں بھی تھیں، ہندوستان کے اولیائے کرام، داعیانِ اسلام اور مشائخ عظام کے تذکرہ میں بیشمار کتابیں لکھی گئیں، ان میں بڑی بڑی ضخیم تصنیفات بھی ہیں، لیکن جب اس عصر کا کوئی مصنّف ان کے ایسے حالات جمع کرنے کے بیٹھتا ہے جن سے ان کے اصل کمالات، ان کی دینی و تبلیغی مساعی، ان کی تعلیم و تربیت کے نتائج، ان کے مزاج و مذاق پر روشنی پڑے اور اس زمانہ کے لوگوں کے لئے یہ حالات سبق آموز، شوق انگیز اور ہمت آفریں ہوں، اور بحیثیت ایک جلیل القدر اور کامل انسان کے ان کے حالات منظر عام پر آئیں، اور ان کی سوانح کا صحیح ڈھانچہ سامنے آجائے تو اس کو سخت مایوسی اور پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، بعض اوقات صدہا صفحات کی ایک کتاب سے بلکہ متعدد کتابوں کی مدد سے بھی ایک صفحہ کے بقدر بھی مواد حاصل نہیں ہوتا، عظیم ترین شخصیتوں کے تذکروں اور سوانح حیات میں اتنے بڑے بڑے خلا نظر آتے ہیں جن کو کسی قیاس اور عبارت آرائی سے بھرا نہیں جا سکتا۔ پوری پوری کتاب خوارق و کرامات، محیر العقول واقعات اور عجائبات سے بھری ہوتی ہے اور ضروری معلومات کا افسوسناک فقدان نظر آتا ہے۔ ہندوستان کے ایک بڑے مؤرّخ کو (جس نے اپنی علمی اور تصنیفی ضرورت سے ہندوستان کی تاریخ کا ایسا وسیع مطالعہ کیا ہے جس کی نظیر دورِ حاضر میں ملنی مشکل ہے، اور اعیان و مشاہیر ہند کا تذکرہ آٹھ ضخیم جلدوں

میں مرتب کیا ہے) اس صورتِ حال پر اس طرح شکوہ سنج پایا گیا:۔

"ملک کی بدمذاقی دیکھئے کہ ابتدا سے اب تک ہندوستان کی سیکڑوں تاریخیں لکھی گئیں اور مختلف عنوانوں سے لکھی گئیں مگر ان میں سے کوئی کتاب تاریخ نویسی کے صحیح معیار پر نہیں اترتی، جس کتاب کو اٹھاکر دیکھیے معلوم ہوتا ہے کہ رزم بزم کا کوئی افسانہ ہے۔ قرنا و کوس کے ذکر سے اگر کوئی صفحہ خالی ملے گا تو چنگ و رباب کے ذکر سے آپ اس کو خالی نہ پائیں گے۔ اگر مقفیٰ عبارتوں اور مسجع فقروں کے خارزار میں آپ کا دامن الجھ گیا تو یہ بھی ملنے کا نہیں، ایسی حالت میں کیا توقع ہوسکتی ہے کہ ہم اپنے اسلاف کی علمی زندگی کی صحیح تصویر ایسے مرقع میں پائیں ـــــ کچھ ان بزرگوں کے حالات میں کتابیں ملتی ہیں جو کسی سلسلۂ طریقت کے ساتھ مربوط تھے، مگر اس بذاقی کا کچھ کھٹکا نا ہے کہ آپ ان کتابوں سے ان کے نام و نسب، نشو و نما، تعلیم و تربیت طریقۂ ماندوبود اور علمی مشاغل کی نسبت تحقیق کرنا چاہیں تو ایک حرف نہ ملیگا، قرنا و کوس کا تو یہاں کچھ کام نہیں، مگر چنگ و رباب یہاں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹتا، مصنف کا سارا زور ان کے کشف و کرامت کے بیان کرنے پر صرف ہوجاتا ہے اور اس کو اس حد تک پہنچانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ بنی نوع انسان کے ماوراء کوئی اور ہستی نظر آتے ہیں، وہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ سوتے ہیں نہ خصائصِ انسانی سے ان کو سروکار ہے نہ علمی مشاغل سے ان کو کچھ واسطہ ہے"

لـــہ نزہۃ الخواطر عربی ۱۱تا ۸ جو پانچ ہزار شخصیتوں کے حالات پر مشتمل ہے۔

ان کا صرف یہ کام ہے کہ وہ قانونِ فطرت کو ہمیشہ توڑتے رہیں اور موالید ثلاثہ و
عناصر اربعہ پر اپنی حکومت و خود مختاری کو کسی طرح قائم رکھیں[۱]

اس وقت کا اگر آپ عملی تجربہ کرنا چاہیں تو ہندوستان میں سلسلۂ چشت کے بانی بلکہ ایک طرح سے اس ملک میں سلسلۂ اسلامی کے بانی خواجہ معین الدین چشتیؒ کے تذکرہ کی کتابوں کا مطالعہ کیجئے اور ان سے حضرت کی کوئی مختصر سوانح مرتب کرنے کی کوشش کیجئے، شاید یہ خیال ہو کہ وہ مسلمانوں کا ابتدائی عہد تھا، تصنیف و تالیف کے دور کا پورے طور پر آغاز نہیں ہوا تھا، اگرچہ یہ صحیح نہیں ہے، اور اسی دور میں ہم کو قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی کی کتاب طبقات ناصری اور نور الدین محمد عوفی کی کتاب لباب الالباب بھی ملتی ہے۔ یہ دونوں کتابیں ساتویں صدی کی تصنیفات ہیں، لیکن اگر اس کو کسی طرح تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کے متعلق کیا کہا جائیگا کہ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (متوفی ۶۶۶ھ) ایک عظیم روحانی پیشوا اور جلیل القدر مصلح تھے جنھوں نے اپنے زمانہ کو متاثر کیا اور ایک ایسے شہر میں زندگی گذاری جو اپنے عہد میں ہندوستان کا سب سے بڑا علمی مرکز تھا، سیاسی حالات میں اعتدال و استقرار بھی پیدا ہو چکا تھا، لیکن اس عظیم الشان شخصیت کی سوانح نگاری اور اس کے کارناموں کی تاریخ مرتب کرنے کے لئے مواد کی بے حد کمی ہے، مگر خوارق و تصرفات اور کشف و کرامات کے واقعات کی کوئی کمی نہیں۔

اس لحاظ سے حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاؒ اور حضرت مخدوم الملک

---

[۱] یاد ایام (تاریخ گجرات) ص۵۸ و ص۵۹ از مولانا حکیم سید عبدالحیؒ مصنف نزہۃ الخواطر و گل رعنا (م ۱۳۴۱ھ / ۱۹۲۳ء)

شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ جو آٹھویں صدی کی دو نامور شخصیتیں اور عظیم الشان روحانی مبلغ اور مصلح ہیں، خاص امتیاز و انفرادیت رکھتے ہیں، کئی صدیوں تک کسی شیخ طریقت اور کسی دینی شخصیت کے حالات اتنی روشنی میں نہیں ہیں جتنے ان دونوں بزرگوں کے۔ یہ مواد اس لحاظ سے بھی خصوصیت رکھتا ہے کہ وہ ان حضرات کے ملفوظات اور مکتوبات سے ماخوذ ہے، یا معاصر تاریخوں اور ان کے خدام و مریدین کی کتابوں سے، اس لحاظ سے مؤرخ کو یہاں کم سے کم دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ انتخاب و تحقیق کا کام یہاں بھی ضروری ہے کہ واقعات و سنین میں سخت انتشار و تضاد نظر آتا ہے۔

لیکن ان دونوں شخصیتوں کے انتخاب کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ان سے متعلق تاریخی مواد آسانی سے دستیاب ہو جاتا ہے، یہ بات اور بھی بہت سی شخصیتوں کو حاصل ہے، اس انتخاب کی وجہ یہ ہے کہ وہ اسلام کی تاریخ دعوت و عزیمت میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں اور ہندوستان میں (جو ساتویں صدی کے بعد سے عالمِ اسلام کا مرکز اعصاب اور احیا و تجدید کی تحریکوں کا منبع ہے) ان دونوں حضرات نے روحانی و اصلاحی تحریک کی قیادت کی اور اپنے زمانہ اور بعد کی نسلوں کو سب سے زیادہ متاثر کیا۔

حالات و تعلیمات کے انتخاب میں مصنّف نے ہمیشہ ان اجزاء و مضامین کو اہمیت دی ہے جو اس نسل کے لئے مفید، سبق آموز، قابلِ تقلید، عام فہم اور دلنشیں ہوں اور جن سے غلط فہمی اور غلط روی کا کم سے کم اندیشہ ہو، وہ خود بھی فلسفۂ الٰہیات اور فلسفۂ اخلاق سے کم مناسبت رکھتا ہے اور اپنے قارئین کو بھی اس امتحان میں ڈالنا نہیں چاہتا، اس کے نزدیک ایمان و یقین، عشق و محبّت، درد و سوز، جذبۂ اتباعِ سنّت، عزیمت، علوِ ہمّت، ذوقِ دعوت و تبلیغ، اصلاحِ اعمال و اخلاق اور صحیح علوم و دینی حِکَم و معارف ان بزرگوں کا

اصل جوہر اور ان کی سوانح حیات کا اصل پیام ہے۔ راقم سطور نے سیرت سید احمد شہیدؒ کے مقدمہ میں اپنے مسلک کی معذرت اور وضاحت کرتے ہوئے ایک شعر لکھا تھا جو صورتِ حال کی صحیح ترجمانی کرتا ہے، اسی کا اعادہ یہاں بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ؎

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چُبھے دل میں، وہی تنکے لئے

شاید مصنّف کی دوسری ذمہ داریاں اور نہ ختم ہونے والے مشاغل اتنی جلدی کتاب کی تکمیل کی مہلت نہ دیتے اور اس میں مزید تاخیر ہوتی، مگر اپنے وطن (رائے بریلی) کی سئی ندی کے سیلاب نے ایک گاؤں (میدان پور) میں محصور کرکے اس کا سامان فراہم کردیا کہ جو کام مہینوں میں ہوتا وہ خدا کی مدد سے چند ہفتوں میں ہوگیا۔ وللہ جنود السمٰوات والارض۔

مصنّف کا اخلاقی فرض اور احسان شناسی ہے کہ وہ اپنے محسنین و معاونین کا شکریہ ادا کرے۔ قدیم مآخذ میں مصنّف سب سے زیادہ سیرالاولیاء کے مصنّف امیر خورد اور فوائد الفواد کے مصنّف امیر حسن علاء سنجری کا ممنونِ احسان ہے کہ انھوں نے حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی سوانح حیات و تعلیمات کا سب سے زیادہ مفصل اور مستند مواد فراہم کیا۔ حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے حالات میں سیرۃ الشرف سے بڑی مدد اور رہنمائی حاصل ہوئی اور اس سے قدیم تر مآخذ کا پتہ چلا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ کی تصنیفات اور مضامین ہمیشہ کی طرح بڑے مفید اور مددگار ثابت ہوئے، کاش ان کو دونوں حضرات کی مکمل سوانح حیات مرتب کرنے کا موقع ملتا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس موضوع سے فطری مناسبت اور ذوق اور تاریخ ہندوستان کا وسیع علم عطا فرمایا تھا، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحیؒ کی بیش قیمت تصنیف نزہۃ الخواطر نے حسب معمول تاریخ و تذکرہ

کے ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) کا کام دیا اور مصنف نے اس سے اس طرح مدد
لی اور بار بار رجوع کیا جیسے کوئی طالب علم لغت اور ڈکشنری سے بار بار مدد لیتا ہے اس
موضوع پر وسیع مطالعہ کرنے کے بعد اندازہ ہوا کہ ان کی نظر کتنی وسیع و عمیق تھی اور ان کا
انتخاب و مذاق کتنا پاکیزہ اور شائستہ ہے۔

اپنے معاونین میں ناچیز مصنف جناب مولوی سید نجم الہدیٰ صاحب ندوی دسنوی
اور عزیز گرامی مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی کا ممنون ہے جنھوں نے حضرت مخدوم الملکؒ
کی سوانح حیات اور تصنیفات میں سے بعض نادر چیزیں فراہم کیں۔ عزیزی مولوی شبیر عطا
ندوی سلّمہٗ (جن کو تاریخی و علمی ذوق اپنے نامور والد سے ورثہ میں ملا ہے) سے بھی بعض
ضروری معلومات کے حصول میں مدد ملی۔ عزیز سعید مولوی سید مشرف علی ندوی بھی مصنف
کے شکریہ کے بڑے مستحق ہیں۔ مصنف نے کتاب کا بڑا حصہ املا کیا اور آں عزیز نے بڑی
ہمت اور محنت سے لکھا۔ مولوی اقبال احمد صاحب اعظمی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں
نے بھی وقتاً فوقتاً مدد کی۔ اللہ تعالیٰ ان سب بزرگوں اور عزیزوں کو جزائے خیر عطا فرماوے
اور ان کے عمل کو قبول کرے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً، وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ

ابو الحسن علی
مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ
لکھنؤ

۱۱ صفر سنہ ۱۳۸۲ھ
۲۴ جولائی سنہ ۶۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

ہندوستان میں چشتی سلسلہ اور اُسکے اکابر شیوُخ

عالمِ اسلام کا نیا رُوحانی وفکری مرکز

چھٹی صدی ہجری (بارھویں صدی عیسوی) اسلامی تاریخ میں خاص اہمیت رکھتی ہے، اس صدی کے آخر میں وسیع اسلامی دنیا میں ایک ایسے نئے وسیع ملک کا اضافہ ہو رہا تھا جو قدرتی خزانوں اور انسانی صلاحیتوں سے مالا مال تھا اور جس کے لئے مستقبل قریب میں اسلامی دعوت کا عالمگیر مرکز اور اسلامی علوم کا محافظ و امین بننا مقدر ہو چکا تھا۔

اس صدی کے اوائل میں نیم وحشی تاتاریوں نے عالمِ اسلام پر مور و ملخ کی طرح یورش کی، ملک کے ملک ان کی بربریت اور وحشیانہ مظالم سے تاراج اور بڑے بڑے نامی گرامی شہر جو کبھی علم و تہذیب کے علمبردار اور مدارس و خانقاہوں سے یکسر گلزار ہو رہے تھے بے چراغ ہو گئے شہروں کا امن و سکون، زندگی کا نظم و نسق اور شرفاء کی عزت و ناموس خاک میں مل گئے، بخارا، سمرقند، رے، ہمدان، زنجان، قزوین، مرو، نیشاپور، خوارزم اور بالآخر مرکزِ خلافت دارالسلام بغداد اس فتنۂ جہاں سوز

کی لپیٹ میں آگیا اور قدیم تہذیب کا مدفن بن کر رہ گیا۔ اس بلائے ناگہانی سے عالم اسلام کی چولیں ہل گئیں اور پوری قدیم اسلامی دنیا پر سیاسی زوال اور فکری و علمی اضمحلال کے سیاہ بادل چھا گئے۔ اس وقت اس پورے عالم اسلام میں ہندوستان ہی ایک ایسا ملک تھا جو اس فتنۂ عالم آشوب سے محفوظ رہ گیا تھا۔ یہاں تازہ دم، قوی اور پرجوش ترکی النسل خاندانوں کی حکومت تھی، جو اُن تاتاریوں اور مغلوں سے بخوبی پنجہ آزمائی کر سکتے تھے اور اپنی ایمانی قوت اور نئے اسلامی جوش کی بنا پر جنگی قوت اور شجاعت میں نہ صرف اُن کے حریف بلکہ ان سے فائق تھے، تاتاری اور مغل بار بار ہندوستان پر حملے کرتے رہے اور پسپا ہوتے رہے۔ صرف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں چنگیزی مغلوں نے پانچ بار ہندوستان پر حملہ کیا، پہلا حملہ ۶۹۶ھ میں ہوا، چوتھے اور پانچویں حملے میں سلطان کی طرف سے ملک تغلق (ملک غازی) نے جوہر مردانگی دکھائے اور مغلوں کو اس طرح شکستِ فاش دی کہ:۔

"دراں روز بار مغول را ہوس ہندوستان بردل سرد شد، و دندان طمع کند گشت[1]" (اس دن سے مغلوں کی ہندوستان کی ہوس سرد ہو گئی، اور اُن کے دندان حرص و آز ہمیشہ کے لئے کھٹے ہو گئے)۔

ان خصوصیات کی بنا پر عالم اسلام کے بہترین خاندان جن کو اپنا ناموس اور ایمان عزیز تھا اور بہترین دل و دماغ جو اپنے بدقسمت وطن میں سکون و اطمینان سے محروم ہو گئے تھے، ہندوستان کے جدید دارالامن اور دارالاسلام کی طرف ہجرت کر آئے۔ لائق ترین انسانوں اور شریف ترین خاندانوں کا یہ سیلاب ایران، ترکستان و عراق کی طرف سے بار بار

---

[1] منتخب التواریخ ص ۱۸۶ و تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی ص ۲۵۱ و ص ۳۰۲ و ص ۳۲۰ و ص ۳۲۳۔

امنڈ تا رہا اور ان کی وجہ سے دہلی ایک بین الاقوامی شہر اور رشکِ بغداد و قرطبہ بن گئی، نہ صرف دہلی بلکہ ہندوستان کے دوسرے شہر اور قصبات شیراز و یمن کی ہمسری کرنے لگے۔ مورخینِ ہندوستان ضیاء الدین برنی وغیرہ جب ان شریف و نجیب خاندانوں، اساتذۂ وقت، علماء نامدار اور مشائخ کبار کی فہرست سناتے ہیں جو فتنۂ تاتار میں ہجرت کر کے ہندوستان آ گئے تھے اور ہنگامۂ درس و تدریس اور ارشاد و تلقین گرم کئے ہوئے تھے، نیز جنھوں نے سلطنت کی نازک ترین ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں اور ملک کی زیب و زینت کا باعث تھے، تو معلوم ہوتا ہے کہ سارے عالمِ اسلام کا جوہر شرافت و فضیلت یہیں آ گیا تھا۔[۱]

اس انقلاب سے ہندوستان نہ صرف عالمِ اسلام کا ایک اہم حصہ بن گیا تھا، بلکہ تاریخ کا صاف اشارہ تھا کہ وہ اسلام کی فکری و روحانی قوت، علمی تحریکات اور احیاء و تجدید کا نیا مرکز بن رہا ہے، اور فکرِ اسلامی اور دعوت و عزیمت کے مورخین کو اب مسلسل کئی صدیوں تک اپنی توجہ اسی پر مرکوز کرنی پڑے گی۔

اسلامی ہند کے معمار اسلامی دنیا کے لئے ہندوستان کی دریافت اور دریافت "نئی دنیا" کی دریافت سے کم انقلاب انگیز اور عہد آفریں واقعہ نہ تھا، اگرچہ پہلی صدی ہجری ہی میں یہاں اسلام کے حوصلہ مند دستے آنے شروع ہو گئے تھے اور ۹۳ھ میں محمد بن قاسم ثقفی نے سندھ سے ملتان تک کے علاقہ کو اپنی شمشیر و اخلاق سے تسخیر کر لیا تھا، اور اس برِ صغیر (ہند) میں جا بجا داعیانِ اسلام کے مرکز و خانقاہیں چھوٹے چھوٹے جزیروں کی طرح قائم ہو چکی تھیں، جیسے ع

بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی از ضیاء برنی ص ۱۱۱ و ص ۱۱۲

لیکن حقیقتاً ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندرِ اسلام سلطان محمود غزنوی (م ۴۲۱ھ) کے سَر اور مستحکم و مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری (م ۶۰۲ھ) کے حصّے میں تھی اور آخری طور پر اس کی روحانی تسخیر اور اخلاقی و ایمانی فتح حضرت خواجۂ بزرگ شیخ الاسلام معین الدین چشتیؒ (م ۶۲۷ھ) کے لئے مقدر ہو چکی تھی۔

ہندوستان کی فتح سے پہلے اسلام کے چاروں مشہور روحانی سلسلے قادریہؒ، چشتیہؒ، نقشبندیہؒ اور سُہروردیہ وجود میں آچکے تھے اور عرصہ سے پھل پھول رہے تھے، اپنے اپنے وقت پر ان میں سے ہر ایک کا فیض ہندوستان کو پہنچا اور ہندوستان کی اسلامی تعمیر و تشکیل میں سب کا حصّہ ہے۔ شکر اللہ مساعیہم لیکن ہندوستان کی روحانی فتح اور اس سرزمین پر اسلام کا پودا نصب کرنے کے لئے (جس کے سایہ اور پھل سے ایک عالم مستفید ہونے والا تھا) حکمتِ الٰہی نے چشتی سلسلہ کو انتخاب فرمایا۔ وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ۔

ان اسرارِ الٰہی سے قطع نظر جن کو ہماری کوتاہ نظر نہیں پا سکتی، چشتیوں پر اس ملک کا حقِ ہمسائگی بھی تھا، ان کا سلسلہ اس ملک کے ہمسایہ ملک ایران میں فروغ پا رہا تھا، اپنے دردمند مزاج اور نسبتِ عشقیہ کی بنا پر بھی جو سلسلۂ چشتیہ کا سرمایہ ہے اس سلسلہ کو ہندوستان کا دل جیت لینا اور اس کو اپنی محبّت کا اسیر اور عشقِ الٰہی کا نخچیر بنا لینا آسان تھا کہ زمانۂ قدیم سے محبّت و درد اس سرزمین کے خمیر میں ہے۔

ہندوستان سے چشتیوں کا پہلا تعلق

غرض ان معلوم و نامعلوم حکمتوں کی بنا پر قدرت الٰہی نے ہندوستان میں اسلام کے تعارف اور اشاعت کے لئے اس سلسلہ کو انتخاب فرمایا اور چشتیوں کو ہندوستان کی طرف رُخ کرنے کا اشارۂ غیبی ہوا۔ سب سے پہلے جس چشتی شیخ نے ہندوستان کی طرف عنانِ عزیمت

موڑی وہ خواجہ ابو محمد چشتی[1] تھے، جن کی دعائیں اور بابرکت ذات سلطان محمود غزنوی کی فتوحات کی پشت پناہ تھی، مولانا جامی "نفحات الانس" میں لکھتے ہیں:۔

وقتے کہ سلطان محمود بہ غزو سومنات[2]	جس وقت سلطان محمود سومنات کی طرف
رفتہ بود خواجہ را در واقعہ نمودند کہ	گیا ہوا تھا خواجہ ابو محمد کو اشارۂ غیبی
بمدد گاری وے باید رفت در سن ہفتاد	ہوا کہ اس کی مدد کیلئے جائیں، وہ ستر برس
سالگی بادرویشے چند متوجہ شد چوں	کی عمر میں چند درویشوں کیساتھ روانہ
آں جا رسید بہ نفس مبارک خود با مشرکان	ہوئے اور وہاں پہنچ کر بنفس نفیس
وعبدۂ اصنام جہاد کرد[3]	جہاد میں شرکت فرمائی۔

---

[1] خواجہ ابو محمد چشتی (م ۴۰۹ھ یا ۴۱۱ھ) خواجہ ابو احمد کے فرزند خلیفہ تھے جو خواجہ ابو اسحاق شامی کے خلیفۂ اعظم اور خواجہ ناصر الدین ابو یوسف کے شیخ و مرشد تھے، خواجہ ناصر الدین ابو یوسف خواجہ قطب الدین مودود کے شیخ ہیں، اور وہ حاجی شریف زندنی کے۔حاجی شریف زندنی کے خلیفہ حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ اُن کے خلیفہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ۔

[2] سلطان محمود نے سومنات پر حملہ ۴۱۶ھ میں کیا، اگر خواجہ ابو محمدؒ کا سنہ وفات مذکورۂ بالا صحیح ہے تو اس سے پہلے ان کا انتقال ہو چکا تھا، غالباً مولانا جامی کی مراد حملۂ ہندوستان سے ہے، انھوں نے اسکو حملۂ سومنات سے تعبیر کیا ہے کہ ہندوستان سے یا ہر سب سے زیادہ اسی کارنامہ کی شہرت ہوئی۔ سومنات پر حملہ کرنےسے پہلے ہندوستان پر محمود کے ۸ حملے ہو چکے تھے۔ ان میں سے کسی حملے میں (اغلب ہے کہ پہلے حملے میں) شیخ ابو محمدؒ ساتھ رہے ہوں گے۔

[3] نفحات الانس ص ۳۲۳

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

لیکن جس طرح محمود کی سیاسی فتح کی تکمیل اور اسلامی سلطنت کے استحکام و استقلال کی سعادت سلطان شہاب الدین غوری کیلئے مقدر تھی، خواجہ ابو محمد چشتیؒ کے کام کی تکمیل اور اسلام کی عمومی اشاعت اور اسلامی مرکز رشد و ہدایت کا قیام اسی سلسلہ کے ایک شیخ، شیخ الشیوخ خواجہ معین الدین سجزیؒ[1] کے لئے مقدر ہو چکا تھا۔

---

[1] خواجہ معین الدین چشتیؒ کی اصل نسبت سجزی ہے، جو کاتبوں کی غلطی اور بولنے والوں کی غلط فہمی سے "سنجری" بن گیا۔ قدیم مسودات واشعار سے پتہ چلتا ہے کہ ابتدا میں سَجَزی ہی لکھا اور بولا جاتا تھا۔ سَجَزی نسبت سجستان کی طرف ہے۔ قدیم جغرافیہ نویس عام طور پر اسکو خراسان کا ایک حصّہ مانتے ہیں، موجودہ زمانے میں اس کا اکثر حصّہ ایران میں شامل ہے اور باقی افغانستان میں۔

اس علاقہ کا پایۂ تخت زَرنج تھا جس کے کھنڈر اب زاہدان کے قریب پائے جاتے ہیں۔ ایک زمانہ میں سجستان کے حدود غزنین تک تھے۔ (احسن التقاسیم)

بعض جغرافیہ دانوں کے نزدیک سَجَز، سجستان کے ایک خاص مقام کا نام ہے، جس کی طرف نسبت سَجَزی آتی ہے۔ کبھی کبھی پورے سجستان کی طرف بھی سجزی کہہ کر نسبت کرتے ہیں۔

جغرافیہ خلافت مشرقی کے مصنف جی بی اسٹرینج نے ۲۰ صفحوں میں سجستان کا جغرافیہ بیان کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ سیستان فارسی لفظ سنگستان سے ماخوذ ہے، عرب اسے سجستان کہتے ہیں۔ اس ملک کی زمین نشیب میں ہے اور جھیل زرہ کے گرد اور اسکے مشرق میں واقع ہے، دریائے ہلمند اور جس قدر دریا اس جھیل میں گرتے ہیں، ان سب کے ڈیلٹا اسی زمین میں پڑتے ہیں۔

فارسی میں سیستان کو نیمروز یا جنوبی ملک بھی کہتے ہیں اور جنوبی ملک کہنے کی وجہ یوں بیان ہوئی ہے کہ سیستان خراسان کے جنوب میں واقع ہے ص ۵۰۳ و ص ۵۰۴

قدیم تر مورخین (جن میں طبقاتِ ناصری کے مصنف قاضی منہاج الدین عثمان جوزجانی بھی شامل ہیں جو حضرت خواجہ کے کمسن معاصر ہیں[1]) کا بیان ہے کہ حضرت خواجہؒ سلطان شہاب الدین غوری کے اس لشکر کے ساتھ تھے جس نے والی اجمیر رائے پتھورا (پرتھوی راج[2]) کو شکست دی اور ہندوستان کی فتح کی

---

[1] قاضی صاحب کی ولادت ۵۸۹ھ میں ہوئی۔ ۱۲

[2] پرتھوی راج یا رائے پتھورا (۱۱۷۵ - ۱۱۹۲ء) سومیشور کا بیٹا تھا، جو اجمیر کے چوہان حکمراں خاندان کے بانی "اروناراجہ" کا فرزند اور اس خاندان کے نامور فرمانروا دگرہ راجہ عرف وسیل دیو کا بھائی تھا۔ "سومیشور" کا دہلی کے تومر راجپوت حکمراں خاندان اور اجمیر کی چوہان شاخ پر یکساں اقتدار تھا، سومیشور دہلی کے آخری تومر فرمانروا انندپال (انگپال) کا داماد تھا اور اس رشتے سے پرتھوی راج دہلی کے آخری فرمانروا کا نواسہ ہوتا تھا۔ انندپال کی کوئی اولاد نرینہ نہ تھی اس نے پرتھوی راج کو متبنّیٰ کیا تھا، اس کے انتقال پر دہلی کی سلطنت پرتھوی راج کے حصہ میں آئی اور اجمیر کی سلطنت اس نے اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی، اس طرح وہ راجپوتوں کی دو طاقتور مرکزی سلطنتوں دہلی و اجمیر کا مالک ہوا، چونکہ اجمیر سے اس کا آبائی اور وطنی تعلق تھا اور وہ اس کی دادھیالی گدّی تھی، اس لئے اغلب ہے کہ اس کا زیادہ تر قیام اجمیر میں رہتا تھا، اس وجہ سے اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج اپنی ذات سے بڑا حوصلہ مند، منچلا فنون سپہ گری میں طاق اور بہادر راجپوت تھا، اس نے بہت سی جنگوں میں نمایاں فتوحات حاصل کیں، جنھوں نے ایک صدی تک اس کے نام کو زندہ اور روشن رکھا۔ قنوج کے راجہ جے چند کی بیٹی کو "سوئمبر" سے لے آنے کی وجہ سے وہ ان داستانوں اور نظموں کا ہیرو بن گیا جو اب تک شمالی ہند میں گائی اور پڑھی جاتی ہیں، وہ اپنی سپہگری، حوصلہ مندی اور فتوحات کی بنا پر ہندوستان کے دورِ آخر کے بہادر راجپوتوں اور طاقتور رہنماؤں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے لیکن اس کی آخری شکست نے اسکی عظمت پر پردہ ڈال دیا، اور تاریخ ہند نے اس کا قصور معاف نہیں کیا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

تکمیل کی، اس فتح میں ان کی دعاؤں، توجہات اور روحانیت کا بہت بڑا حصہ تھا۔[۱]

بعد کے مورخین کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ نے شہاب الدین غوری کے حملوں کے درمیان (جو ۵۷۹ھ سے ۶۰۲ھ تک جاری رہے) ابتدائے سنین ہی میں اجمیر میں جو اسوقت راجپوت طاقت وحکومت اور ہندو مذہب وروحانیت کا بہت بڑا مرکز تھا[۲] قیام اختیار

(صفحہ ۲۵ کا بقیہ حاشیہ) ۱۱۹۱ء (۵۸۷ھ) میں جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندوستان پر حملہ کیا، پرتھوی راج نے ترائن (حال تلونڈی) کے مقام پر جو تھانیسر سے ۱۴ میل کے فاصلہ پر واقع ہے: ایک منظم فوج کے ساتھ بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور سلطان کو شکست فاش دی۔ اگلے سال ۱۱۹۲ء ۵۸۸ھ میں سلطان نے بڑی تیاری اور نئے عزم کے ساتھ ایک لاکھ بیس ہزار فوج کے ساتھ دوبارہ حملہ کیا، پرتھوی راج تین لاکھ سوار اور تین ہزار ہاتھی میدان میں لایا، ۱۵۰ راجپوت راجگان اپنی فوجوں کے ساتھ تھے۔ پرتھوی راج نے شکست کھائی اور گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا۔ اور اس طرح راجپوتوں کی آزاد سلطنت اور ہندوستان کی قدیم فرمانروائی کا خاتمہ ہوا۔

(پروفیسر ایشوری پرشاد اور دوسرے مورخین باختصار)

---

[۱] طبقات ناصری ص ۴۲ + فرشتہ ص ۵۷ + منتخب ص ۵۰

[۲] اجمیر سے ۷ میل شمال پشکر، ایک مشہور مذہبی تیرتھ گاہ تھی جس کی یاترا کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے، اسکی جھیل کو جو مذہبی تقدس حاصل تھا اس میں صرف "مان سرور" کی جھیل اس کی ہمسری کر سکتی ہے۔ پشکر کی جھیل کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ برہما نے یہاں یگ کیا اور یہاں پر سرسوتی اپنے پانچ دھاراؤں سے پرکٹ ہوتی ہیں۔ (اجمیر ڈسٹرکٹ گزیٹیر ص ۱۸)

فرمالیا تھا۔ ابھی غوری کے حملوں نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ نہیں کیا تھا اور اسکی ترکتازیاں شمالی مغربی ہندوستان تک محدود تھیں کہ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جس نے ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ کر دیا، رائے پتھورا نے کسی مسلمان کو (جو غالباً اُس کے دربار سے متعلق تھا) اذیت پہنچائی، حضرت خواجہؒ نے اس کی سفارش کی۔ پتھورا نے متکبرانہ اور توہین آمیز جواب دیا اور کہا کہ "یہ شخص یہاں آیا ہوا ہے اور ایسی اونچی اونچی باتیں کہتا ہے جو کسی نے نہ دیکھیں نہ سنیں۔ حضرت خواجہ نے یہ سن کر ارشاد فرمایا کہ "ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کرکے (محمد غوری کو) دے دیا" اس کے بعد ہی محمد غوری نے حملہ کیا، پتھورا نے مقابلہ کیا، اور شکست کھائی[لے]

بہر حال واقعہ کی جو ترتیب ہو اس میں شک نہیں کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے محمد غوری کے حملوں کے درمیان اور اسلامی سلطنت کی عمومیت و استحکام سے پیشتر ہندوستان کے قلب اور قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و روحانی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، یہ فیصلہ ان کی اولوالعزمی عالی ہمتی اور جرأت ایمانی کا ایسا تابناک کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاتحین عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔ ان کے استقلال و اخلاص، ان کے توکل و اعتماد، ان کے زہد و قربانی اور انکے درد و سوز کیوجہ سے ہندوستان کے لئے دارالاسلام بننے کا فیصلہ کر دیا اور جو سرزمین ہزاروں برس صحیح یقین اور صحیح معرفت سے محروم اور توحید کی صدا سے ناآشنا تھی وہ علماء و اولیاء کی سرزمین اور علوم اسلامیہ اور کمالاتِ دینیہ کی محافظ و امین بن گئی اور اس کی فضائیں اذانوں سے اور دشت و جبل اللہ اکبر کی صداؤں سے اور اسکے شہر و دیار قال اللہ وقال الرسول کے نغموں سے ایسے گونجے کہ صدیوں سے عالمِ اسلام گوش برآواز ہے۔ ع جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے۔

لے سیر الاولیاء ص ۱۱ ، آثار الکرام

سیر الاولیاء کے مصنف نے بڑی صداقت و بلاغت سے لکھا ہے:۔

مملکت ہندوستان تا حد بر آمدن آفتاب
ہمہ دیارِ کفر و کافری و بت پرستی بود،
و متمردان ہند ہر یکے دعوئے انا ربکم الاعلیٰ
می کردند و خدائے را جل و علا شریک میگفتند
و سنگ و کلوخ و دار و درخت و ستور و گاؤ و
سرگین آں را سجدہ می کردند و ظلمت کفر
قفل دل ایشاں مظلم و محکم بود۔ ؎

ہمہ غافل از حکم دین و شریعت
ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ
نہ ہرگز شنیدہ کسی اللہ اکبر

وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل
یقیں کہ بہ حقیقت معین الدین بود ظلمت ایں دیار
بنور اسلام روشن و منور گشت۔ ؎

از تیغ او بجائے صلیب و کلیسا
در دار کفر مسجد و محراب و منبر است
آنجا کہ بود نعرہ و فریاد مشرکاں
اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است

ملک ہندوستان اپنے آخری مشرقی
کنارہ تک کفر و شرک کی بستی تھی، اہل
تمرد "انا ربکم الاعلیٰ" کی صدا لگا رہے تھے
اور خدا کی خدائی میں دوسری ہستیوں کو
شریک کرتے تھے، اور اینٹ، پتھر،
درخت، جانور، گائے و گوبر کو سجدہ کرتے تھے
کفر کی ظلمت سے ان کے دل تاریک اور
مقفل تھے، سب دین و شریعت کے حکم سے
غافل، خدا و پیمبر سے بے خبر تھے، نہ کسی نے
کبھی قبلہ کی سمت پہچانی، نہ کسی نے
اللہ اکبر کی صدا سنی، آفتاب اہل الیقین
حضرت خواجہ معین الدین رح کے قدم مبارک
کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس ملک
کی ظلمت نور اسلام سے مبدل ہو گئی
ان کی کوشش و تاثیر سے جہاں شعائر
شرک تھے وہاں مسجد و محراب و منبر نظر
آنے لگے، جو فضا شرک کی صداؤں سے
معمور تھی، وہ نعرۂ اللہ اکبر سے گونجنے لگی۔

وہر کہ ازیں دیار مسلمان شد و تا روز قیامت	اس ملک میں جس کو دولتِ اسلام ملی
مسلمان خواہد شد او فرزندان ایشاں تا	اور قیامت تک جو بھی اس دولت سے
توالدوا تناسلوا امت مسلمان خواہند	مشرف ہوگا نہ صرف وہ بلکہ اس کی
بود و آں طائفہ را کہ بہ تیغ اسلام از	اولاد در اولاد، نسل در نسل سب انکے
دار حرب در دار اسلام خواہند آورد	نامۂ اعمال میں ہوں گے اور اس میں
الی یوم القیمۃ، مثوبات آں ببارگاہ	قیامت تک جو بھی اضافہ ہوتا رہیگا اور
باجاہ شیخ الاسلام معین الدین سجزی	دائرۂ اسلام وسیع ہوتا رہے گا قیامت
قدس اللہ سرہ العزیز بمتابعت حضرت	تک اس کا ثواب شیخ الاسلام معین الدین حسن
او واصل و متواصل خواہند بود	سجزی کی روح کو پہنچتا رہے گا۔
انشاء اللہ العزیز۔[1]	

اس طرح ہندوستان اور ہندوستان میں جو کچھ خدا کا نام لیا اور اسلام کا کام کیا گیا وہ سب چشتیوں اور ان کے مخلص و عالی ہمت بانیِ سلسلہ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے حسنات اور کارناموں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک پر اس سلسلہ کا حق قدیم ہے، مولانا غلام علی آزاد نے صحیح لکھا ہے:۔

لاشک بزرگان چشت عنبر سرشت را	اس میں کوئی شک نہیں کہ بزرگانِ
حقی است قدیم بہ ولایت ہند۔[2]	سلسلۂ چشت کا ملک ہندوستان پر حق قدیم ہے

اور صاحب سیر الاقطاب کا یہ لکھنا بھی صحیح ہے:۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۴۷ [2] مآثر الکرام ص ۷

بہ ہندوستان برمین قدومِ میمنت لزومش	ہندوستان میں انکے دم قدم کی برکت سے
طریقۂ اسلام ظاہر گشت و سیاہی کفر و	اسلام کی اشاعت ہوئی اور کفر کی ظلمت
شرک از عرصۂ روزگار بزدود[1] ـــــ	یہاں سے کافور ہوئی۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کی حیات ہی میں ہندوستان کی سیاسی مرکزیت اور اقتدار اجمیر سے دہلی منتقل ہو گیا، اور اجمیر نے اپنی اہمیت بہت کچھ کھو دی۔ خواجہ بزرگؒ نے دہلی میں اپنے جانشین و خلیفۂ اعظم خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کو بٹھایا اور خود اجمیر ہی میں مقیم رہے جہاں تبلیغ وارشاد اور تعلیم و تربیت اور مشغولی بحق میں اپنی بقیہ زندگی پوری کر دی، کسی قدیم تاریخی ماخذ میں ان تبلیغی مساعی کی تفصیلات اور ان کے نتائج و اثرات کا مستند و معیّن طریقہ پر تذکرہ نہیں ملتا۔ عام طور پر اتنا ذکر کیا جاتا ہے کہ کثیر و عظیم تعداد میں بندگانِ خدا نے ان سے ایمان و احسان کی دولت پائی اور لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوئے ـــــ ابو الفضل "آئینِ اکبری" میں لکھتا ہے: ـ

عزلت گزیں باجمیر شد و فراواں چراغ	اجمیر میں عزلت گزیں ہوئے، اور اسلام
برافروخت، و از دم گیرائے او گروہا گروہا	کا چراغ بڑی آب و تاب سے روشن کیا، انکے
مردم بہرہ بر گرفتند	انفاسِ قدسیہ سے جوق در جوق انسانوں نے ایمان
	کی دولت پائی۔

تقریباً نصف صدی ارشاد و تلقینِ اسلام کی اشاعت اور داعیانِ اسلام و اہلِ قلوب کی

---

[1] سیر الاقطاب ص۱۰۱

[2] آئینِ اکبری (سرسید ایڈیشن) ص۲۷۰

کی تعلیم و تربیت اور یادِ حق میں سرگرمی کے ساتھ مشغول رہ کر ۹۰ سال کی عمر میں ۶۲۷ھ[1] میں اس وقت رحلت فرمائی جب ہندوستان میں ان کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا جڑ پکڑ چکا تھا اور دار الحکومت دہلی میں ان کا جانشین و تربیت یافتہ شیخ وقت (خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ) ارشاد و ہدایت کے کام میں سرگرم و منہمک تھا اور ان کا عقیدتمند و حلقہ بگوش سلطان شمس الدین التمش اسلامی حکومت کی توسیع و استحکام اور عدل گستری و خلق پروری میں مشغول تھا۔

خواجہ قطبُ الدین بختیار کاکیؒ

خواجہ قطب الدین بختیارؒ قصبۂ اوش[2] (ماوراء النہر) میں پیدا ہوئے۔ ڈیڑھ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، والدہ ماجدہ نے تربیت کی۔ پانچ سال کی عمر میں مکتب میں داخل ہوئے، مولانا ابو حفص اوشیؒ سے تعلیم حاصل کی، پھر بغداد کا سفر کیا، وہاں اُس خضرِ طریقت سے ملاقات و ملازمت کا شرف حاصل ہوا جس کی رہبری سے کمال و تکمیل کے مدارج تک پہنچنا مقدر تھا اور جس کے ہاتھوں اور جس کی شرکت میں اسلام میں ہندوستان کا "چشمۂ حیواں" جاری ہونا تھا۔ فقیہ ابو اللیث سمرقندیؒ کی تاریخی و بابرکت مسجد میں ممتاز و جلیل القدر علماء و شیوخ کی موجودگی میں خرقۂ خلافت سے سرفراز ہوئے، ہندوستان تشریف لائے اور اپنے شیخ کے حکم و ہدایت سے دہلی کو اپنا مستقر بنایا جو نوخیز و وسعت پذیر اسلامی سلطنت کا دار الحکومت تھا، اور جو ایک طرف عالی ہمت مسلمانوں

---

[1] سنہ وفات میں اختلاف ہے۔ عام طور پر تین سنہ لکھے گئے ہیں: ۶۲۷ھ، ۶۳۲ھ، ۶۳۳ھ صاحب سیر الاقطاب نے "آفتابِ ملکِ ہند" سے سنہ وفات ۶۳۳ھ استخراج کیا ہے، صاحب خزینۃ الاصفیاء نے بھی یہی سنہ وفات مانا ہے۔ ۱۲

[2] یاقوت نے معجم البلدان میں لکھا ہے کہ وہ فرغانہ کے نواح میں ایک بڑا شہر ہے۔

بادشاہوں کی قدردانی وجوہرشناسی کی وجہ سے، دوسری طرف تاتاری حملوں کی بناء پر علماء، شرفاء واہلِ کمال کا ملجاء وماویٰ بن گیا تھا، اور رسالۂ اسلام کا جوہر وہاں منتقل ہو رہا تھا۔

سلطان شمس الدین التمش نے شایانِ شان پذیرائی کی، آپ نے دربار سے کوئی تعلق رکھنا پسند نہ کیا اور سلطان کی کسی پیشکش (دیہہ وجاگیر) کو قبول نہ فرمایا، اور پہلے کیلوکھری میں، پھر ملک عزالدین کی مسجد کے قریب فقیرانہ و درویشانہ زندگی اختیار کی،[ف] سلطان برابر عقیدت کے ساتھ خدمت میں حاضر ہوتا رہا اور اس کی عقیدت برابر ترقی کرتی رہی، اہل شہر کا ایسا رجوع عام ہوا کہ شیخ الاسلام وقت شیخ نجم الدین صغریٰ کو کبیدگی اور شکایت پیدا ہو گئی، حضرت خواجہ معین الدینؒ اپنے خلیفہ کی ملاقات کے لئے دہلی تشریف لائے تو شیخ نجم الدینؒ نے جو اُن کے قدیم دوست تھے شکایت کی۔ حضرت خواجہؒ نے اپنے مرید رشید سے فرمایا:—

بابا بختیار ہم بیکبار چنیں مشہور شدی کہ	بابا بختیار اتنی جلدی ایسے مشہور ہو گئے
خلق از دست تو شکایت کردن گرفت	کہ بندگانِ خدا کو تم سے شکایت
ازیں جا برخیز و در اجمیر بیا و بنشیں	پیدا ہونے لگی۔ یہاں سے چلو اور اجمیر آ کر وہاں
من پیش تو بایستم[ے]	قیام اختیار کرو، میں تمھارے سامنے (خادم) کھڑا رہونگا۔

شیخ نے وہ ارشاد فرمایا جو ایک ایسے عالی مرتبت شیخ کو فرمانا چاہیئے جو کمالِ اخلاص و ربانیت کو پہنچ چکا تھا، مردانِ راہ و واصلینِ بارگاہ ادنیٰ مخلوق کی شکایت و آزردگی کو گناہ سمجھتے ہیں، چہ جائیکہ شیخ الاسلام کی کبیدگی کو، پھر آپ مرکزِ اسلام میں انتشار و پراگندگی کو کو پسند نہیں کرتے تھے جس کا اس رنجش سے خطرہ تھا، آپ نے لطیف طریقہ پر یہ تنبیہ بھی فرما دی کہ اگر یہاں کے اہلِ فضل تمھاری قدر و منزلت اور مقام سے واقف نہیں تو

لے فرشتہ صفحہ ۲۰۷ ج ۲   ۵ سیر الاولیا صفحہ ۵۴

میں واقف ہوں، اور یہ کہ یہاں خادم و مخدوم و شیخ و مرید کا کوئی امتیاز نہیں، وہاں تم مخدوم رہوگے، میں خادمانہ۔ خواجہ قطب الدینؒ نے وہی جواب دیا جو ایک مرید رشید کو دینا چاہیے عرض کیا:۔

مخدوم مرا چہ محل آں باشد کہ پیش مخدوم تواں ایستاد فکیف بنشستیم[1]	مخدوما! میں تو آپ کے سامنے کھڑے ہونے کا بھی اہل نہیں، بیٹھنے کی کیا مجال؟

شیخ نے اجمیر چلنے کا حکم دیا اور مرید صادق بے چون و چرا اور بلا تامل تیار ہوگیا، لیکن جب شہر کے باہر قدم نکالا تو شیخ کو معلوم ہوگیا کہ یہ مقبولیت و ہر دلعزیزی من جانب اللہ ہے اس میں نفسانیت و انانیت کو دخل نہیں، اور یہ کہ ان کے مرید رشید نے ساری دہلی کو اپنا عاشق و پروانہ بنالیا ہے۔

شیخ قطب الدین ہمراہ شیخ روانہ اجمیر گردید ازیں مقدمہ در تمام شہر دہلی شور افتاد ہمہ اہل شہر مع سلطان شمس الدین دنبال برآمدند، و ہر جا شیخ قطب الدین قدم می گذاشت خلائق خاک آں زمین بہ تبرک بری داشت و بنہایت اضطراب و زاری می نمودند۔[2]	خواجہ قطب الدین اپنے شیخ کے ساتھ اجمیر روانہ ہوئے، اس اطلاع سے شہر دہلی میں ایک شور برپا ہوگیا۔ اہل شہر مع سلطان شمس الدین شہر سے نکلکر آپ کے پیچھے ہولئے جہاں خواجہ قطب الدین کا پاؤں پڑتا تھا، لوگ خاک پا کو تبرک بناکر اٹھا لیتے تھے۔ لوگ بڑے بیقرار اور آہ و زاری میں مصروف تھے۔

ایک دل کو خوش کرنے کے لئے اور ایک جزئی مصلحت کی خاطر لاکھوں خدا کے بندوں کے دل کو رنجور و زخمی کرنا جائز نہ تھا، مرشد نے مرید رشید کو اجمیر لیجانے کا ارادہ فسخ کیا اور فرمایا:

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۳ [2] ایضاً ص۵۴

بابا بختیار! بہدریں مقام باش کہ خلائق از	بابا بختیار! تم یہیں رہو، اسلئے کہ خدا کی
بیرون آمدن تو در اضطراب و خراب است	اتنی مخلوق تمہارے باہر جانے سے تباہ حال
روا نہ دارم کہ چندیں دلہا خراب و کباب	ہے میں اس کو جائز نہیں سمجھتا کہ اتنے دل
باشند برو ایں شہر را در پناہ تو	دکھائے اور جلائے جائیں۔ جاؤ ہم نے
گذاشتیم۔[1]	اس شہر کو تمہاری پناہ میں چھوڑا۔

سلطان شمس الدین نے جس کا دارالحکومت اس نعمت سے محروم ہوا جا رہا تھا، شیخ کا شکریہ ادا کیا اور خواجہ قطب الدین شہر دہلی واپس آئے اور خواجہ معین الدینؒ اجمیر واپس ہوئے۔

خواجہ قطب الدینؒ نے دہلی واپس آ کر اور اپنے بوریائے فقر پر بیٹھ کر سرگرمی سے ارشاد و تربیت کا کام انجام دینا شروع کیا۔ انھوں نے "سرکار دربار" سے ضابطہ کا کوئی تعلق نہیں رکھا اور نہ صرف اسکو اپنی زندگی کا اصول بنایا بلکہ اپنے سلسلہ کا اصول بنا دیا کہ فقر و استغنا کے ساتھ اور "دربار" سے دور رہ کر اپنا کام کرنا ہے، لیکن اس بے تعلقی و بے نیازی کے باوجود عوام و خواص اور شاہ و گدا سب ان کے عقیدتمند و حلقہ بگوش تھے۔

جملگی عالم از صدور و ائمہ بہ دعاگوئی	ساری دنیا، اعیان و اکابر دعا گوئی اور
روئے نہادند[2]	نیازمندی میں مصروف تھے۔

سلطان شمس الدین ہفتہ میں دو بار حاضری دیتا اور اخلاص و عقیدت کا اظہار کرتا[3]۔ دہلی میں جو نہ صرف ہندوستان کا دارالحکومت بلکہ عالمِ اسلام کی نئی طاقت اور دعوت و تجدید اسلام کا نیا مرکز تھا اور جہاں عالم اسلام کے ممتاز ترین علماء و اساتذہ، سادات و شرفاء اور مشائخ داہلِ

---

[1] سیر الاولیاء (ص۵۵) [2] اخبار الاخیار (ص۲۶) [3] تاریخ فرشتہ (ص۱۹)

سلسلہ اور دنیائے اسلام کے بہترین دل و دماغ جمع تھے، اشاعت طریق و تربیت قلوب اور نئی ابھرتی ہوئی اسلامی سلطنت کی رہنمائی کا کام اپنے دامنِ فقر و استغنا کو ذرّہ برابر آلودہ اور ترک کئے بغیر انجام دینا بڑا نازک اور مشکل تھا اور اس کے لئے پہاڑ کی سی استقامت اور ہوا کی سی سُبک روی اور سُبک گامی کی ضرورت تھی۔ جس سے کسی شیشے کو ٹھیس نہ لگے۔ خواجہ صاحب نے بڑی کامیابی اور خوش اسلوبی کے ساتھ اس نازک اور دشوار کام کو انجام دیا، ان کو اس خدمت کے لئے طویل زمانہ نہیں ملا اپنے شیخ کے بعد تو مشکل سے ۴، ۵ سال وہ زندہ رہے، لیکن ان کی وفات سے ہندوستان میں نہ صرف سلسلہ چشتیہ کی بنیاد پڑ گئی، بلکہ جن مقاصد عالیہ کے لئے حضرت خواجہ معین الدینؒ نے ہندوستان کو اپنے قیام اور کام کے لئے انتخاب کیا تھا وہ صدیوں کے لئے محفوظ ہو گئے۔[1]

ابھی ان کی عمر ۵۰ سال یا اس سے کچھ اوپر ہوئی تھی کہ عشق و محبت الٰہی کی وہ آگ جس کو انھوں نے صبر و ضبط کے فانوس میں مقید اور ہدایت و تربیتِ خلق کی مصلحت سے مغلوب کر رکھا تھا بھڑکی اور جذبِ الٰہی کا غلبہ ہوا ؎

صدائے تیغ تو آمد ببزم زندہ دلاں
کدام سر کہ درو ذوق ایں سرود نماند

ایک مرتبہ شیخ علی سکزیؒ[2] کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ قوال نے شعر پڑھا ؎

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

---

[1] اگر حضرت خواجہ معین الدینؒ کا سنہ وفات ۶۲۷ھ بھی تسلیم کر لیا جائے تو خواجہ قطب الدینؒ کو ان کے بعد صرف ۶ سال ملتے ہیں۔ [2] بعض تذکروں میں سجزی درج ہے۔ ۱۲

خواجہ قطب الدینؒ پر وجد طاری ہوگیا، خانقاہ سے قیام گاہ پر تشریف لائے، وہی مدہوشی اور تحیّر کا عالم تھا، اسی شعر کی فرمائش تھی، فرمائش کی تعمیل کی جاتی تھی۔ چار شبانہ روز عالمِ تحیّر میں رہے، لیکن جب نماز کا وقت آتا ہوش آجاتا، نماز ادا کرتے، پھر اسی شعر کی فرمائش کرتے، شعر پڑھا جاتا اور عالمِ تحیّر میں چلے جاتے۔ پانچویں رات کو انتقال کیا[1]۔ یہ واقعہ ۶۳۳ھ کا ہے[2]۔

انتقال سے پہلے عید کے روز عید گاہ سے قیام گاہ کی طرف واپس آرہے تھے کہ ایک ایسے میدان سے گزر ہوا جہاں کوئی قبر یا آبادی نہ تھی، خواجہ وہاں ٹھہر گئے اور دیر تک کھڑے رہے کسی خادم نے عرض کیا کہ عید کا دن ہے اور خلقت منتظر، آپ نے یہاں کیوں توقف فرمایا؟" ارشاد ہوا۔ "مرا ازیں زمیں بوئے دلہامی آید" (مجھے یہاں سے دلوں کی خوشبو آتی ہے) دوسرے وقت زمین کے مالک کو بلاکر اپنے صرف خاص سے اسکو خرید فرمایا اور اس کو اپنے دفن کیلئے تجویز کیا، وہیں مدفون ہوئے[3]۔

حضرت خواجہؒ کے خلفاء کی تعداد (جن کے نام تذکرہ کی کتابوں میں محفوظ ہیں) ۹، ۱۰ سے کم نہ تھی، لیکن آپ کی جانشینی اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کے کاموں اور مقاصد کی تکمیل و توسیع کی سعادت حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے حصے میں آئی۔

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ

جس طرح حضرت خواجہ معین الدینؒ ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے مؤسس و بانی ہیں خواجہ فریدالدینؒ اس کے مجدد اور اس سلسلہ کے آدم ثانی ہیں۔ آپ ہی کے دو خلفاء سلطان المشائخ

---

[1] سیرالاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدینؒ

[2] بعض تذکروں میں ۶۳۴ھ بجائے ۶۳۳ھ کے۔

[3] سیرالاولیاء بروایت حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ (ص ۵۵)۔ اب یہ جگہ قطب صاحب کے نام سے مشہور ہے ۱۲۔

حضرت خواجہ نظام الدین دہلویؒ اور حضرت شیخ علاء الدین علی صابر پیران کلیریؒ کے ذریعہ یہ سلسلہ ہندوستان میں پھیلا اور ان کے خلفاء و اہل سلسلہ کے ذریعہ اب بھی زندہ و قائم ہے ع

خم و خمخانہ با مہر و نشان است

حضرت خواجہؒ کا نام مسعودؒ لقب فرید الدین تھا، عام طور سے گنج شکر کے لقب سے مشہور عالم ہیں[1]، آپ نسباً فاروقی ہیں، جد بزرگوار قاضی شعیب تاتاریوں کے ہنگامہ میں کابل سے لاہور تشریف لائے، کچھ عرصہ قصور میں قیام فرمایا، قصبہ کھتوال کی قضاۃ و جاگیر عطا ہوئی۔ یہیں ۵۶۹ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، صغر سنی میں ملتان کا سفر کیا، جو اُس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا علمی و دینی مرکز تھا، شہر کے اساتذہ سے تعلیم حاصل کی، مولانا منہاج الدین ترمذی سے فقہ کی کتاب "النافع" پڑھی، وہیں ۵۸۴ھ میں خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی زیارت ہوئی اور ان سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ شیخ فرید الدینؒ آپ کے ایسے گرویدہ ہوئے کہ تعلیم کے سلسلہ کو خیرباد کہہ کر ہمرکاب ہو جانے کا عزم کیا۔ شیخ کامل نے منع کیا اور تکمیل کی ہدایت کی۔ ہندوستان اور ہندوستان سے باہر جا کر علوم کی تکمیل کی[2]۔

تعلیم کی تکمیل کے بعد شیخ کی خدمت میں دہلی حاضر ہوئے۔ شیخ نے ان کے قیام کے لئے غزنین دروازہ کے پاس ایک جگہ منتخب کی، جہاں وہ ریاضت و مجاہدے میں مشغول ہو گئے۔ سلوک

---

[1] اس لقب کی حقیقت و تاریخ میں مختلف اقوال ہیں، یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کی جاسکتی۔

[2] راحت القلوب میں جو آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ہے، اس سفر اور دوسری سیاحتوں کی بڑی تفصیل موجود ہے، لیکن چونکہ اس کتاب کی نسبت صحیح نہیں ہے، اس پر اعتماد نہیں کیا گیا۔ بعض دوسری کتابوں میں بھی بعض دوسری تفصیلات ہیں۔ ۱۲

کی تکمیل کے بعد خلافت سے سرفراز ہوئے اور شیخ کی اجازت سے ہانسی میں قیام اختیار کیا جوان کے مخلص (جو بعد میں خلفائے کبار میں ہوئے) شیخ جمال الدین خطیب ہانسی کا وطن تھا۔ شیخ کا انتقال ہوا تو وہ ہانسی میں تھے، انتقال کے تیسرے روز دہلی پہنچے، مزار شیخ پر فاتحہ پڑھی۔ قاضی حمید الدین ناگوریؒ نے شیخ کی وصیت کے مطابق ان کا خرقہ اور دوسری امانتیں سپرد کیں، یہ گویا جانشینی کا اعلان تھا۔ شیخ نے دوگانہ پڑھ کر اس کو زیب تن کیا اور شیخ کی جگہ پر بیٹھے۔

دہلی کی آمد اور شیخ کی جانشینی کا تیسرا روز تھا کہ ہانسی سے آپ کا ایک آشنائے قدیم و معتقد سرہنگا نامی آپ کے اشتیاق میں دہلی آیا۔ خادموں نے اندر جانے نہیں دیا۔ معتقدین و خدام کے ہجوم سے اس درویش کو ملاقات میسر نہ آئی، منتظر تھا کہ ایک روز شیخ باہر تشریف لائے سرہنگا قدموں پہ گر گیا اور رو کر کہا کہ جب تک آپ ہانسی میں تھے آسانی اور بے تکلفی سے مل لیا کرتا تھا، اب یہاں ہم جیسے غریبوں کا کام نہیں! شیخ کے دل پر چوٹ لگی اور سمجھے کہ تنبیہ غیبی ہے، دہلی میں سکون اور عوام و فقراء سے ملنے جلنے کا موقع نہیں۔ اپنی مزید تکمیل ترقی مطلوب تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنے دوستوں سے کہا کہ میں ہانسی جاؤں گا۔ حاضرین نے عرض کیا کہ شیخ قطب الدینؒ نے تو آپ کو اس جگہ بٹھایا ہے۔ آپ کہاں جاتے ہیں؟ فرمایا کہ "پیرؒ نے اپنی امانت سپرد کر دی ہے، شہر میں رہوں یا بیابان میں وہ ساتھ ہے"[1]۔

ہانسی کا قیام اس لئے اختیار کیا تھا کہ وہاں سکون اور گمنامی رہے گی۔ یہاں خواجہ قطب الدینؒ کے ایک مرید مولانا نور ترک کی وجہ سے (جنھوں نے اہل ہانسی کو آپ کے مقام و مرتبہ سے آگاہ کر دیا) آپ کی شہرت ہوگئی اور خلق نے ہجوم کیا۔ آپ نے کھتوال کا رخ کیا جو

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۷۲)

وطن قدیم تھا۔ کہینوال ملتان سے قریب تھا، اور اُن کی شہرت اور عظمت کا آوازہ اب دُور دُور بلند ہو رہا تھا، آپ نے اجودھن[1] کو اپنے قیام کے لئے انتخاب فرمایا، اور ارشاد ہوا کہ:۔ وہاں کے لوگ دیر اعتقاد اور نا آشنا ہیں اور جگہ بھی غیر معروف ہے، لیکن یہاں بھی بہت جلد رجوع شروع ہوگیا اور خلائق نے ہر طرف سے ہجوم کیا۔ آفتاب شہرت و عظمت نصف النہار پر تھا اور اس کی شعاعیں دور دور پہنچ رہی تھیں اور طالبین خدا کے قلوب کو گرم کر کے کھینچ کھینچ کر لا رہی تھیں۔ تھوڑے دنوں میں مرجعیت یہاں تک بڑھی کہ آنے والوں کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا، آدھی رات تک دروازے کھلے رہتے۔

ابتدائے قیام میں عرصہ تک نہایت تنگی اور عسرت و فقر و فاقہ کے ساتھ زندگی گذاری۔ پیلو کے پھل اُبال لئے جاتے اور ان میں کچھ نمک ڈال کر فقراء کو تقسیم کردیئے جاتے اور خود بدولت اپنے مہمانوں اور خادموں کے ساتھ تناول فرماتے۔ توکّل و تجرید کا یہ عالم تھا کہ ایک مرتبہ افطار کیلئے لقمہ اٹھایا، فرمایا: اس میں کچھ بے اصولی معلوم ہوتی ہے؟ خادم نے عرض کیا کہ: نمک نہ تھا، ایک دانگ کا نمک قرض لیکر ڈال دیا۔ فرمایا:۔ تم نے بے اصولی کی، میرے لئے اس کا کھانا روا نہیں[2]۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ دن رات مطبخ شاہی گرم رہتا اور آدھی رات گئے تک کھانے والوں کا سلسلہ رہتا، جو آتا اس خوانِ نعمت سے حصّہ پاتا۔ جو شخص بھی آتا کسے باشد اپنا حصّہ پاتا[3]۔

شفقت و دلداری سب کے ساتھ یکساں تھی۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ فرماتے ہیں کہ: عجیب قوّت اور عجیب طرزِ زندگی تھا جس کا تحمّل کسی سے ہونا آسان نہیں، نئے آنے والے جو کبھی نہیں آئے اور برسوں کے ساتھ رہنے والے سب سے یکساں لطف و مہربانی اور توجّہ و التفات کے ساتھ پیش

---

[1] اجودھن کو اب پاک پٹن کہتے ہیں، اور وہ ضلع منٹگمری (پاکستان) کا ایک قصبہ ہے۔ ۱۲

[2] سیر الاولیاء، (صـ ٦٦) [3] ایضاً (صـ ٦٤)۔

آتے، مولانا بدرالدین اسحٰق فرماتے ہیں کہ: ۔میں خادمِ خاص تھا، جو بات کبھی ہوتی مجھ سے فرماتے تھے، خلوت و جلوت میں یکساں حال تھا، ظاہر و باطن میں کوئی فرق نہ تھا۔ برسوں خدمت کرنے اور ساتھ رہنے کے باوجود کوئی تفاوت نہ دیکھا۔[۱]

ایک بار سلطان ناصرالدین محمود کا پورا لشکر جو بادشاہ کے اوچ اور ملتان کے سفر میں ہمرکاب تھا، خواجہؒ کی زیارت کیلئے اجودھن حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ اس کا حال بیان کرتے ہیں کہ:۔ "ہجوم قابو سے باہر تھا، آخر کار خدام نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حضرت خواجہؒ کے پیرہن کی آستین بالاخانے سے لٹکا دی۔ اہلِ لشکر آتے تھے اور اس کو بوسہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ آستین تار تار ہو گئی۔ مجبوراً آپ مسجد میں تشریف لائے اور خدام سے فرمایا کہ: میرے گرد حلقہ بنا لو، کوئی اس حلقہ کے اندر نہ آنے پائے۔ لوگ آتے تھے اور حلقہ کے باہر کھڑے ہو کر سلام کر کے رخصت ہو جاتے تھے۔ اچانک ایک بوڑھا فرّاش حلقہ توڑ کر اندر آ گیا اور شیخ کے پاؤں پر گر گیا۔ پاؤں پکڑ کر بوسہ لیا اور کہا:۔ "شیخ فریدؒ! تنگ آ گئے؟ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کا اس سے زیادہ شکریہ ادا کرو"۔ شیخ نے یہ سُن کر نعرہ مارا اور اس فرّاش کو بہت نوازا اور اس سے معذرت کی۔"[۲]

سلطان ناصرالدین نے خود حاضری کا قصد کیا، نائب السّلطنت غیاث الدّین بلبن نے جو ہمرکاب تھا، عرض کیا کہ: ۔لشکر بہت ہے اور اجودھن ایک بے آب و گیاہ مقام ہے، اگر فرمان ہو تو میں خدمت میں حاضر ہو جاؤں اور جہاں پناہ کی طرف سے معذرت اور ہدیہ و فتوح پیش کروں چنانچہ کچھ نقد اور چار گاؤں کا فرمان لیکر حاضر ہوا اور نقد اور فرمان پیش کیا۔ شیخؒ نے فرمایا: "یہ کیا ہے؟" غیاث الدین نے کہا کہ: "یہ کچھ نقد ہے اور یہ جاگیر کا فرمان سلطانی"۔ شیخ نے تبسّم فرمایا، اور کہا کہ:۔

۱؎ سیرالاولیاء (ص ۶۵) ۲؎ ایضاً (ص ۷۹)

نقد تو ہم کو دے دو اور فرمان واپس لے جاؤ کہ اس کے طالب بہت ہیں، یہ کہہ کر ساری رقم اُسی وقت درویشوں میں تقسیم کردی[1]

سلطان غیاث الدین حضرتؒ سے معتقدانہ تعلق رکھتا تھا، دہلی کی سلطنت کا حصول بھی حضرتؒ کی دُعا اور محبّت کا نتیجہ سمجھتا تھا اور خدّام کی خدمت کو اپنی سعادت تصوّر کرتا تھا، حضرت خواجہؒ نے ایک مرتبہ ایک شخص کے اصرار سے ایک سفارشی رقعہ لکھا جو سفارش و بے نیازی کا عجیب مجموعہ ہے، فرماتے ہیں:۔

"میں اِس شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بعد آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اگر آپ اس کو کچھ دینگے تو حقیقی عطا کرنے والا اللہ تعؒ ہی ہوگا اور آپ مشکور ہوں گے اور اگر آپ نہ دیں گے تو اس کا مانع اللہ تعالیٰ ہوگا، آپ معذور ہوں گے۔"[2]

حضرت شیخ فرید الدینؒ کے اپنے نامور معاصرین اور دوسرے سلسلہ کے مشائخ کبار سے دوستانہ و برادرانہ تعلقات تھے اور ان کے پورے مرتبہ شناس اور قدر دان تھے۔ شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ جو سلسلۂ سہروردیہ کے نامور شیخ اور ہندوستان کے عظیم ترین روحانی پیشواؤں اور داعیوں میں گذرے ہیں، ان کے ہم عصر تقریباً ہم عمر تھے۔[3] دونوں کے بڑے مخلصانہ اور دوستانہ تعلقات تھے اور آپس میں بہت دلچسپ اور بے تکلّفی کی خط و کتابت ہوتی تھی۔ شیخ فرید الدینؒ شیخ بہاء الدینؒ کو "شیخ الاسلام" کے لقب سے مخاطب

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۶۹ و صفحہ ۷۰ - ۱۲ [2] اخبار الاخیار۔ اصل رقعہ فصیح عربی میں ہے - ۱۲

[3] شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریا کی ولادت ۵۶۶ھ کی ہے، اور شیخ کبیر کی ولادت ۵۶۹ھ کی۔ ۱۲

کرتے تھے۔ دونوں کے خلفاء اور مریدین بھی آپس میں ایک دوسرے سے بڑے خلوص و محبت سے ملتے تھے اور ایک دوسرے کا اعتراف اور بزرگ داشت کرتے تھے۔ شیخ الاسلامؒ کے پوتے شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ، اور شیخ کبیرؒ کے خلیفہ سلطان المشائخ نظام الدین اولیاءؒ کے درمیان بڑی محبت اور گہرا تعلق تھا۔

حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وہ ذوق و شوق اور درد و عشق اور جذب الٰہی (خدا مستی) ہے جس نے حضرت خواجہ نظام الدین و حضرت علاء الدین علی صابر جیسے عاشقوں اور دردمندوں کی تربیت کی، اور جو اجودھن کی اس دکان عشق کا خاص سودا تھا۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ایک روز کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ شیخ کبیرؒ (حضرت خواجہ فریدالدینؒ) حجرے میں تھے، سر برہنہ تھا اور چہرے کا رنگ متغیر، حجرے میں والہانہ کیفیت میں پھرتے تھے اور یہ اشعار پڑھتے تھے ؎

خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم | خاکے شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصودِ خستہ ز کونین توئی | از بہر تو میرم از برائے تو زیم

(میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ ہی کا ہو کر جیوں، خاک ہو جاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے۔ مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں آپ ہی کے لئے جیتا ہوں، آپ ہی کے لئے مرتا ہوں)۔

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے، پھر یہی شعر پڑھتے تھے اور حجرے کا چکر لگاتے تھے، پھر سجدے میں پڑ جاتے تھے، دیر تک یہی کیفیت رہی۔[1]

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۱۳۳

خشیت و رقّت کا بڑا غلبہ تھا، کوئی عبرت انگیز و رقّت خیز بات سنتے یا مجلس میں کوئی عاشقانہ شعر پڑھا جاتا یا کسی بزرگ کا کوئی واقعہ سنتے تو بے اختیار روتے، بعض اوقات دھاڑیں مار مار کر روتے، ہمیشہ روزہ رکھتے تھے، قرآن مجید کے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کا بڑا ذوق تھا اور دونوں چیزیں (روزہ اور حفظ قرآن) کی اپنے خلفائے خاص و مریدانِ با اختصاص کو وصیت و تاکید فرماتے تھے۔ سماع کا بڑا ذوق تھا۔ کسی نے کہا کہ علماء کو اس میں اختلاف ہے، فرمایا:۔

سبحان اللہ یکے سوخت و خاکستر شد — سبحان اللہ! ایک جلا بھی اور راکھ بھی
دیگرے ہنوز در اختلاف است[1]۔ — ہوگیا دوسرا ابھی اختلاف ہی کر رہا ہے۔

ساری زندگی کا اصول اہلِ دول و اربابِ حکومت سے بے تعلقی، کنارہ کشی، اخفائے حال اور درویشانہ زندگی تھا۔ اپنے مشائخ کرام کا مسلک جان کر اور اسی میں خلوص کی حفاظت اور طریقہ کی اشاعت کا راز سمجھ کر اس روش پر سختی اور مضبوطی سے قائم تھے، ان کے ایک برادرِ طریقت شیخ بدر الدّین غزنوی ؒ نے (جو حضرت خواجہ قطب الدّین ؒ کے خلفائے کبار میں سے تھے) بعض اعیانِ سلطنت سے خصوصی تعلق رکھا تھا اور اس نے ان کے لئے دہلی میں خانقاہ تعمیر کی تھی اور ان کی مخصوص طریقے پر خدمت کرتا تھا۔ انقلاب روزگار سے جب وہ امیر عتاب شاہی میں آیا تو شیخ کو بھی زحمت و کلفت پیش آئی، آپ نے شیخ کبیر ؒ سے دعا کی درخواست کی۔ شیخ نے جواب میں لکھا کہ:۔

"جو اپنی روش پر چلے گا وہ ضرور ایسی حالت میں گرفتار ہوگا، جس سے ہمیشہ بے چین رہیگا، آپ تو پیران پاک کے معتقدین میں ہیں، پھر اُن کی روش کے خلاف خانقاہ کیوں بنوائی، اور اس میں کیوں بیٹھے؟ حضرت خواجہ قطب الدین ؒ

---

[1] ملاحظہ ہو حالات حضرت سلطان المشائخ ؒ۔ ۱۲۔ [2] سیر الاولیاء ۱۲۔

اور حضرت خواجہ معین الدینؒ کا تو یہ طریقہ اور روش نہیں تھی کہ اپنے لئے خانقاہ بنا کر دکان جمائیں، ان کا شیوہ تو گمنامی و بے نشانی تھا[1]۔

ان کے اس طبعی ذوق کی وجہ سے باوجود رجوعِ عام اور امرا و خواص کی عقیدت کے انتقال سے پہلے پھر عسرت اور تنگی کا دور شروع ہو گیا، سیر الاولیاء میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدینؒ نے فرمایا کہ:۔

"حضرت شیخ شیوخ العالم کو آخر عمر میں کہ انتقال کا زمانہ قریب تھا تنگی پیش آئی، میں ماہ رمضان میں موجود تھا، اتنا تھوڑا کھانا آیا کرتا تھا کہ موجود لوگوں کو کافی نہ ہوتا تھا۔ کسی رات بھی میں نے ان دنوں سیر ہو کر کھانا نہ کھایا' سامان بھی جو دیکھنے میں آتا تھا بہت معمولی اور برائے نام تھا، میں جب رخصت ہونے لگا تو حضرتؒ نے خرچ کے لئے مجھے ایک سلطانی[2] عطا فرمایا۔ اس روز مولانا بدر الدین اسحٰق کے ذریعہ پیغام پہنچا کہ آج توقف کریں کل جائیں، جب افطار کا وقت ہوا تو حضرت شیخؒ کی خدمت میں گیا اور میں نے عرض کیا کہ حضرتؒ کی بارگاہ سے مجھے ایک سلطانی عطا ہوا تھا اجازت ہو تو اس سے کچھ کھانے کا انتظام کر لیا جائے؟ حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی اور بڑی دعائیں دیں[3]"

صاحب سیر الاولیاء حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی روایت سے وفات کا حال اس طرح بیان کرتے ہیں:۔

---

[1] سیر العارفین ص۸ ماخوذ از بزم صوفیہ [2] سکّہ (غالباً اس وقت کا روپیہ)
[3] سیر الاولیاء ص۶۶

" محرم کی پانچ تاریخ کو بیماری میں شدت ہوئی۔ عشاء کی نماز جماعت سے ادا کی، نماز کے بعد بیہوشی طاری ہوگئی۔ ایک گھڑی کے بعد ہوش آیا تو دریافت کیا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ لوگوں نے عرض کیا کہ پڑھ لی ہے۔ فرمایا دوبارہ پڑھ لوں کیا خبر کیا ہو؟ دوبارہ نماز پڑھی اور پھر بیہوش ہو گئے۔ اس مرتبہ بیہوشی زیادہ سخت اور طویل تھی، پھر ہوش آیا اور پوچھا کہ میں نے عشاء کی نماز پڑھ لی؟ عرض کیا گیا کہ دو بار پڑھ چکے ہیں، فرمایا کہ ایک بار اور پڑھ لوں، کون جانے کیا ہو، تیسری مرتبہ پھر پڑھی۔ اسکے بعد واصل بحق ہوئے۔[1]

تاریخ وفات ۵ محرم روز سہ شنبہ ۶۶۴ھ ہے[2]۔ اجودھن (پاک پٹن) میں مدفون ہوئے، بعد میں سلطان محمد تغلق نے گنبد تعمیر کیا۔

حضرت خواجہؒ کے پانچ فرزند اور تین صاحبزادیاں تھیں۔ فرزندوں کے نام یہ ہیں۔ شیخ نصرالدین نصراللہ، شیخ شہاب الدین، شیخ بدرالدین سلیمان، خواجہ نظام الدین، شیخ یعقوب۔ صاحبزادیوں کے نام: بی بی مستورہ، بی بی فاطمہ، بی بی شریفہ۔

---

[1] سیرالاولیاء ص ۸۹ [2] صاحب سیرۃ الاولیاء نے متعدد مقامات پر ۶۶۹ھ کے ایسے واقعات نقل کئے ہیں جو حضرت خواجہؒ کی زندگی سے متعلق ہیں۔ بعض مقامات پر حضرت خواجہ نظام الدینؒ کی تحریر کا حوالہ ہے کہ حضرت خواجہؒ نے مجھ سے یہ فرمایا، فلاں ہدایت کی؛ اگر ان سنین کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو سنہ وفات ۶۶۴ھ جو عام طور پر مشہور اور زیادہ تر کتابوں میں مذکور ہے مشکوک ہو جاتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ حضرت خواجہؒ کی وفات اسکے بعد ہوئی، بعض دوسری کتابوں میں بعد کے سنین درج ہیں، ان میں قرین قیاس ۶۷۰ھ ہے جو خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے۔ ۱۲

حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد ان کے تیسرے صاحبزادے شیخ بدرالدین سلیمانؒ آپ کے سجادہ پر بیٹھے۔ ان کے فرزند و سجادہ نشین شیخ علاءالدین اجودھنی تقدس و اتقا میں مشہور تھے۔ محمد تغلق بھی ان کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گیا تھا[1]۔ اللہ تعالیٰ نے روحانی سلسلہ کی طرح حضرت خواجہؒ کی اولاد اور خاندان کو بھی بڑی برکت عطا فرمائی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں یہ خاندان آباد ہے اور بالعموم فریدی کہلاتا ہے۔

حضرت خواجہ کے خلفاء میں پانچ حضرات خاص طور پر قابل ذکر ہیں:۔ شیخ جمال الدین ہانسویؒ، شیخ بدرالدین اسحاقؒ، شیخ نظام الدین اولیاءؒ، شیخ علی احمد صابرؒ اور شیخ عارفؒ۔

شیخ جمال الدین (احمد بن محمد) خطیب ہانسوی حضرت خواجہ کے بڑے عزیز خلیفہ و معتمد خاص تھے۔ انہیں کی خاطر حضرت خواجہ نے ۱۲ سال ہانسی میں قیام فرمایا تھا۔ آپ جب کسی کو خلافت نامہ لکھ کر دیتے تھے تو فرماتے تھے کہ ہانسی جاکر شیخ جمال الدین کو دکھا دینا اگر شیخ جمال الدین صاد فرماتے تو آپ بھی اسکو قبول کرتے، اگر وہ صاد نہ کرتے تو آپ بھی نامنظور فرماتے اور فرماتے کہ جمال کا پھاڑا ہوا سیا نہیں جاسکتا۔ فرماتے تھے کہ جمال میرا جمال ہے۔

شیخ جمال الدین نے اپنے شیخ کی زندگی میں ۶۵۹ھ میں انتقال کیا۔ شیخ قطب الدین منورؒ (حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عزیز خلیفہ) ان کے پوتے ہیں۔

شیخ بدرالدین اسحٰق بن علی سادات بخارا میں سے تھے۔ حضرت خواجہ فریدالدینؒ کے خلیفہ، خادم اور داماد تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدینؒ ان کی بڑی عزت کرتے تھے، اپنے شیخ کی

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۹۶

[2] نزہۃ الخواطر، ماخوذ از سیر الاولیاء و اخبار الاخیار وغیرہ

صحبت و تعلیم کا نمونہ تھے ۔ آنکھیں ہمیشہ پُر آب رہتی تھیں، رقت کا بڑا غلبہ تھا جس سے ضعفِ بصارت ہو گیا تھا کسی نے کہا کہ آپ ذرا آنسو روکیں تو میں آپ کے استعمال کے لئے سرمہ بنادوں ۔ فرمایا کہ آنکھوں پر میرا قابو نہیں، ان کی عبادت و ریاضت کو دیکھ کر شیخ کبیرؒ کی یاد تازہ ہوتی تھی، نہایت جید الاستعداد اور فاضلِ اجل تھے ۔ مدت تک دہلی کی مشہور درسگاہ مدرسۂ معزّیہ میں درس دیا، تکمیلِ علم کیلئے بخارا تک کا سفر کیا، فارسی و عربی میں بے تکلف و آبدار شعر کہتے تھے، مضامینِ علمیہ کو نظم کرنے کی خاص قدرت تھی، صرف کے مسائل میں ایک منظوم رسالہ ہے ۔ خواجہ محمد امام اور خواجہ محمد موسیٰ جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے امامِ نماز تھے، انھیں کے صاحبزادے تھے، ۱۶ر جمادی الاخریٰ ۶۹۰ھ میں وفات پائی ۔

شیخ عارف کو حضرت خواجہؒ نے خلافت دے کر سیوستان روانہ کیا تھا، انھوں نے حضرت خواجہؒ کو خلافت نامہ واپس کیا اور عرض کیا کہ یہ کام بہت نازک ہے، یہ مسکین اس کارِ عظیم کا اہل نہیں، مجھے آپ کی دعا اور عنایت کافی ہے، پھر آپ کی اجازت سے حج بیت اللہ کو گئے اور واپس نہ آئے ۔[۲]

شیخ کبیر علاء الدین علی بن احمد صابر نسباً اسرائیلی تھے، ترک و تجرید اور زہد و مجاہدہ میں ان کی نظیر نہ تھی، پیران کلیر میں عرصہ تک عبادات و افادہ میں مشغول رہ کر ۱۳ ربیع الاول ۶۸۹ھ یا ۶۹۰ھ میں وفات پائی حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی آپ ہی کے خلیفہ تھے ۔[۳]

۱؎ نزہۃ الخواطر ج ۱   ۲؎ سیر الاولیاء ص ۱۸۴ و ص ۱۸۵

۳؎ نزہۃ الخواطر ج ۱ ۔ یہ عجیب بات ہے کہ شیخ علی احمد صابر کے حالات سے معاصر تذکرے اور تاریخیں خاموش ہیں ۔ سیر الاولیاء میں امیر خورد نے ان کا تذکرہ ضمناً اس طرح کیا ہے کہ شیخ عبد الحق محدث دہلوی (بقیہ ص ۴۸ پر)

سلطان المشائخ حضرت شیخ نظام الدینؒ پہلے چشتی شیخ ہیں جن کے اثرات ان کی زندگی میں سارے ہندوستان میں پھیلے اور جنھوں نے ہندوستان کے اسلامی معاشرہ اور ہر طبقہ کو متأثر کیا اور حکومت سے لیکر عوام و غرباء تک کو اپنے حلقۂ عقیدت واثر میں لیا، اسی کے ساتھ وہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷ ——— کو شبہ ہے کہ یہ حضرت شیخ علی احمد صابر پیران کلیری کا تذکرہ ہے یا اسی نام کے کسی اور بزرگ کا، امیر خورد لکھتے ہیں :—

بندہ از خدمت والد خود رحمۃ اللہ علیہ سماع	بندہ نے اپنے والد رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے
دارد کہ درویشے بود بزرگ صاحب نعمت کہ	کہ ایک عالی مرتبہ درویش تھے جن کو شیخ علی صابر
او را شیخ علی صابر گفتندے و در درویشی قدمے	کہتے تھے، درویشی میں راسخ اور صاحب
ثابت و نفسے گیرا داشت و ساکن قصبہ دیگری بودے	نسبت وتاثیر قصبہ دیگری کے رہنے والے تھے۔
و پیوند بخدمت شیخ شیوخ العالم فرید الحق	حضرت شیخ فرید الدینؒ سے نسبت ارادت
والدین قدس سرہ العزیز داشت واز حضرت	رکھتے تھے، اور آپ نے انکو اجازت بیعت
شیخ شیوخ العالم اجازت بیعت بود (ص ۱۸۵)	دے رکھی تھی۔

معاصر یا زمانہ قریب کے تذکروں میں خواہ ان کا تذکرہ بالکل نہ ہو یا سرسری و مختصر ہو، ان کے سلسلہ کے مشائخ کبار کے حالات ان کا علو شان، انکے علوم و مقامات، اہل بصیرت کا اس سلسلہ کی مقبولیت پر اتفاق اور عالم میں اُسکے فیوض و برکات وآثار شاہد ہیں کہ بانیٔ سلسلہ نہایت عالی مقام، عالی نسبت اور عند اللہ مقبول تھے، اس سے بڑھ کر خود تاریخ کی شہادت بھی نہیں ہو سکتی اور نہ یہ تاریخ کی پہلی غفلت اور چوک ہے، زمانۂ سابق میں بھی بہت سی باکمال شخصیتیں تاریخ کی تیز نگاہوں سے بچ گئیں اور زاویہ خمول میں رہیں۔

اس سلسلہ (صابریہ چشتیہ) میں بڑے نامور مشائخ عارف و محقق و مصلح پیدا ہوئے مثلاً حضرت مخدوم احمد عبد الحق ردولویؒ

ہندوستان کے پہلے شیخ طریقت اور مرشد روحانی ہیں جن کے حالات سب سے زیادہ تفصیل و وضاحت اور استناد کے ساتھ ملتے ہیں۔ ان کے مشائخ نے نہ کوئی تصنیف کی نہ ان کے خلفاء نے اپنے شیوخ کے ملفوظات و حالات جمع کئے، نہ انھوں نے اپنے شیخ کے ملفوظات و حالات کا کوئی مجموعہ تیار کیا[۵]، لیکن ان کے ملفوظات و حالات جمع کرنے کا

(ص۴۷ کا بقیہ حاشیہ) جن کی ذات با برکات کو بعض اہل نظر نے نویں صدی کا مجدد بھی شمار کیا ہے حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ، حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ، شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دار العلوم دیوبند) حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ، حضرت شاہ عبدالرحیم رائے پوریؒ، حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ہمارے اس دور میں اللہ تعالیٰ نے اسی سلسلہ سے حفاظت و تجدید دین کا عالمگیر کام لیا، اور اس وقت سب سے زیادہ وسیع متحرک و فعال یہی سلسلہ ہے، دار العلوم دیوبند و مظاہر العلوم کی تعلیمی خدمت اور مولانا تھانوی کی تصنیفات و مواعظ سے اور پھر آخر میں مولانا محمد الیاسؒ کی تحریک دعوت و تبلیغ سے اس سلسلہ کے فیوض عالمگیر ہوئے، پروفیسر خلیق احمد نظامی نے تاریخ چشت مشائخ میں صحیح لکھا ہے کہ:

> "گزشتہ صدی میں کسی بزرگ نے چشتیہ سلسلہ کے اصلاحی اصولوں کو اس طرح جذب نہیں کیا جس طرح مولانا محمد الیاسؒ نے کیا تھا" (ص۲۳۴)

آج بھی رائے پور میں حضرت مولانا عبدالقادر صاحب کی خانقاہ سلسلہ چشتیہ کی قدیم خانقاہوں کی یکسوئی، سرگرمی، یاد حق کی مشغولی اور درد و محبت کی یاد تازہ کرتی ہے (افسوس ہے کہ حضرت کی وفات کے بعد یہ خانقاہ بھی گزشتہ خانقاہوں کی فہرست میں شامل ہو گئی، کل شئی ھالک الا وجھہ۔ ع

عالم تشود ویراں تا میکدہ آباد است

---

[۵] حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے ملفوظات "خیر المجالس" میں ہے۔ فرمایا میرے حضرت (بقیہ ص۵۰ پر)

خاص اہتمام کیا گیا۔ اس سلسلہ میں دو بڑے قیمتی و مستند ماخذ ہیں، ایک فوائد الفواد جو امیر حسن علا سجزی (م ۷۳۷ھ) کی تالیف ہے جسے حضرت خواجہ نے اسکو لفظاً لفظاً سنا اور تحسین فرمائی اور حضرت خواجہؒ کے اصحاب و خدام نے اسکی صحت کو عام طور پر تسلیم کیا اور حرز جاں بنایا۔ دوسرا سیر الاولیاء جو امیر خورد سید محمد مبارک علوی کرمانی (م ۷۷۰ھ) کی تصنیف ہے، امیر خورد خورد سالگی میں حضرت خواجہ سے بیعت ہوئے اور ان کی صحبت کی سعادت حاصل کی، پھر حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی سے رجوع کیا۔ ان کے والد نور الدین مبارک بن سید محمد کرمانی (م ۷۴۹ھ) حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے رفیق قدیم اور مخلص و بے تکلف دوستوں میں تھے، اس کتاب میں زیادہ تر ان سے روایت ہے۔ اپنے شیخ حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی سے بھی سنی ہوئی بہت سی باتیں درج ہیں، اپنے چشم دید حالات اور سنے ہوئے ملفوظات بھی ہیں، حضرت خواجہؒ کے حالات و سوانح اور ان کے خلفاء کبار کے حالات و کمالات کا یہ مفصل و مستند ذخیرہ ہے۔ ان دو کتابوں کی وجہ سے خاص طور پر حضرت خواجہؒ کے حالات، ذوق، رجحانِ طبع، تعلیم و تربیت کے طریقے، اصلاحی و تبلیغی کوشش، ان کے فیوض و برکات اور اثرات محفوظ ہو گئے اور تاریخ کی روشنی اور گرفت میں آ گئے۔

(ص۴۹ کا بقیہ حاشیہ)

پیر و مرشد جناب سلطان الاولیاء قدس اللہ سرہ العزیز فرماتے تھے، میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی اس واسطے کہ حضرت شیخ الاسلام حضرت فرید الدین اور شیخ الاسلام حضرت مولانا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرے میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی۔

(سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس)

۱؎ اس میں ۳ شعبان سے ۹ شعبان تک کی مختلف مجالس کے ملفوظات ہیں۔

اسی شخصیت کی عظمت و تاثیر اور حالات و مآخذ کی سہولت کی وجہ سے دعوت و عزیمت کی ایک مرکزی اور عہد آفریں شخصیت کی حیثیت سے ان کی ذات کو انتخاب کیا گیا، کتاب کے آئندہ ابواب اسی اجمال کی تفصیل کے لئے ہیں۔

باب دوم

سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدینؒ

حالات و کمالات

نام و نسب محمد نام نظام الدین لقب و عرف عام، والد ماجد کا نام احمد بن علی سادات حسینی میں سے تھے، ننہال بھی سادات میں تھا، دادا خواجہ علی اور نانا خواجہ عرب دونوں ہم جد تھے اور دونوں بخارا سے آکر کچھ مدت لاہور رہے، وہاں سے بدایوں آئے۔

۶۳۶ھ[1] میں بدایوں میں آپ کی ولادت ہوئی، بدایوں (قدیم بداؤں) شرفا و سادات کا قدیم مسکن تھا، بہت سے سادات کرام اور مشائخ عظام نے ایران و خراسان سے آکر یہاں سکونت اختیار کرلی تھی۔[2]

---

[1] صاحب سیر الاولیاء نے آپ کی عمر شریف کا حساب لگا کر اس سنہ کی تعیین کی ہے۔ ۱۲

[2] بداؤں روہیل کھنڈ میں دریائے سوتھ کے بائیں کنارے پر واقع ہے۔ اس زمانہ میں بہت آباد (بقیہ ص ۵۳ پر)

ابتدائی تعلیم و تربیت

حضرت نظام الدین پانچ سال کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ نے جو اپنے وقت کی ایک بڑی صالحہ اور باخدا خاتون تھیں، اس دُرِّ یتیم کی پرورش اور دینی و اخلاقی تربیت کا مردانہ ہمت اور پدرانہ شفقت کے ساتھ اہتمام کیا۔ کتابیں پڑھنے کے قابل ہوئے تو مولانا علاء الدین اصولی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور فقہ کی ابتدائی کتابوں تک ان سے تعلیم حاصل کی، قدوری ختم کی تو مولانا علاء الدین نے فرمایا کہ مولانا نظام الدین اب دستارِ فضیلت باندھو۔ والدہ صاحبہ سے آکر کہا کہ استاد نے دستار بندی کا حکم فرمایا ہے، میں دستار کہاں سے لاؤں؟ والدہ صاحبہ نے کہا: بابا خاطر جمع رکھو۔ میں اس کی تدبیر کروں گی چنانچہ روئی

(صہ ۵۲ کا بقیہ حاشیہ) اور پُر رونق مقام تھا اور دہلی کے لئے سرحدی شہر کا کام دیتا تھا، چنانچہ پرانی دہلی کے ایک دروازہ کا نام دروازۂ بداؤں تھا۔ (نزہۃ الخواطر)۔

قلعۂ بداؤں کے موجودہ کھنڈر اس کی عظمت اور استحکام کا پتہ دے رہے ہیں ۱۱۹۶ء میں سلطان محمد غوری کے جرنیل قطب الدین ایبک نے اسے فتح کیا اور اپنے غلام ملک شمس الدین کو امیر بداؤں مقرر کیا۔ التمش نے یہاں ۱۲۲۲ء میں ایک خوبصورت اور وسیع مسجد تعمیر کرائی جو اب بھی موجود ہے۔ اس مقام کی اہمیت کا مزید ثبوت درکار ہو تو وہ اس سے ملتا ہے کہ دہلی کے دو بادشاہ التمش اور اس کا بیٹا رکن الدین فیروز شاہ دونوں تخت نشینی سے پہلے بداؤں کے گورنر رہ چکے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا بذیل بداؤں) منقول از مقالاتِ دینی و علمی، مولوی محمد شفیع صاحب ایم، اے۔ (جلد اول صہ ۲۴)۔ ۱۲

لہ مولانا علاء الدین علی الاصولی شیخ جلال الدین تبریزی کے مریدین میں تھے اور اپنے شیخ کے نقش قدم پر اخفاء حال کا بڑا اہتمام تھا، صبر و رضا کے ساتھ زندگی گزارتے تھے اور اوقات عزیز کو افادہ و عبادت میں مشغول و معمور رکھتے تھے۔ (نزہۃ الخواطر بحوالہ فوائد الفواد)۔

خرید کر اسکو کتوایا اور بہت جلد پگڑی تیار کر کے دی[۱]۔ والدہ صاحبہ نے اس تقریب میں علماء و صلحاء وقت کی دعوت کی، خواجہ علی مرید شیخ جلال الدین تبریزیؒ نے ایک پیچ باندھا اور حاضرین مجلس نے علمِ نافع اور تکمیل کی دعا کی[۲]۔

فقر و فاقہ اور والدہ کی تربیت

اس چھوٹے سے شریف گھرانے میں جو سایۂ پدری سے محروم تھا فقر و فاقہ کوئی نئی بات نہ تھی حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ والدہ کا معمول تھا کہ جس روز ہمارے گھر کچھ پکانے کو نہ ہوتا تو فرماتیں کہ آج ہم سب خدا کے مہمان ہیں۔ مجھے یہ بات سن کر بڑا ذوق آتا۔ ایک دن کوئی خدا کا بندہ ایک تنکہ غلہ گھر میں دے گیا، چند دن متواتر اس سے روٹی ملتی رہی، میں تنگ آگیا اور اس آرزو میں رہا کہ والدہ صاحبہ کب یہ فرمائیں گی کہ ہم سب خدا کے مہمان ہیں، آخر وہ غلہ ختم ہوا اور والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ آج ہم خدا کے مہمان ہیں، یہ سنکر مجھے ایسا ذوق اور ایسا سرور حاصل ہوا کہ بیان میں نہیں آسکتا[۳]۔

شیخ کبیر سے مناسبت اور قلبی کشش

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا۔ بارہ سال کا رہا ہوں یا کچھ کم زیادہ، اس وقت میں لغت پڑھتا تھا۔ ایک شخص جو ابوبکر خراط کے نام سے مشہور تھا، ابوبکر قوال بھی کہتے تھے میرے استاد کے پاس آیا، وہ ملتان ہو کر آرہا تھا، اس نے بیان کیا کہ میں حضرت شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی کے پاس سے آرہا ہوں، اس نے ان کے فضائل و مناقب بیان کرنے شروع کئے کہ وہاں کے لوگ ایسے ذاکر، شاغل ہیں اور اوراد و نوافل کا ایسا انہماک ہے اور ذکر کی ایسی فضا ہے کہ مائیں اور لونڈیاں بھی چکی چلاتے وقت ذکر میں مشغول رہتی ہیں، اسی طرح کی اور بہت سی خصوصیتیں بیان کرتا رہا، مگر کوئی چیز

---

[۱] سراج المجالس ترجمہ خیر المجالس صد ۱۲۵ [۲] ایضاً صد ۹۶ [۳] سیر الاولیاء (صد ۱۱۳)

[۴] شیخ کبیر سے مراد اس کتاب میں ہر جگہ شیخ الاسلام حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ کی ذات ہے۔ ۱۲

میرے دل میں نہ جمی، اسکے بعد اس نے بیان کیا کہ وہاں سے اجودھن آیا، وہاں میں نے ایسا بادشاہ دین دیکھا اور اس نے شیخ الاسلام شیخ فریدالدینؒ کا تذکرہ کیا، یہ سنتے ہی میرے دل کو بے اختیار کشش ہوئی، اور ان کی محبت و ارادت میرے دل میں ایسی بیٹھ گئی کہ مجھے ان کا نام لینے میں مزا آنے لگا، اور میں ہر نماز کے بعد مزے لیکر ان کے نام کی رٹ لگاتا۔[1]

دہلی کا سفر

سولہ سال کی عمر میں حضرت خواجہ بدایوں سے دہلی آگئے۔[2]

دہلی میں طالب علمی

آپ نے دہلی آکر طالب علمی کا سلسلہ جاری رکھا۔ یہ مدت تین چار سال کی تھی، دہلی میں اس وقت بڑے نامور اساتذہ جمع تھے۔ یہ سلطان ناصرالدین محمود کا عہدِ حکومت اور غیاث الدین بلبن کا عہدِ وزارت تھا اور مولانا شمس الدین خوارزمی جو کہ مستوفی الممالک ہوکر شمس الملک کے لقب سے مشہور روزگار ہوئے استاذ الاساتذہ کی حیثیت رکھتے تھے، سلطنت کے ایک اہم ترین عہدے کی ذمہ داری اور مشغولیت کے ساتھ اس زمانے کے علماء کی طرح درس و تدریس کا مشغلہ بھی جاری تھا،

---

[1] سیر الاولیاء (ص۱۰۱) فوائد الفواد (ص۱۴۹)

[2] یہ سیر الاولیاء کا بیان ہے اور یہی صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ تین چار سال دہلی میں طالب علمی کرنے کے بعد خواجہ صاحب اجودھن گئے اور حضرت خواجہ فریدالدین سے بیعت کی، بیعت کے وقت آپنے اپنی عمر بیس سال بیان کی ہے (سیر الاولیاء ص۱۰۱) اس لئے سیر العارفین کا یہ بیان صحیح نہیں ہے کہ آپ پچیس سال کی عمر میں بدایوں سے لاہور تشریف لے گئے۔

[3] ملاحظہ ہو تاریخ فیروزشاہی از قاضی ضیاء الدین برنی (ص۱۱۳)۔ ۱۲

[4] یہ صدر محاسب یا اکاؤنٹنٹ جنرل کا عہدہ تھا اور بہت بڑے علماء کو دیا جاتا تھا۔

حضرت خواجہؒ ان کے حلقۂ درس میں شامل ہوئے۔

اُستاد کے محبوب

مولانا شمس الدین کو حضرتؒ سے تعلق خاص تھا، اور وہ ان کے محبوب ترین شاگرد تھے، آپ جس حجرۂ خاص میں مطالعہ فرماتے تھے اس میں کسی شاگرد کو آنے کی اجازت نہیں تھی، مگر حضرت خواجہؒ اور ان کے دو رفیق مولانا قطب الدین ناقلہ اور مولانا برہان الدین باقی اس قانون سے مستثنیٰ تھے۔[1]

خواجہ شمس الملک کی عادت تھی کہ اگر کوئی شاگرد ناغہ کردیتا تھا یا دیر سے آتا تھا تو فرماتے تھے کہ آخر مجھ سے کیا قصور ہوا تھا کہ آپ نہیں آئے، حضرت خواجہ نے خود یہ قصّہ بیان کرتے ہوئے تبسّم فرمایا اور کہا کہ اگر کسی سے مزاح فرماتے تو کہتے کہ مجھ سے کیا قصور ہوا کہ آپ نہیں آئے تاکہ میں پھر دیہی قصور کروں لیکن مجھ سے ناغہ ہوجاتا یا دیر میں جاتا تو میرے جی میں آتا کہ آج مجھ سے بھی یہی فرمائیں گے، لیکن آپ مجھے دیکھ کر یہ شعر پڑھتے ہے

آخر کم از آنکہ گاہ گاہے   آئی و بما کنی نگاہے

اس کا تذکرہ کرتے ہوئے خواجہ صاحب آبدیدہ ہوگئے اور سب سننے والوں پر رقت طاری ہوگئی اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنے حجرے میں اپنے ساتھ بٹھاتے، میں ہزار معذرت کرتا مگر منظور نہ فرماتے۔[2]

علمی امتیاز و تفوق

حضرت خواجہ نے اپنی ذہانت، مناسبت خداداد اور محنت سے اپنے رفقاء کے درمیان علمی امتیاز اور تفوق پیدا کرلیا۔ علمی مباحثوں اور سوال و جواب میں (جو قدیم نظام تعلیم کا ایک اہم جزاور علمی استعداد و ذکاوت کی علامت سمجھی جاتی تھی) آپ کی طلاقت لسانی اور قوتِ استدلال کا ایسا اظہار ہوا کہ آپ جس علمی مسئلہ پر بحث کرتے طلبہ لاجواب ہوجاتے

---

[1] سیر العارفین - ۱۲   [2] فوائد الفواد ص ۶۸

اور محفل پر آپ کے علم و ذہانت کا سکہ بیٹھ جاتا، چنانچہ آپ کے ساتھی آپ کو مولانا نظام بحاث اور مولانا نظام الدین محفل شکن کے لقب سے پکارنے لگے[1]

حفظِ مقامات اور اس کا کفارہ

اس زمانہ کے نصاب میں مقامات حریری داخل درس تھی عام طور پر طلبہ سمجھ لینے اور اس کے مشکل الفاظ و مفردات کے یاد کر لینے پر اکتفا کرتے تھے، لیکن حضرت خواجہؒ نے اپنے علمی ذوق اور بلند ہمتی سے اس کے چالیس مقامے حفظ کئے، بعد میں اس کے کفارے میں حدیث کی مشہور کتاب "مشارق الانوار" حفظ کی[2]

حدیث کی اجازت

آپ نے حدیث اپنے زمانہ کے مشہور محدث شیخ محمد المارِیکلی مشہور کمال الدین زاہد (م ۴ ۶۸ھ) سے پڑھی جو مصنف مشارق الانوار علامہ حسن ابن محمد الصغانی کے براہ راست شاگرد تھے۔ فقہ میں ان کو بیک واسطہ صاحب ہدایہ علامہ برہان الدین المرغینانی سے تلمذ تھا، آپ نے ان سے "مشارق الانوار" کا درس لیا اور حدیث کی اجازت حاصل کی[3]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)   [2] ایضاً

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۰۵) اجازت نامہ جو عربی میں ہے اور سیر الاولیاء میں بلفظہ منقول ہے' ۲۲ ربیع الاول ۶۷۹ھ تاریخ درج ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اجازت نامہ آپ کو جب حاصل ہوا ہے اس وقت آپ کی عمر (سنہ ولادت ۶۳۶ھ) کے حساب سے) ۴۳ سال تھی اور یہ واقعہ شیخ کبیر کی وفات (۶۶۴ھ) کے تیرہ سال کے بعد اور اس وقت کا ہے جب آپ مسند ارشاد و تربیت پر متمکن تھے اور آپ کی شہرت دور دور پہونچ چکی تھی۔ اجازت نامہ میں آپ کے لئے "الشیخ الامام العالم الناسک السالک اور مقبول المشائخ الکبار منظور العلماء الاخیار الابرار" کے الفاظ ہیں اس عمر و شہرت میں حدیث کی تکمیل اور حصول اجازت سے آپ کے علمی ذوق اور علو ہمت کا اندازہ ہوتا ہے۔

قلب کی بےچینی اور انجذاب الی اللہ

حضرت خواجہ اگرچہ پورے انہماک کے ساتھ طلبِ علم میں مشغول تھے اور ان کی بلند ہمتی اور عزیمت اس سلسلہ میں کسی کسلمندی اور تساہل کی روادار نہ تھی لیکن دل کسی اور چیز کو ڈھونڈھتا تھا، اس بحث و مباحثہ اور علوم ظاہری کی فضا میں ان کی طبیعت متوحش ہو جاتی تھی، ایک دن فرمایا کہ ایام جوانی میں کہ جب لوگوں کیساتھ نشست و برخاست رکھتا تھا ہمیشہ دل پر گرانی رہتی تھی اور دل ہی دل میں کہتا تھا کہ میں کب ان لوگوں کے بیچ میں سے چلا جاؤں گا۔ اگرچہ یہ سب پڑھنے پڑھانے والے لوگ تھے اور ہمیشہ علمی بحث و مباحثہ میں مشغول رہتے تھے، لیکن اکثر میری طبیعت متوحش ہو جاتی اور میں دوستوں سے کہتا کہ میں ہمیشہ تمہارے درمیان نہیں رہوں گا، میں کچھ دن تمہارے یہاں مہمان ہوں، امیر حسن علا سجزی فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یہ حضرت شیخ الاسلام فریدالدینؒ کی خدمت میں حاضر ہونے سے پہلے کا قصّہ ہے۔ فرمایا: "ہاں!"

والدہ صاحبہ کا انتقال

دہلی کے قیام میں حضرت خواجہ کی والدہ ماجدہ نے انتقال فرمایا۔

والدہ کی یاد

ایک روز عرصہ کے بعد حضرت خواجہ نے اپنی والدہ کے انتقال کا ذکر کیا، ذکر کرتے ہوئے اتنا گریہ طاری ہوا کہ جو کچھ فرماتے تھے پورے طور پر سننے میں نہیں آتا تھا، اسی حالت میں یہ شعر پڑھا ؎

افسوس دلم کہ ہیچ تدبیر نکرد   بشہائے وصال را بہ زنجیر نکرد[1]

والدہ کا یقین و توکّل

حضرت خواجہؒ فرماتے ہیں:- ایک دن نیا چاند دیکھ کر حاضر ہوا اور قدمبوسی کی اور نئے چاند کی مبارکباد معمول کے مطابق پیش کی، فرمایا کہ آئندہ مہینہ کے چاند کے موقع پر کس کی قدمبوسی کروگے؟ میں سمجھ گیا کہ انتقال کا وقت قریب ہے، میرا دل

---

[1] فوائد الفواد (ص۴۷)

پھر آیا اور میں رونے لگا۔ میں نے کہا کہ:۔ مخدومہ! مجھ غریب کو آپ کس کے سپرد کرتی ہیں؟ فرمایا:۔ اس کا کل جواب دونگی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ اس وقت کیوں نہیں جواب دیتیں۔ یہ بھی فرمایا کہ: جاؤ آج رات شیخ نجیب الدین کے یہاں رہو، ان کے فرمانے کے مطابق میں وہاں گیا۔ آخر شب میں صبح کے قریب خادمہ دوڑتی ہوئی آئی کہ بی بی تم کو بلا رہی ہیں۔ میں ڈرا اور میں نے پوچھا خیریت ہے؟ کہا ہاں، جب میں حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ: کل تم نے مجھ سے ایک بات پوچھی تھی۔ میں نے اس کا جواب دینے کا وعدہ کیا تھا اور میں اس کا جواب دیتی ہوں غور سے سنو! فرمایا تمہارا دایاں ہاتھ کون سا ہے، میں نے ہاتھ سامنے کر دیا میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور فرمایا: خدایا! اس کو تیرے سپرد کرتی ہوں۔ یہ کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئیں، میں نے اس پر خدا کا بہت شکر کیا اور اپنے دل میں کہا کہ اگر والدہ سونے اور موتیوں سے بھرا ہوا ایک گھر چھوڑ کر جاتیں تو مجھے اتنی خوشی نہ ہوتی۔[۱]

ایک تمنائے خام

اس وقت دار الحکومت دہلی کی پوری فضا خاص طور پر طلبہ اور علماء کے حلقے قضا وافتاء کے تذکروں، ان منصبوں پر علماء کی تقرری اور قاضیوں اور مفتیوں کے جاہ وجلال اور دولت وثروت کے قصوں سے معمور و گرم تھے۔ حضرت خواجہؒ اپنی فطری سعادت اور اعلیٰ روحانی استعداد کے باوجود اس وقت کم سن اور نوجوان تھے۔ علمی امتیاز اور معاشی تنگ حالی کے ساتھ اگر ان کے دل میں بھی کسی جاہ ومنصب کا ولولہ اور امنگ پیدا ہوتی تو فطرت انسانی کے کچھ خلاف نہیں۔ آپ نے ایک دن شیخ نجیب متوکل سے عرض کیا کہ دعا کیجئے کہ میں قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نجیب الدین خاموش رہے اور کچھ نہ فرمایا۔ حضرت خواجہ سمجھے کہ انھوں نے سنا نہیں۔ دوبارہ ذرا بلند آواز سے فرمایا کہ:۔ دعا کی درخواست کرتا ہوں کہ کہیں کا قاضی ہو جاؤں۔ شیخ نے فرمایا۔ قاضی مت ہو کچھ اور چیز ہو۔[۲]

---

[۱] سیر الاولیاء (ص ۱۵۱) [۲] فوائد الفواد

اجودھن کی پہلی حاضری

حضرت خواجہؒ اجودھن حاضر ہونے سے پہلے دہلی میں شیخ کبیر کے برادرِ حقیقی خواجہ نجیب الدین متوکل سے متعارف ہو چکے تھے اور کچھ عرصہ ان کے ساتھ رہنا بھی ہوا تھا، ان کی صحبت اور گفتگو نے شیخ کبیر کے ساتھ محبّت کی اس چنگاری میں جو کمسنی اور بدایوں کے قیام ہی سے طبیعت میں ودیعت تھی، اشتعال و حرکت پیدا کردی آپ نے شیخ کبیر کی خدمت میں حاضری کا عزم کرلیا اور بالآخر آپ انکی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

طالب یا مطلوب؟

اپنی اس ملاقات اور پہلی حاضری کا حال خود ہی بیان فرمایا، ارشاد ہوا کہ میں جب شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھے دیکھتے ہی یہ شعر پڑھا۔ ؎

اے آتشِ فراقت دلہا کباب کردہ　　سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ

میں نے چاہا کہ پائے بوسی کے اشتیاق کو جو عرصۂ دراز سے بےچین کئے ہوئے تھا ذرا تفصیل سے بیان کردں، لیکن شیخ کے رعب و جلال سے زبان اور قوتِ گویائی نے ساتھ نہ دیا، اتنا ہی کہہ سکا کہ قدمبوسی کا سخت اشتیاق تھا۔ شیخ نے جب دیکھا کہ بس اتنا مرعوب ہوں تو فرمایا:- "لِکُلِّ دَاخِلٍ دَھشَۃٌ"، ہر نئے آنے والے پر رعب ہوتا ہی ہے[1]۔

مرید کی خاطر

شیخ کبیرؒ نے حضرت خواجہ کی بڑی خاطر فرمائی۔ ارشاد ہوا کہ اس پردیسی طالب علم کے لئے جماعت خانہ میں چارپائی بچھائی جائے حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ جب چارپائی بچھ گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں ہرگز اس چارپائی پر آرام نہ کروں گا، کتنے معزز مسافر کتنے حافظ کلام اللہ کتنے عاشقانِ خدا زمین پر

---

[1] فوائد الفواد (ص ۳۱)

سو رہے ہیں، ہیں چارپائی پر کیسے لیٹوں؟ یہ خبر منتظم خانقاہ مولانا بدرالدین اسحٰق کو پہنچی، انھوں نے فرمایا کہ ان سے کہہ دو کہ تمھیں اپنے دل کی کرنا ہے یا شیخ کے ارشاد کی تعمیل۔ میں نے عرض کیا کہ شیخ کے ارشاد کی تعمیل کروں گا، فرمایا کہ جاؤ چارپائی پر سو رہو۔[1]

بیعت | اسی حاضری میں کسی وقت حضرت خواجہ جس ارادے سے آئے تھے، اس کی تکمیل کی اور شیخ کبیر سے بیعت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر بیس سال کی تھی۔[2]

سلسلۂ تعلیم کا اجرا یا انقطاع؟ | ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ کی کچھ کتابیں ابھی باقی تھیں، جذب و شوق کا تقاضا تھا کہ اب اس سلسلہ کو ختم کیا جائے اور علمِ حقیقی اور معرفتِ حقیقی میں صرف کیا جائے جو پیدائش کا اصل مقصد اور یہاں کی حاضری کی غرض و غایت ہے۔ گویا سعدیؒ کا یہ شعر حسب حال تھا۔ ؎

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر دوست
علمے کہ رہ بحق ننماید جہالت است

تعلیم و تعلم کا طول طویل سلسلہ پہلے بھی قلب حساس اور روح بیدار پر بار تھا لیکن اسکو ایک ضرورت سمجھ کر اور اسلئے بھی کہ کوئی دوسرا راستہ سامنے نہ تھا، اختیار کیا تھا، اب جبکہ یقین کا سر رشتہ اور علمِ حقیقی کا سرچشمہ مل گیا اس سلسلۂ دراز کا جاری رکھنا طبیعت پر سخت بار تھا اور زبانِ حال کہہ رہی تھی ؎

میری نظر میں ہیں تمام میرے گذشتہ روز و شب ۔۔۔ مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علم، نخیل بے رطب

لیکن جس شیخ کامل سے تعلق پیدا کر لیا تھا وہ جذبِ کامل کے ساتھ خود بھی کامل العلم تھا اور طریقت کیلئے بقدر ضرورت علمِ ظاہر کو ضروری سمجھتا تھا، خود اسکے شیخ نے یہی ہدایت اسکو کی تھی، پھر مولانا نظام الدین سے ارشاد و تربیت کا جو کام لینا تھا اس کی نازک ذمہ داریوں کو

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۰۷ [2] ایضاً ص ۱۶ [3] فوائد الفواد ص ۱۵۷

ادا کرنے کے لئے علم راسخ کی ضرورت تھی، یوں بھی صاحب نظر شیوخ طالب کی مناسبت کو دیکھتے ہیں
حضرت خواجہ نے بیعت کے بعد فرمایا کہ میں تعلیم ختم کردوں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہو جاؤں؛
شیخ کبیرؒ نے فرمایا کہ میں کسی کو تعلیم سے نہیں چھڑاتا، وہ بھی کرو یہ بھی کرو، دیکھو کیا چیز غالب آتی
ہے؟ یہ بھی فرمایا کہ: درویش کو تھوڑا علم بھی چاہیئے[۱]۔

شیخ کبیرؒ سے درس

شیخ کبیر کی یہ خصوصی عنایت اور اختصاص تھا کہ آپ نے حضرتِ خواجہ کو بنفس نفیس بعض چیزیں پڑھانا شروع کیں۔ فرمایا کہ: نظام تم کو کچھ کتابیں مجھ سے بھی پڑھنی ہوں گی، چنانچہ حضرت شیخ الشیوخ شہاب الدین سہروردیؒ کی تصوف کی مشہور کتاب عوارف المعارف کا درس شروع کیا اور چھ باب اس کے پڑھائے، اسکے علاوہ تمہید ابو شکور سالمی بھی اوّل سے آخر تک سبقاً سبقاً پڑھائی، مزید برآں تجوید کی تعلیم بھی دی، اور چھ پارے کامل تجوید کیسا تھ پڑھائے[۲]

درس کی لذّت

حضرت خواجہ زمانہ گذر جانے کے بعد بھی اس درس کی لذّت کو یاد فرماتے رہے، فرماتے تھے کہ عوارف کے درس میں جو حقائق اور نکات حضرتؒ کی زبان سے سنے وہ پھر کبھی سننے میں نہ آئیں گے، بیان کی تاثیر کا یہ عالم تھا کہ جب حضرت تقریر فرماتے تھے تو یہ آرزو ہوتی تھی کہ اگر اسی حالت میں موت آجاتی تو بڑا اچھا ہوتا[۳]۔

خود شکنی کی تربیت

عوارف کا جو نسخہ درس کے وقت شیخ کبیر کے ہاتھ میں ہوتا تھا وہ کچھ سقیم بھی تھا اور خط بھی باریک تھا، چند ہی اسباق کے بعد ایک ایسا مقام آیا جہاں شیخ کو کچھ دیر تامل رہا، خواجہ نے سادگی اور نو عمری

---

[۱] سیر الاولیاء (ص ۱۰۱)۔ [۲] ایضاً ص ۱۰۶ [۳] فوائد الفواد ص ۷۵

میں کہا کہ میں نے شیخ نجیب الدین متوکل کے پاس ایک اور نسخہ دیکھا تھا، وہ نسخہ صحیح تھا، شیخ نے فرمایا:- "درویش را قوتِ تصحیحِ نسخۂ سقیم نیست"۔ (فقیر کو سقیم نسخہ کی تصحیح کی طاقت نہیں) بار بار شیخ نے یہ فقرہ دہرایا، خواجہ فرماتے ہیں کہ شروع میں تو مجھے خیال نہ آیا لیکن بار بار شیخ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے تو سبق کے دوسرے ساتھی مولانا بدرالدین اسحٰق نے بتلایا کہ خطاب تمھاری طرف ہے، حضرت خواجہ کے ہوش اڑ گئے، فرماتے ہیں کہ "سر برہنہ کردم و در پائے شیخ افتادم" کہتے جاتے تھے۔ نعوذ باللہ میرا اس سے حضرت پر تعریض کرنا ہرگز مقصود نہ تھا، خواجہ فرماتے ہیں میں نے ہر چند معذرت کی، لیکن حضرت کا ملالِ خاطر نہ گیا۔ فرماتے ہیں میں اُٹھ گیا، لیکن سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں۔ وہ دن جیسا مجھ پر گذرا اور جس حزن و غم کا پہاڑ مجھ پر ٹوٹا شاید کبھی کسی شخص کو ایسا کبھی پیش آیا ہو۔ سراسیمہ و پریشان باہر آیا، ایک مرتبہ تو یہ جی چاہا کہ کنوئیں میں گر کر جان دے دوں لیکن کچھ سوچ کر باز رہا، اسی پریشانی اور سراسیمگی کی حالت میں جنگل کو نکل گیا اور بہت رو دیا۔

شیخ کبیرؒ کے ایک صاحبزادے شہاب الدین نامی سے خواجہ کا خاص میل ملاپ تھا، انھوں نے شیخ کبیرؒ سے خواجہ کا یہ حال کہا، جو مقصود تھا پورا ہو چکا تھا، حاضری کی اجازت مرحمت ہوئی۔ "بآدم سر بر قدم مبارک آوردم" معافی ہوئی۔ دوسرے روز طلب فرمایا اور ارشاد ہوا: یہ سب میں نے تمھاری تکمیل حال کیلئے کیا، پیر مشاطۂ مرید ہوتا ہے۔ اس ارشاد کے بعد خلعت و کسوتِ خاص سے سرفراز فرمایا گیا[1]۔

---

[1] فوائد الفواد (ص۳) یہاں پر کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ شیخ کامل نے تلمیذ رشید کی ایک معمولی سی اطلاع اور معروض پر اتنی برافروختگی اور آزردگی کا اظہار فرمایا، اسلئے کہ جیسا کہ خود شیخ کے جملہ سے معلوم ہوتا ہے یہ سب آزردگی اور یہ تکلف طالب رشید کی ترقی باطنی اور خود شکنی کے لئے ہے۔ شیخ مجتہد و مخلص اسکے لئے اپنے مختلف ذرائع اختیار کر سکتا ہے اور اس کے لئے کسی تقریب و موقع کا بھی انتخاب کر سکتا ہے، حضرت کعب بن مالک کے ابتلا کے واقعہ سے اور انکو اس کوتاہی پر جو ان سے بلا ارادہ سرزد ہوئی تھی جو سرزنش کی گئی اور انکے ساتھ جو رویہ اختیار کیا (بقیہ ص۶۴ پر)

فیصلہ کُن موقع

حضرت خواجہ نظام الدین کے لئے وہ وقت جب شیخ کبیر ان کے صرف اتنا کہہ دینے پر کہ "میں نے شیخ نجیب الدین کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے"۔

اپنی کبیدگی اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا، ایک بڑا نازک وقت تھا، بظاہر اس معصوم جملہ اور اطلاع پر کہ "میں نے آپ ہی کے بھائی کے پاس ایک بہتر نسخہ دیکھا ہے" اتنی ناراضگی اور احتجاج کی ضرورت نہ تھی لیکن شیخ کامل کو ایک ایسے طالب علم سے جس کو اس کا جانشین بننا تھا اور لوگوں کی خود شکنی کی تربیت کرنی تھی، اتنی خود بینی بھی گوارا نہ تھی، پھر اس مسترشد کو کمال حال کے جس مقام تک پہونچانا تھا اسکے لئے اضطرار و اضطراب، شکستہ دلی و شکستگی کی خاص کیفیت پیدا کرنی مقصود تھی، لیکن ایک ذہین اور صاحب استعداد نوجوان کیلئے جو اپنی علمی تکمیل کر چکا تھا، یہ وقت بڑا نازک اور فیصلہ کن تھا اور اسی پر اس کے مستقبل کا انحصار تھا، مولانا سید مناظر احسن گیلانی نے صحیح لکھا ہے :—

"صادق و کاذب طلب میں امتیاز کا وقت آگیا۔ دنیا دیکھ رہی تھی، اب مولانا نظام الدین کا فیصلہ کیا ہوتا ہے؟ کیا مولانا بحّاث اور محفل شکن ہی کے لقب کو لیکر دنیا سے واپس چلے جائیں گے؟ جیسے لاکھوں ہی بحاث و محفل شکن آئے اور چلے گئے، یا مشائخ کے سلطان کا جو تخت خالی ہے اس پر قدم رکھنے کی ہمت کرتے ہیں، اپنے اپنے حوصلہ کی بات ہوتی ہے، ورنہ سچ یہی ہے۔ ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا

ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی ہے

چند کلیاں جواب تک ان کے ہاتھ میں تھیں وہ پھینک دی گئیں اور اپنی تنگ دامانی

(ص ۶۳ کا بقیہ حاشیہ) اور کرایا گیا اس سے بھی روشنی اور رہنمائی حاصل کیجا سکتی ہے۔ ۱۲

کے علاج کے آخری فیصلہ پر وہ ڈٹ گئے۔ ظرف کے چھوٹے ہوتے تو کہہ سکتے تھے کہ بھلا میرا کیا قصور، میں نے غلطی ہی کیا کی ہے، ایک اچھے نسخہ کا علم تھا، اس کا اظہار کیا گیا تھا پھر اس پا تنی برہمی کے کیا معنی؛ یہی شورشہ اگر سامنے آجاتا وہی ملبی لکیر بن سکتا تھا۔ اتنی لمبی کہ شیطان کی آنت بھی اس سے چھوٹی ہو۔ بڑھاپے میں دماغی توازن صحیح نہیں رہا ہے، مزاج میں تندی اور غصہ سے آگے بڑھ کر اسی کو "نفسانیت" کا ثبوت بھی قرار دیا جاسکتا تھا بلکہ دین کی آڑ لیکر سلطان جی چاہتے تو "اسوۂ حسنہ نبویہ" کے معیار پر شیخ کبیر کے اس طرزِ عمل کو کھوٹا بتا کر لوگوں کو دکھا سکتے تھے، لیکن ظاہر ہے وہ اپنا علاج کرانے آئے آئے تھے، شیخ کبیر کی کمزوریوں کا علاج اجودھن آنے سے مقصود نہ تھا، اس کو طے کر چکے تھے کہ یہ معالج طبیب ہے، اس کے بعد تنقید کا حق ان کے لیے باقی ہی کب رہا تھا۔[1]

ایک رفیق کی ملامت

خواجہ فرماتے ہیں کہ میں شیخ کبیر کی خدمت میں اجودھن حاضر تھا، ایک عالم بھی جو میرے دوست اور ہم درس تھے اور ہم دونوں ایک ساتھ مذاکرہ کرتے تھے، اجودھن آئے، انھوں نے جب مجھے پھٹے پرانے کپڑوں میں دیکھا تو بڑی حیرت و تاسف سے مجھ سے کہا: "مولانا نظام الدین تم نے اپنا کیا حال بنالیا ہے اگر تم شہر میں درس و تدریس کی خدمت میں مشغول رہتے تو مجتہد زمانہ ہوتے اور بڑی شان و شوکت سے رہتے"، میں نے اپنے دوست کی یہ بات سنی اور ان سے معذرت کر دی، اسکے بعد جب میں شیخ کبیر کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انھوں نے خود بخود فرمایا کہ: نظام! اگر تمہارا کوئی دوست تمھیں ملے اور تم سے کہے کہ تم نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے اور تعلیم و تعلم کا وہ سلسلہ کیوں چھوڑ دیا

---

[1] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت" ج ۲ ص ۹۴-۹۵

جو فارغ البالی اور خوشحالی کا ذریعہ بنتا، اور یہاں اس حال میں کیوں ہو، تو تم اسکا کیا جواب دوگے؟ میں نے عرض کیا کہ جو ارشاد عالی ہو وہی کہہ دونگا۔ فرمایا اگر کبھی کوئی ایسا سوال کرے تو یہ شعر پڑھ دینا ؎

نہ مرہی تو مرا راہ خویش گیر و برو　　ترا سلامتی باد امر نگونساری

اس کے بعد حکم ہوا کہ خانقاہ کے مطبخ سے مختلف قسم کے کھانے ایک خوان میں اپنے سر پہ رکھ کر اس رفیق کے پاس لے جاؤ میں نے تعمیل ارشاد کی میرے دوست نے جب یہ منظر دیکھا تو روتا ہوا دوڑا اور میرے سر سے خوان اتارا اور کہنے لگا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ میں نے سارا قصّہ سنا یا، اس نے یہ سنکر کہا کہ تمھارے شیخ ایسے ہیں کہ انھوں نے تم کو بے نفسی کے اس مقام پر پہنچا دیا ہے، مجھے بھی ان کی خدمت میں لے چلو، جب وہ کھانے سے فارغ ہوئے تو اپنے ملازم سے کہا کہ یہ خوان اٹھاؤ اور ہمارے ساتھ چلو، میں نے کہا کہ نہیں جیسے میں یہ خوان اپنے سر پہ رکھ کر لایا ہوں ویسے ہی سر پہ رکھکر لیجاؤنگا غرض ہم دونوں خدمتِ بابرکت میں پہنچے اور ہمارے دوست نے حضرت کے ہاتھ پہ بیعت و توبہ کی اور آپکے حلقۂ خدام میں داخل ہوئے۔[۱]

کتنے بار حاضری ہوئی؟ حضرت خواجہ شیخ اکبر کی زندگی میں تین بار اجودھن حاضر ہوئے پہلی یا کسی اور حاضری میں خلافت سے مشرف ہوئے تذکروں میں اسکی صراحت نہیں ہے۔[۲]

شیخ کی نوازشیں ایک حاضری میں ایک دن ۲۵ جمادی الاولیٰ کو نماز جمعہ کے بعد[۳] طلبی ہوئی، شیخ کبیر نے اپنا لعابِ دہن حضرت خواجہ کے دہن میں ڈالا، قرآنِ مجید کے حفظ کی وصیت فرمائی، فرمایا کہ خدا نے دین و دنیا تم کو دی، یہاں سب کچھ یہی ہے، دہلی کی طرف روانہ کیا اور فرمایا:۔۔

---

[۱] سیر الاولیاء صـ ۲۳۹ و صـ ۲۴۰　　[۲] فوائد الفواد (صـ ۴۳)

[۳] یہاں سیر الاولیاء میں سنہ تسع وستین وستمائۃ (سـ ۶۶۹ـھ) یا تو غلط درج ہو گیا ہے اور تسع وخمسین ۵۹ مراد ہے اسلئے کہ شیخ کبیر کی وفات کا سنہ سیر الاولیاء وغیرہ میں سـ ۶۶۴ـھ ہے یا پھر تسلیم کیا جائے کہ آپ کا سنہ وفات سـ ۶۷۰ـھ ہے جیسا کہ خزینۃ الاصفیاء میں بحوالہ مخبر الواصلین و تذکرۃ العاشقین درج ہے بہر حال سیر الاولیاء کے سنین میں تضاد ہے

"برو ملکِ ہند گیر" نظرۃ منک تکفینی[1]

رخصت اور وصیت

فرمایا کہ دلی جانا تو مجاہدہ میں مشغول رہنا، بیکار رہنا کچھ نہیں (نفلی) روزہ رکھنا نصف راہ ہے، دوسرے اعمال نماز و حج (نفلی) نصف راہ۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ خلافت نامہ لکھ کر دیا اور ہدایت کی کہ مولانا جمال الدین کو ہانسی میں اور قاضی منتجب کو دہلی میں دکھا دینا، ارشاد ہوا کہ تم ایک سایہ دار درخت ہوگے جس کے سایہ میں اللہ کی مخلوق آرام پائے گی، استعداد کی ترقی کے لئے مجاہدہ کرتے رہنا۔

حضرت خواجہ فرماتے ہیں کہ ہانسی میں شیخ جمال الدین کو خلافت نامہ دکھایا، بڑا اظہارِ مسرت کیا اور یہ شعر پڑھا۔

خدائے جہاں را ہزاراں سپاس　　　که گوہر سپردہ بگوہر شناس[2]

ایک دعا کی درخواست

اسی حاضری میں یکم شعبان کو حضرت خواجہ کی طرف سے شیخ کبیر کی خدمت میں اس دعا کی درخواست پیش کی گئی کہ:۔

خلق کے در بدر نہ پھرنا پڑے، درخواست قبول ہوئی اور دعا فرمائی گئی۔[3]

ایک موقع پر فرمایا گیا کہ میں نے اللہ سے تمہارے لئے تھوڑی سی دنیا مانگ لی ہے، خواجہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سن کر متفکر ہوا کہ بڑے بڑے لوگ دنیا کے سبب سے فتنہ میں پڑ گئے میرا کیا حال ہوگا، شیخ نے فوراً ہی فرمایا کہ تم فتنہ میں نہیں پڑو گے۔ خاطر جمع رکھو۔ اب مجھے اطمینان ہوا۔[4]

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۱۲۳) [2] ایضاً ص ۱۱۶ و ص ۱۱۷ اس موقع پر سیر الاولیاء میں جو ۶۶۹ھ پھر دیا گیا ہے اسکے متعلق اوپر گفتگو ہو چکی ہے۔ ۱۲۔ [3] سیر الاولیاء ص ۱۲۳۔ [4] ایضاً ص ۱۳۲

اجودھن سے دہلی کو

خواجہ نظام الدینؒ اب اپنے مرشد و مربی سے رخصت ہو کر ہندوستان کی تسخیر روحانی اور خلق خدا کے ارشاد و تربیت اور تبلیغ و ہدایت کی عظیم و مقدس مہم پر روانہ ہوئے۔ یہ ایک فقیر بے نوا تھا جو ہندوستان بلکہ ساتویں صدی ہجری کے عالم اسلام کی سب سے مستحکم اسلامی دارالسلطنت کو جا رہا تھا۔ اس کے پاس اخلاص، اعتماد علی اللہ اور استغنا عن الخلق کے سوا کوئی زادِ راہ اور کوئی ہتھیار و سلاح نہ تھا۔ مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ نے خوب لکھا ہے:۔

"ہندگیری کی مہم پر اجودھن سے ہند کے دارالسلطنت دہلی کی طرف روانہ ہوتے ہیں جہاں نیچے سے اوپر تک بشمار چھوٹے آلہہ پراجمائے بیٹھے ہیں، ان میں وہ بھی ہے جسکی زبان کی معمولی حرکت لوگوں کے تن سر سے جدا کر دیتی ہے وہ بھی ہیں جن کی نیازمندی خاک سے اٹھا کر لوگوں کو امارت و دولت کے افلاک تک پہنچا رہی ہے۔ گلی گلی میں عزت تقسیم ہو رہی ہے، مناصب بٹ رہے ہیں، روپے لٹائے جا رہے ہیں، گودیں بھر رہی ہیں اور جن جن ذرائع سے یہ چیزیں حاصل ہوتی ہیں سلطان المشائخ سب سے لیس ہیں۔ آپ پڑھ چکے ہیں کہ اجودھن جانے سے پہلے دہلی کی علمی محفلوں کی محفل شکنی میں ان کی عام شہرت ہو چکی ہے، کچھ نہیں تو قضا کے عہدے سے لیکر شیخ الاسلامی و صدر جہانی کی خدمات تک کی ساری راہیں اپنے سامنے کھلی پا رہے ہیں، لیکن اب خالق کی صورت میں جو الٰہ ان کو مل چکا تھا، سینہ اسی کے وزن سے اتنا معمور تھا کہ کسی مخلوق کی کوئی گنجائش ان کے قلب میں باقی نہ تھی۔ قلب کی اسی کیفیت کی تعبیر تھی جس کا اظہار وہی کبھی کبھی ان مشہور تیز الفاظ میں فرمایا کرتے تھے:۔

"ایمان کس تمام نہ شود تا ہمہ خلق — در نزدیکی او ہم چو پشک شتر نہ نماید"[۱]

---

[۱] سیر الاولیاء صـ۵۵

مجلس مبارک میں دمشق کے ایک شخص کا ذکر ہو رہا تھا جو شیخ الاسلامی کی خدمت کے لئے ساری ساری رات نماز پڑھتا تھا، اپنی انھیں نمازوں کو نگاہِ خلق میں حصولِ عزت کا ذریعہ بنا رہا تھا۔ جامع ملفوظات راوی ہیں کہ:۔

دریں میاں خواجہ ذکر اللہ بالخیر	یہ سُنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں
چشم پر آب کردہ برلب مبارک راند	آنسو آ گئے اور فرمایا کہ پہلے شیخ الاسلامی
بسوز اوّل شیخ الاسلامی را، پس	کو جلاؤ، پھر آگ لگاؤ خانقاہ کو،
خانقاہ را، بعد از اں خود را[1]	پھر اپنی خودی کو جلا کر خاک کر دو۔

الغرض اس شان کے ساتھ سب کچھ جلا کر بھسم کر کے وہ اجودھن سے روانہ ہوئے .... اور جس علاقہ کی ولایت آپ کے سپرد ہوئی تھی اسی کے پایۂ تخت میں آپ پہونچ گئے[2]۔"

تصفیۂ حقوق شیخ کبیرؒ نے ارادت و خلافت کے ساتھ کئی بار یہ تاکید کی تھی کہ مخالفین کو خوش کرنے کی پوری کوشش کرنا اور اہلِ حقوق کو راضی کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا۔ خواجہ فرماتے ہیں کہ میں جب دہلی چلا تو مجھے یاد آیا کہ مجھے ۲۰ جیتل[3] ایک شخص کے دینے ہیں، اور ایک کتاب میں نے کسی سے مستعار لی تھی وہ کھو گئی ہے، میں نے بدایوں کے قیام میں یہ عزم کر لیا تھا کہ میں جب دہلی پہنچوں گا

---

[1] فوائد الفواد (ص ۲۳)

[2] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت (ص ۱۵)

[3] جیتل یا چیتل تانبہ کا ایک سکہ تھا، ایک تنکہ کے (روپیہ) چونسٹھ جیتل اور ایک جیتل کے چار فلوس یعنی دھیلے تھے

تو ان اہل معاملہ کو راضی کرنے کی کوشش کروں گا، جب میں اجودھن سے دہلی واپس آیا تو جس شخص کے بیس جیتل مجھے دینے تھے وہ بزاز تھا، میں نے اس سے کپڑا خریدا تھا، کسی وقت بیس جیتل میرے پاس جمع نہیں ہوئے کہ میں اسکو پہنچا دیتا، معاش کی بڑی تنگی تھی، کبھی پانچ جیتل ہاتھ آئے، کبھی دس، ایک مرتبہ دس جیتل ملے میں اُس بزاز کے دروازہ پر پہنچا، اسکو آواز دی، وہ باہر آیا تو میں نے اس سے کہا کہ تمھارے بیس جیتل میرے ذمہ ہیں، ایک مرتبہ تو مجھے دینے کی مقدرت نہیں، یہ دس جیتل لایا ہوں، اس کو لے لو، دس انشاءاللہ اسکے بعد پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے یہ سنکر کہا کہ ہاں معلوم ہوتا ہے کہ تم مسلمانوں کے پاس سے آرہے ہو، اس نے وہ دس جیتل تو لے لئے اور کہا کہ بقیہ دس جیتل معاف کئے۔

اس کے بعد میں اس شخص کے پاس گیا جس کی کتاب میں نے لی تھی، اس نے مجھے پہچانا نہیں، میں نے کہا کہ صاحب میں نے آپ سے ایک کتاب مستعار لی تھی، وہ کھو گئی، اب میں اس کی نقل تیار کر کے آپ کو دوں گا، میں بالکل اسی طرح لکھوا کر آپ کو پہنچا دوں گا۔ اس شخص نے کہا کہ ہاں تم جہاں سے آرہے ہو وہاں کا یہی نتیجہ ہونا چاہئے، اسکے بعد اس نے کہا کہ میں نے وہ کتاب تم کو بخشی[1]

دہلی کی قیام گاہیں خواجہ صاحبؒ اہل دہلی بلکہ اہلِ ہند کی خدمت کے لئے جب دہلی پہنچے تو باوجود اس کے کہ دہلی کا کوچہ کوچہ محلوں اور ایوانوں سے آباد تھا اور روزانہ نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں، خواجہ صاحبؒ کے قیام کا کوئی ٹھکانا نہ تھا، جب تک کہ غیاث پور کا قیام اختیار نہیں فرمایا، آپ نے اتنی قیامگاہیں اختیار کیں اور اتنے مقامات تبدیل کئے کہ معلوم ہوتا ہے کہ شہر میں اس فقیر کے لئے اپنا درویشانہ سامان رکھنے اور اپنا بوریہ بچھانے کے لئے جگہ نہیں تھی۔ سیر الاولیاء کے مصنف میر خورد اپنے والد سید مبارک محمد کرمانی کی زبانی جو حضرت خواجہؒ کے دوست

---

[1] فوائد الفواد (ص ۱۴)

اور رفیق تھے، اس نقل مکانی کی تفصیل بیان کرتے ہیں جو ناظرین کی عبرت کے لئے یہاں نقل کی جاتی ہے۔سید مبارک محمدؒ کرمانی فرماتے ہیں:۔

" جتنے سال سلطان المشائخ شہر دہلی میں رہے کوئی مکان آپ کی ملکیت میں نہ تھا اور ساری عمر آپ نے کوئی جگہ اپنے اختیار سے انتخاب نہیں فرمائی۔ جب آپ بدایوں سے آئے تو سرائے میاں بازار میں جس کو نمک کی سرائے بھی کہتے ہیں، اترے، والدہ اور ہمشیرہ کو وہاں رکھا اور خود ایک قواس (کمان گر) کی بارگاہ میں جو سرائے مذکور کے سامنے تھی، مقیم ہوئے۔امیر خسروؒ کا بھی اسی محلہ میں مکان تھا کچھ عرصہ کے بعد راوت عرض کا مکان خالی ہوا، اس کے لڑکے علاقوں میں چلے گئے۔امیر خسرو کی معرفت جو راوت عرض کے نواسے تھے سلطان المشائخ کو یہ مکان قیام کے لئے مل گیا، آپ دو سال اس مکان میں رہے، یہ مکان شہر پناہ کے متصل منڈ دروازہ و منڈھ پل کے نزدیک تھا، اس طرح سے کہ شہر پناہ کا برج اس عمارت کے اندر آ گیا تھا، مکان کے ایوان و رواق بڑے بلند اور شاندار تھے، اس عرصہ میں راوت عرض کے لڑکے آ گئے، سلطان المشائخ کو اس مکان سے منتقل ہو جانا پڑا، آپ کی کتابیں جن کے سوا کوئی اور سامان نہ تھا ہم سروں پر رکھ کر چھپر والی مسجد میں (جو سراج بقال کے سامنے تھی) لے آئے۔دوسرے روز سعد کاغذی نے جو شیخ صدرالدین کے مریدین میں تھے، یہ قصہ سنا اور سلطان المشائخ کے پاس آکر بڑی عزت و توقیر اور خوشامد سے اپنے مکان پر لے گیا۔بالاخانہ پر ایک بہت اچھی بارگاہ بنی ہوئی تھی، وہاں آپ کو ٹھہرایا۔سلطان المشائخ ایک مہینہ وہاں ٹھہرے، اسکے بعد وہاں سے بھی اٹھے، رکابدار کی سرائے میں جو قیصر پل کے

متصل تھی۔ سرائے کے درمیان ایک مکان تھا، وہاں مقیم ہوئے۔ ایک مدت کے بعد وہاں سے بھی منتقل ہو کر شادی گلابی کے مکان میں جو محمد میوہ فروش کی دکانوں کے درمیان واقع تھا، قیام اختیار کیا۔ اس درمیان میں شمس الدین شراب دار[1] کے لڑکے اور اعزہ جو آپ کے معتقد تھے آپ کو بڑی عزت اور احترام کے ساتھ شمس الدین شراب دار کے مکان میں لے آئے۔ کئی سال سلطان المشائخ اس مکان میں رہے۔ اس مکان میں بڑی راحت اور سکونِ خاطر میسر آیا[2]۔"

فقر و فاقہ

خواجہ صاحب دہلی تشریف لائے تو ابتلاء تربیت کا وہ دور شروع ہوا جو اس راہ کے ان سالکوں کو جو آگے چل کر مرجع خلائق و سرچشمۂ فیوض بنتے ہیں عادتاً پیش آیا کرتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ سارے ہندوستان کی دولت اور زر و جواہر دہلی امڈ کر آرہے تھے اور ارزانی کا یہ عالم تھا کہ ایک جیتل میں دو سیر میدے کی پکی پکائی روٹیاں مل جاتی تھیں اور دو جیتل میں ایک من خربوزہ آجاتا تھا، لیکن خواجہ صاحب کے فقر و فاقہ کا یہ حال تھا کہ فرماتے ہیں کہ:۔ میرے پاس ایک دانگ بھی نہ ہوتا کہ اس سے میں روٹیاں خرید کر خود کھاؤں اور والدہ و ہمشیرہ اور گھر کے ان لوگوں کو کھلاؤں جو میری کفالت میں تھے، خربوزہ کی اس ارزانی و فراوانی کے باوجود پوری پوری فصل گذر جاتی اور خربوزہ چکھنا نصیب نہ ہوتا لیکن اپنے اس حال میں خوش رہتا اور آرزو کرتا کہ جتنی فصل باقی ہے وہ بھی گذر جائے اور میں اسی حال میں ہوں[3]۔

---

[1] بادشاہ کو پانی پلانے کا عہدہ - ۱۲

[2] سیر الاولیاء (ص ۱۰۸)

[3] سیر الاولیاء (ص ۱۱۳)

غیر کے واسطہ کے بغیر

اسی زمانہ میں جبکہ آپ شہر پناہ کے اس برج میں مقیم تھے جو مندہ دروازہ کے متصل ہے کئی روز گذر گئے اور کھانے کو کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ ایک طالبعلم کو اس کا علم تھا کہ کئی روز سے حضرت کو فاقہ ہے، اس طالبعلم نے بعض ہمسایوں کو جو نوربافت تھے اس کی اطلاع کی، وہ کھانا تیار کرکے لائے۔ کھانے کیلئے ہاتھ دھلاتے وقت کھانا لانے والوں میں سے ایک بولا خدا طالبعلم کا بھلا کرے کہ اسنے ہمیں خبر کردی۔ خواجہ نے ہاتھ روک لئے اور فرمایا:۔ کیا خبر کی؟ اس نے کہا کہ:۔ فلاں طالبعلم نے ہمیں بتلایا کہ کہ آپ کئی روز سے فاقہ سے ہیں، چنانچہ ہم یہ کھانا تیار کرکے لائے۔ آپنے فرمایا: معاف رکھو۔ کتنی ہی ان لوگوں نے کوشش کی، آپ نے کھانا قبول نہیں کیا۔[۱]

شیخ کبیرؒ کی وفات

آخری بار آپ شیخ کبیرؒ کی خدمت میں تین چار مہینے قبل گئے تھے۔ فرماتے ہیں کہ:۔ ۵ محرم کو شیخ کبیرؒ نے وفات پائی اور شوال کے مہینہ میں مجھے حضرت نے دہلی بھیجدیا۔ بیماری کی ابتدا ہو چکی تھی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور آپ بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ رہے تھے، ایک روز کہیں سے خربوزہ آیا تھا خربوزہ کاٹ کر میں نے شیخ کے سامنے رکھا شیخ نے تناول فرمایا اور ایک قاش مجھے عنایت فرمائی۔ میرے دل میں آیا کہ یہ دولت اب کب ملیگی کہ اپنے دست مبارک سے مجھے عنایت فرما رہے ہیں، میں کھالوں اور دو مہینے مسلسل روزے رکھکر (فرض روزہ توڑ دینے) کا کفارہ ادا کردونگا۔ فرمایا کہ نہیں نہیں میرے لئے تو شریعت کی اجازت ہے، تمہارے لئے جائز نہیں۔[۲][۳]

فرمایا کہ انتقال کے وقت مجھے یاد فرمایا اور فرمایا کہ: نظام الدین تو دہلی میں ہیں۔ یہ بھی فرمایا کہ میں بھی اپنے شیخ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی رحلت کے وقت حاضر نہ تھا، ہانسی میں تھا۔ فوائد الفواد

---

[۱] جوامع الکلم (ملفوظات حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ) ص ۲۹۶ [۲] سنہ ۶۶۴ھ [۳] فوائد الفواد ص ۵۳

میں ہے کہ یہ تذکرہ کرتے وقت آپ پر ایسا گریہ طاری ہوا کہ تمام حاضرین کے دل متاثر ہوئے۔[۱]

وفات کے بعد آپ اجودھن حاضر ہوئے۔ مولانا بدرالدین اسحٰق نے شیخ کبیرؒ کی وصیت کے مطابق جامہ مصلےٰ اور عصا سپرد کیا جو حضرت خواجہ کو دینے کے لئے شیخ کبیرؒ نے مولانا کے حوالہ کیا تھا۔[۲]

غیاث پور کا قیام

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز آپ نے شہر کے شور و شر کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا کہ ابتدائی زمانہ میں بھی میرا شہر میں دل نہیں لگتا تھا۔ ایک روز قتلغ خاں کے حوض پر تھا، ان دنوں میں قرآن مجید یاد کر رہا تھا، وہاں ایک درویش یادِ خدا میں مشغول تھا۔ میں اسکے پاس گیا اور اس سے پوچھا کہ آپ اسی شہر کے رہنے والے ہیں؟ انھوں نے کہا: ہاں! میں نے کہا: اپنی مرضی سے اس شہر میں رہتے ہیں؟ اس نے کہا: یہ بات تو نہیں ہے۔ اسکے بعد اس درویش نے واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے ایک اچھے درویش کو دیکھا، بیرون کمال دروازہ، اس احاطہ میں جو لبِ خندق ہے اس دروازے کے قریب ایک بلند زمین ہے جس پر شہدا کی چار دیواری بنی ہوئی ہے، وہ درویش بیٹھا ہوا ہے۔ اس درویش نے مجھ سے کہا کہ اگر ایمان کی خیر چاہتے ہو تو اس شہر سے چلے جاؤ۔ میں نے اسی وقت سے اس شہر سے چلے جانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ لیکن موانع پیدا ہوتے رہے، آج پچیس سال ہوگئے کہ میرا ارادہ باقی ہے لیکن جانے کی نوبت نہیں آتی۔ حضرت خواجہ نے یہ حکایت بیان کر کے فرمایا کہ میں نے جب اس درویش کی یہ بات سنی تو اپنے دل میں یہ طے کر دیا کہ میں اس شہر میں نہ رہوں گا۔ کئی جگہ کا خیال آتا تھا کہ میں وہاں چلا جاؤں۔ کبھی دل میں آتا تھا کہ قصبہ پٹیالی[۳] چلا جاؤں، وہاں ان دنوں ایک ترک تھا۔ کبھی دل کرتا تھا کہ بسنالہ جاؤں، وہ ایک پاک صاف جگہ ہے، چنانچہ

۱۔ فوائد الفواد ص ۵۳ ۲۔ سیر الاولیاء، ص ۱۲۲

۳۔ ضلع ایٹہ میں ایک قصبہ ہے جو خسرو کا ننہال یہیں تھا اور اسی تقریب سے وہ وہاں رہتے تھے۔ ۱۲

ٹ جنا لہ چلا گیا، تین برس وہاں رہا، کوئی مکان نہیں ملا، نہ کرایہ کا نہ بقیمت، ان تین برسوں روزانہ کسی ایک کا مہمان رہتا تھا، جب وہاں سے واپس آیا تو یہی خیال لگا رہا کہ ایک روز حوض رانی کی طرف گیا ہوا تھا، وہاں ایک باغ میں جس کو "باغِ جیرت" کہتے ہیں، اللہ سے مناجات کی۔ طبیعت متوجہ تھی۔ میں نے عرض کیا کہ خداوندا! میں اس شہر سے چلا جانا چاہتا ہوں، لیکن کوئی جگہ اپنی مرضی سے اختیار نہیں کرونگا جہاں آپ کی مرضی ہو وہاں چلا جانا چاہتا ہوں، اس درمیان میں ایک غیبی آواز "غیاث پور" کے نام کی آئی۔ میں نے کبھی غیاث پور دیکھا نہیں تھا، اور یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ غیاث پور کہاں ہے، میں نے جب آواز سنی تو ایک دوست کے پاس گیا۔ وہ دوست ایک نیشاپوری نقیب تھا، جب میں اس کے گھر گیا اور اسکو دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ غیاث پور گیا ہوا ہے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہی غیاث پور ہے، الغرض غیاث پور آیا، اس وقت تک یہ مقام ایسا آباد نہیں تھا، ایک غیر معروف جگہ تھی، آدمی بھی کم تھے۔ میں آیا، میں نے وہاں سکونت اختیار کر لی، جب کیقباد[1] نے کیلوکھری[2] کو اپنی فرودگاہ بنایا تو وہاں ہجوم خلائق ہوا۔ امرا اور اعیانِ سلطنت اور ان کے متعلقین کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ جب میں نے یہ اژدحام دیکھا تو اپنے دل میں کہا کہ اب یہاں سے بھی چلا جانا چاہیئے، اسی خیال میں تھا کہ ایک بزرگ کا جو میرے استاد بھی تھے، شہر میں انتقال ہوا، میں نے اپنے دل میں کہا کہ جب میں ان کے فاتحہ میں جاؤں گا تو پھر کسی طرف کا قصد کروں گا، اپنے دل میں اس کو طے کر لیا۔ اسی روز نمازِ عصر کے وقت ایک جوان آیا حسین لیکن نحیف، خدا جانے مردانِ غیب میں سے

---

[1] سلطان معز الدین کیقباد (۶۸۶ھ، ۶۸۹ھ) بغرا خاں کا لڑکا اور غیاث الدین بلبن کا پوتا تھا، ۳ سال حکومت کی۔ ۱۲

[2] سرسید احمد خاں آثار الصنادید میں لکھتے ہیں: معز الدین کیقباد نے ۶۸۶ھ میں ایک قلعہ بنوایا اور کیلوکھری اسکا نام رکھا اگرچہ اس قلعہ کا اب نشان نہیں لیکن اسی جگہ ہمایوں کے مقبرے کے پاس موضع کیلوکھری موجود ہے، اور دس پانچ جھونپڑے موجود ہیں۔ ۱۲ (آثار الصنادید باب ۳، صـ۴)

تھا یا کون تھا، اس نے آتے ہی مجھے خطاب کر کے یہ شعر پڑھا۔ ؎

آں روز کہ مہ شدی نمی دانستی — کہ انگشت نمائے جہاں خواہی شد

(جس روز خدا نے تم کو چاند بنایا تھا، اسی روز سمجھنا چاہیئے تھا کہ ساری دنیا کی انگلیاں تمہاری طرف اٹھیں گی)

حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اس نے کچھ اور باتیں بھی کہیں جس کو میں نے لکھ لیا ہے، اسکے بعد اس نے یہ کہا کہ پہلی مرتبہ آدمی کو مشہور نہیں ہونا چاہیئے، اور جب کوئی شخص مشہور ہوجائے تو پھر ایسا بننا چاہیئے کہ کل روزِ قیامت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

اس کے بعد اس نے کہا کہ یہ کیا ہمّت وحوصلہ ہے کہ خلقِ خدا سے بھاگ کر گوشہ گیری اختیار کی جائے اور یادِ خدا میں مشغول ہوا جائے۔ اس کا مقصود یہ تھا کہ قوت وحوصلہ کی بات تو یہ ہے کہ مخلوق کے باوجود یادِ خدا میں مشغول ہو۔ جب اس نے اپنی بات ختم کی تو میں نے کچھ کھانا لاکر اسکے سامنے رکھا، اس نے ہاتھ نہیں بڑھایا، اسی وقت میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ میں یہیں رہوں گا جب میں نے یہ نیت کرلی، تو اس نے تھوڑا سا کھانا کھایا اور چلا گیا۔[۱]

رجوعِ عام

غیاث پور کے دورانِ قیام میں خلقِ خدا اور طالبین کا رجوع شروع ہوا اور فتوحات کا دروازہ کھُل گیا

تذکروں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ غیاث پور میں کتنی مدت گزرنے کے بعد آپ کی ذاتِ بابرکات کو مرجعیت، اور غیاث پور کی خانقاہ کو شہرتِ عام حاصل ہوئی۔ اتنا پتہ چلتا ہے کہ غیاث پور کا قیام اختیار کرنے کے بعد بھی ایک عرصہ تک عسرت اور بے اسبابی کا دور گذرا، یہانتک کہ ایک عرصہ

۱؎ سیرالاولیاء (ص ۱۲۹)

تک آپ سخت گرمیوں اور لو دھوپ کے زمانہ میں جامع مسجد کو جو خاصہ فاصلہ پر تھی جمعہ کے دن پیادہ پا تشریف لیجاتے تھے، یہاں تک کہ اس "عُسر" کے بعد "یُسر" کا دور آ گیا[1] اور وہ رجوع عام شروع ہوا کہ اسکے سامنے سلاطینِ دہلی کے درباروں کی عظمت ماند پڑ گئی، امیر خسروؒ کے ان اشعار کی تصویر سامنے آ گئی۔

درعالم دل جہاں پناہی	درحجرۂ فقر بادشاہی
شاہانش بہ خاکِ پائے محتاج	شاہنشہے بے سریر بے تاج

فقر و منعم

صاحب سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ:- وارد و صادر میں سے پردیسی ہو یا شہری جو آتا اور سعادت قدمبوسی حاصل کرتا کسی کو محروم نہ فرماتے، پوشاک، نقد، تحائف جو بھی خدا بھیجتا سب ہی ان آنے جانے والوں پر صرف ہوتا، جو بھی آتا اور جس وقت بھی آتا محروم نہ جاتا[2]۔

حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی نے فرمایا:-

"فتوحات کا یہ حال تھا کہ دولت کا دریا آگے دروازے کے بہتا تھا، کوئی دن فتوحات سے خالی نہ ہوتا، صبح سے شام تک لوگ آتے بلکہ عشا تک، مگر لینے والے لانے والوں سے زیادہ ہوا کرتے اور جو کچھ کوئی لاتا اس سے زیادہ حضرتؒ کی عنایت سے پاتا۔"[3]

---

[1] انّ مع العسر یُسرًا - ان مع العسر یُسرا ــــ بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے، بیشک دشواری کے ساتھ آسانی ہے - ۱۲

[2] سیر الاولیاء -

[3] سراج المجالس (ترجمہ خیر المجالس) ملفوظات حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلیؒ (ص ۲۰۲)

بیداری پر پہلا سوال

عادتِ مبارک تھی کہ جب قیلولہ سے اٹھتے تو دو باتیں سب سے پہلے پوچھتے، ایک یہ کہ زوال ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ کوئی آیا تو نہیں، تاکہ اسکو انتظار نہ کرنا پڑے۔[1]

دنیا سے تنفر اور بذل وعطا

دنیا کا جس قدر رجوع بڑھتا گیا اتنی ہی طبیعت اس سے متنفر ہوتی گئی، اکثر گریہ فرماتے، جتنی بڑی فتوحات ہوتیں اتنی ہی زیادہ گریہ کرتے اور اتنی ہی زیادہ کوشش فرماتے کہ جو کچھ آیا ہے جلد تقسیم ہو جائے، تھوڑی تھوڑی دیر کے بعد آدمی کو بھیجکر ہدایت فرماتے کہ جو کچھ ہو تقسیم کر دیا جائے، جب سب تقسیم ہو جاتا اور ضرورتمندوں کو پہنچ جاتا تو سکونِ خاطر ہوتا۔ ہر جمعہ کو حجروں اور انبار خانوں کو اس طرح خالی کرا دیتے جیسے جھاڑو دے دی گئی ہو، اس کے بعد مسجد جاتے، اگر بادشاہوں یا شہزادوں میں سے کوئی آستانہ پر حاضر ہوتا اور ان کی نذر اور آمد آمد کی خبر پہنچتی تو ٹھنڈی سانس بھر کر فرماتے کہ: کہاں آئے ہیں، فقیر کا وقت غارت کرتے ہیں۔[2]

زمین و جائداد سے پرہیز

امیر حسن علاسنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حاضر تھا، ان دنوں میں ایک امیر نے باغ اور بہت سی زمین اور اسکے سازو سامان کی دستاویز حضرتؒ کی خدمت میں بھیجی تھی اور اپنی عقیدت و اخلاص کا اظہار کیا تھا، حضرتؒ نے قبول نہ فرمایا، متبسم ہو کر فرمایا کہ اگر میں اسکو قبول کر لوں تو پھر لوگ کہا کرینگے کہ شیخ باغ کی سیر کو گئے ہیں اور اپنی کھیتی اور زمین دیکھنے تشریف لے گئے ہیں۔ میرے کام سے اس کو کیا مناسبت؟ میرے بزرگوں اور مشائخ میں سے کسی نے زمین و جائداد قبول نہیں کی۔[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۶ ۔ [2] ایضاً ص ۱۲۹ [3] فوائد الفواد ج ۱ ص ۹۹

فقیر کا شاہی دسترخوان

خود دائم الصوم تھے، لیکن دونوں وقت شاہی دسترخوان لگتا اور انواع و اقسام کے کھانے وافر مقدار میں چنے جاتے، امیر و غریب، شاہ و گدا، شہری و پردیسی، صالح و گناہگار کسی کی تفریق نہ تھی، سب ایک جگہ بیٹھ کر کھانا کھاتے، لے جانے کی بھی اجازت تھی۔ بعض لوگ کھاتے اور باندھ کر بھی لے جاتے، یہ شاہی دسترخوان اپنی نوعیت میں یکتا تھا۔ اسی دسترخوان پر بیٹھ کر سیکڑوں ہزاروں غربا کو وہ کھانے نصیب ہوتے جن کے انھوں نے نام ہی نام سنے تھے، بڑے بڑے امرا، درباراور اعیان سلطنت کو بھی اس دسترخوان پر حاضری کی آرزو ہوتی تھی اور اس کھانے کی لذت کو وہ یاد کرتے تھے، ہدایت و ارشاد اور سلوک و تربیت کے فیض عام کے علاوہ (جس کا ہر وقت دروازہ کھلا رہتا تھا) حضرت خواجہؒ کا یہ بھی فیض تھا جو دلی میں اپنی پوری روانی کے ساتھ جاری تھا اور جو ہزاروں بندگانِ خدا کی پرورش کا ذریعہ تھا، مولانا مناظر احسن گیلانی نے درویش کے اس خوانِ "سلطانی" کا ذکر کرتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

"آج جن چیزوں پر ایوانِ نعمت کے قصوں کے ساتھ غریبوں کا دکھڑا رو دیا جاتا ہے، گویا یہ بھی ایک قسم کی حدیث المائدہ (ٹیبل ٹاک) اور ہضم کرنے کا چورن ہے ان کو کیا معلوم کہ اسلامی تاریخ میں غریبوں اور امیروں کے درمیان صوفیۂ اسلام کی یہی خانقاہیں درمیانی کڑی کا کام دیتی تھیں، ان بزرگوں کا دربار وہ دربار تھا جہاں سلاطین بھی خراج داخل کرتے تھے۔ خود سلطان المشائخ کا کیا حال تھا، گذر چکا کہ ولی عہد سلطنت خضر خاں تک اسی دربار کا حلقہ بگوش تھا۔ علاء الدین جو سارے ہندوستان سے خراج وصول کرتا تھا، لیکن ایک خزانہ وہ بھی تھا جسمیں اسے بھی مالگزاری داخل کرنی پڑتی تھی[1]

---

[1] نظامِ تعلیم (ص ۲۱۴)

یہی خانقاہیں تھیں جن کے ذریعہ سے ملک کے عام غربا فقرا تک ان کا حصہ پہنچ جاتا تھا اور یہی مطلب ہے اس مشہور فقرہ کا کہ :-

"مالِ صوفی سبیل است"[1]

عزت و امارت کا یہ سنگم یعنی صوفیہ صافیہ کا یہ طبقہ جہاں امراء، غربا دونوں ایک حیثیت سے حاضر ہوتے تھے اس سے غربا اور حاجتمند مسلمانوں کی کتنی حاجت روائیاں ہوتی تھیں، واقعہ یہ ہے کہ اسلامی عہد کا کوئی زمانہ اور ان دنوں ہندوستان کا شاید ہی کوئی صوبہ کوئی علاقہ ایسا ہوگا جہاں

توخذ من اغنیاءهم — انکے دولتمندوں سے لیا جائے اور ان کے

وترد علی فقراءهم — ضرورتمندوں کو پہونچا دیا جائے۔

کے نبوی فرمان کی تعمیل میں ارباب صدق وصفا کا یہ طبقہ مشغول نہ تھا، خصوصاً جن بزرگوں کا کسی خاص وجہ سے امراء اور ارباب ثروت پر اثر قائم ہوجاتا تھا، یوں سمجھئے کہ غرباء کی قسمت جاگ اٹھتی تھی[2]۔

اسلام کے ان اکابر کا حال پڑھئے اور اس پر غور کیجئے، آپ کو نظر آئے گا کہ امراء اور غرباء کے درمیان ان بزرگوں کا وجود باجود حلقۂ اتصال بنا ہوا تھا ——— اور میرا خیال ہے کہ ان کی خانقاہوں کے لنگر خانے جہاں اپنے اندر دوسری اغراض رکھتے تھے ایک بڑا کام ان سے یہ بھی نکلتا تھا کہ ملک کے غریبوں، بے وسیلوں کی پناہ گاہ یہ خانقاہیں بنی ہوئی تھیں، بلکہ ان ہی کے

---

[1] نظام تعلیم (صـ۲۱۴) [2] ایضاً (صـ۲۲۰)

ذریعہ سے غریبوں تک بھی وہ نعمتیں پہنچ جاتی تھیں جن کا نام بھی اس زمانہ کے غریبوں نے شاید نہ سنا ہو۔"[1]

شیخ کی غذا شیخ خود کھانے میں شریک ہوتے لیکن اس شاہی دسترخوان پر جس پر انواع و اقسام کے کھانے اور الوانِ نعمت ہوتے، ان کی غذا عام طور پر ایک یا آدھی روٹی اور کچھ کریلہ وغیرہ کی سبزی یا تھوڑے سے چاول ہوتے[2]۔ آپ کے ایک مرید باختصاص مولانا شمس الدین یحییٰ اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں:۔

"میں ایک مرتبہ دسترخوان پر موجود تھا افطار کے وقت میری نظر سلطان المشائخ پر تھی، میں نے دیکھا کہ کھانا شروع ہونے کے وقت آپ نے لقمہ لینے کے لئے جو ہاتھ پیالہ کی طرف بڑھایا تھا وہ آخر تک وہیں رہا، منھ تک آنے کی نوبت نہ آئی کہ دسترخوان بڑھا دیا گیا۔"[3]

ترتیب دسترخوان پر بیٹھنے کا قاعدہ اور ترتیب یہ تھی کہ سب سے آگے مخدوم زادگان (مرشد سے نسبتِ قرابت رکھنے والے) ہوتے، پھر علماء، پھر رؤسا، و اشراف[4]

سلاطین عہد سے بے تعلقی سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد سلطنتِ ہندوستان کی دینی رہنمائی بلکہ سلطنتِ اسلامی کی تاسیس، اسلامی معاشرہ کی اصلاح اور اس میں روحانیت و انابت کی روح پھونکنے کے ساتھ ساتھ ابتدا ہی سے سلاطین وقت سے بے تعلقی کے اصول پر پڑی تھی، اور یہ اس سلسلہ کا ایک شعار اور مشائخ چشتیہ کا مقدس ترکہ اور امانت بن گئی تھی۔ مشائخ چشت نے اس "شیشہ و آہن" کو جمع کرنے میں اپنا پورا کمال دکھا دیا تھا۔ ایک طرف دہ دربار کے غلط رجحانات کی اصلاح اور وقت کے فتنوں کے استیصال سے غافل اور علم

---

[1] نظامِ تعلیم ص ۲۲۸ [2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵ [3] ایضاً ص ۱۲۵ [4] ایضاً ص ۲۰۲

اسلام سے خالی اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل سے بے فکر نہ تھے، دوسری طرف وہ ایک اصول اور عقیدے کے طور پر یہ طے کر چکے تھے کہ ان کو دربار سے براہ راست کوئی تعلق رکھنا نہیں ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ سے لیکر خواجہ نظام الدین تک یہ گویا ایک طے شدہ حقیقت تھی کہ انکو دربار میں جانا ہے اور نہ سلاطینِ وقت سے ملاقات کرنی ہے، اس اصول پر یہ سب حضرات سختی سے کاربند رہے، اس کا نتیجہ تھا کہ سیاست کے خارزار میں ان کا دامن کبھی نہیں الجھا، اور انقلاباتِ سلطنت کا ان مرکزوں اور ان کی سرگرمیوں پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ ان کا اخلاص، ان کی بے لوثی اور بے غرضی تمام سیاسی اختلافات کے باوجود مُسلّم رہی اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں سب سے طویل عرصہ تک اس سلسلہ کو اپنا کام جاری رکھنے اور ہندوستان پر اثر انداز ہونے کا موقع ملا اور شاید اسی کا نتیجہ تھا کہ اس سلسلہ کو قبول عام اور بقائے دوام حاصل ہوا۔

حضرت شیخ نظام الدینؒ جب سے شیخ کبیر کے پاس سے ہندوستان کی تسخیر روحانی اور تبلیغ و ارشاد پر مامور ہو کر آئے تھے دہلی کے تخت پر یکے بعد دیگرے پانچ بادشاہ بیٹھے اور انھوں نے بڑے جاہ و جلال کیساتھ سلطنت کی، لیکن سوائے ایک موقع کے جبکہ دینی ضرورت درپیش تھی (سماع کی حلت و حرمت کی مجلسِ مناظرہ) وہ کبھی نہ دربار میں گئے اور نہ بادشاہِ وقت کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی۔ غیاث الدّین بلبن کے عہدِ سلطنت میں ان کا آفتاب شہرت و قبولیت نصف النہار پر نہیں پہنچا تھا، اس لئے غیاث الدّین کو ان کی طرف توجہ نہیں ہوئی، معزالدین کیقباد لہو و لعب اور سیر و شکار میں مشغول رہا۔

جلال الدّین خلجی پہلا بادشاہ تھا جو صاحب علم و حلم، جوہر شناس اور ارباب کمال کا قدردان تھا اور حضرت خواجہ کی شہرت بھی اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ جلال الدین نے کئی بار حاضری کی اجازت چاہی، لیکن کبھی منظور نہیں ہوئی۔ آخر سلطان نے امیر خسروؒ کے ساتھ (جو سلطان کے مصحف بردار تھے) یہ منصوبہ بنایا کہ ایک مرتبہ بلا اطّلاع حضرت کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ امیر خسروؒ نے مناسب جانا کہ اپنے مرشد کو اس کی اطلاع دے دی جائے، اس لئے کہ اگر میں نے اسکی اطلاع نہ دی تو شاید

میرے حق میں یہ اچھا نہ ہو، اگرچہ بادشاہ نے اس بارے میں امیر خسروؒ کو اپنا رازدار بنایا تھا لیکن اپنے مرشدؒ سے راز داری امیر خسرو کو مناسب نہ معلوم ہوئی - امیر نے حضرت خواجہؒ سے جاکر عرض کیا کہ کل بادشاہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوگا - حضرت خواجہ نے یہ سنتے ہی اپنے مرشد کی قبر کی زیارت کی نیت سے اجودھن کا رخ فرمالیا اور روانہ ہوگئے، بادشاہ کو جب اسکی اطلاع ملی تو امیر خسروؒ پر ناراض ہوا کہ تم نے میرا راز فاش کردیا اور حضرت خواجہؒ کی قدمبوسی کی سعادت سے محروم کردیا - امیر خسروؒ نے کہا کہ بادشاہ کی رنجش سے جان جانے کا خوف تھا لیکن مرشدؒ کی رنجش سے سلب ایمان کا خوف تھا - بادشاہ حلیم و فرزانہ تھا اس نے اس جواب کو پسند کیا اور خاموش ہوگیا۔

سلطان علاء الدین کا امتحان اور عقیدت

سلطان علاء الدین خلجی جو ہندوستان قدیم کا سب سے باجبروت اور اقبال مند بادشاہ اور سکندر ثانی ہے اپنے چچا جلال الدین کے بعد تخت سلطنت پر بیٹھا - ابتدا میں اسکو حضرت خواجہ سے نہ کوئی خاص عقیدت تھی نہ تنفر تھا، بعض لوگوں نے سلطان کو حضرت خواجہ کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش کی اور ان کی مقبولیت اور رجوع عام سے سلطنت کیلئے خطرات ثابت کئے، سلطان علاء الدین نے امتحاناً ایک عریضہ آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے اور ولیعہد خضر خاں کے ہاتھ بھیجا جس میں آپ سے انتظام سلطنت کے بارے میں مشورے اور نصائح کی درخواست کی گئی تھی، جب خضر خاں یہ خط لیکر خواجہ کی خدمت میں آیا آپ نے وہ کاغذ ہاتھ میں لے لیا اور اس کا مضمون بھی نہیں پڑھا - حاضرین مجلس سے فرمایا کہ ہم دعا کرتے ہیں، اسکے بعد ارشاد ہوا کہ درویشوں کا بادشاہوں سے کیا کام ؟ میں ایک فقیر آدمی ہوں، شہر کا ایک گوشہ اختیار کر رکھا ہے بادشاہ اور مسلمانوں کیلئے دعاگوئی میں مشغول ہوں، اگر اس وجہ سے بادشاہ کو مجھ سے تعرض کرنا ہے میں یہاں سے بھی چلا جاتا ہوں، اللہ کی زمین وسیع ہے سلطان علاء الدین اس جواب سے بہت خوش ہوا، اور کہا کہ میں جانتا تھا کہ حضرت خواجہؒ کو امور سلطنت و سیاست

ل سیر الاولیاء صـ ۱۳۵

کوئی سروکار نہیں، لیکن بدخواہ چاہتے ہیں کہ مجھے مردان خدا سے لڑادیں اور اس طرح ملک تباہ ہو جائے۔[1]

بادشاہ کے آنے سے معذرت

سلطان نے حضرت خواجہؒ سے بڑی معذرت کی اور کہلوایا کہ میں آں مخدوم کا معتقد ہوں۔ مجھ سے گستاخی ہوئی۔ معاف کیا جائے اور حاضری کی اجازت دیجائے کہ قدمبوسی کی سعادت حاصل کردں۔" حضرت خواجہؒ نے ارشاد فرمایا کہ: "آنے کی حاجت نہیں، میں غائبانہ دعا کرتا ہوں اور غائبانہ دعا بڑی موثر ہوتی ہے۔[2]

گھر کے دو دروازے

سلطان نے اس کے بعد بھی ملاقات کیلئے بڑا اصرار کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ اس فقیر کے گھر میں دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازے سے آئے گا، میں دوسرے دروازے سے باہر چلا جاؤں گا۔[3]

غم اسلام

اگرچہ علاء الدین حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکا، لیکن اس کو آپ سے برابر عقیدت رہی اور وہ مہماتِ سلطنت اور فکر و تردد کے موقع پر حضرت خواجہؒ سے رجوع کرتا رہا۔ ایسے موقع پر آپ سے دعا کی درخواست کرتا اور آپ اہتمام کے ساتھ دعا فرماتے۔

قاضی ضیاء الدین برنی لکھتے ہیں کہ: "جب ملک نائب ورنگل کے محاصرے میں مشغول تھا، تلنگانہ کا راستہ پُرخطر ہو گیا تھا، راستہ کے تھانے اور چوکیاں سبھی اٹھ گئیں تھیں، چالیس روز سے زیادہ ہو گئے تھے کہ لشکر کی سلامتی اور خیریت کی اطلاع سلطان تک نہیں پہنچی تھی، سلطان کو بڑا تردد تھا، اکثر اعیان و امراء دربار کا خیال ہونے لگا تھا کہ لشکر کسی حادثہ یا فتنہ کی نذر ہو گیا کہ سلسلۂ رسل و رسائل منقطع ہو گیا ہے۔ اسی فکر و تردد کے ایام میں ایک روز سلطان نے ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین بیانوی کو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں بھیجا اور کہلایا کہ لشکرِ اسلام کی خیریت نہ معلوم ہونے سے مجھے سخت تردد ہے

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۳۵ [3] ایضاً ص ۱۳۵

آپ کو اسلام کا غم اور فکر مجھ سے زیادہ ہی ہے، اگر نورِ باطن سے آپ کو لشکر کا کوئی حال معلوم ہو تو مجھے مطمئن و مسرور فرمائیں، سلطان نے پیغام لے جانے والوں کو ہدایت کی کہ حضرتؒ کی زبان سے اس موقع پر جو کچھ نکلے اس کو محفوظ رکھیں، اس میں کوئی کمی بیشی نہ کریں۔ وہ دونوں حضرات شیخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے سلطان کا پیغام پہنچایا، آپنے پیغام سننے کے بعد بادشاہ کی فتح و نصرت کا حال بیان کرنا شروع کیا اور فرمایا کہ "یہ فتح کیا ہے، ہم اور فتوحات کی بھی امید رکھتے ہیں"۔ یہ سنکر ملک قرابیگ اور قاضی مغیث الدین شادماں فرحاں واپس آئے اور سلطان کو جواب سُنایا، سلطان یہ جواب سنکر بہت خوش ہوا، اس کو یقین ہو گیا کہ ورنگل فتح ہو چکا......اسی روز نمازِ عصر سے فارغ ہوئے تھے کہ ملک نائب کے قاصد پہنچے اور ورنگل کا فتح نامہ لائے، جمعہ کے دن وہ فتح نامہ منبروں پر سے پڑھکر سنایا گیا، صحن میں خوشی کا نقارہ بجا اور خوشیاں منائی گئیں، سلطان کا اعتقاد اور بڑھ گیا۔[۱]

ایک دوسری مرتبہ جب مغل دہلی پر حملہ آور ہوئے سلطان بنفس نفیس جنگ میں شریک تھا، اس نے حضرت خواجہؒ کی خدمت میں عرض کروایا کہ یہ بڑا اہم موقع ہے آپ متوجہ رہیں، حضرت خواجہ نے تمام اہل خانقاہ سے ارشاد فرمایا کہ: متوجہ الی اللہ رہیں اور خدا سے مسلمانوں کی فتح کی دعا کریں، چنانچہ سب مشغول رہے اور تھوڑے ہی عرصہ میں فتح کی خبر آئی، مغلوں نے شکستِ فاش کھائی۔[۲]

قاضی ضیاء الدین سلطان علاء الدین کے اہلِ دربار میں سے تھے، کہتے ہیں کہ: اپنے پورے عہدِ حکومت میں کبھی سلطان کی زبان سے حضرت خواجہؒ کے بارے میں کوئی خلافِ شان بات نہیں نکلی۔ اگرچہ دشمن اور حاسدین شیخؒ کی شاہانہ داد و دہش، رجوعِ خلائق اور شاہی لنگر کو سلطان سے رنگ آمیزی اور ایسے طریقے پہ بیان کرتے کہ سلطان بدگمان ہو جائے، لیکن سلطان نے کبھی اس کی طرف التفات نہیں کیا اور خاص طور پر اپنے آخر عہد میں اسکو حضرتؒ سے غایت درجہ کا اخلاص و اعتقاد پیدا ہو گیا تھا، اس سب کے باوجود کبھی ملاقات کی نوبت نہ آئی

---

[۱] تاریخ فیروز شاہی صد۳۳۲ [۲] سیر الاولیاء صد۱۶۰

سلطان قطب الدّین کی مخالفت اور اُسکا قتل

سلطان علاء الدین کے بعد اس کا دوسرا بیٹا قطب الدین مبارک شاہ ولی عہد سلطنت خضر خاں کو محروم کر کے غاصبانہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔

"خضر خاں چونکہ حضرت والا کا مرید تھا اور وہی علاء الدین کا ولی عہد تھا جس سے قطب الدین نے حکومت غصب کی تھی، اس لئے قطب الدین حضرتؒ سے بھی ناراض رہتا تھا، اس نے اپنی ایک نئی جامع مسجد "جامع میری" کے نام سے بنوائی تھی اور تمام مشائخ و علماء کو حکم تھا کہ اسی میں آکر نماز جمعہ ادا کریں سلطان المشائخ نے کہلا بھیجا کہ: "مسجد نزدیک داریم و ایں احق است ہمیں جا خواہم گزارد" (ہمارے قریب ایک مسجد ہے اس کا حق زیادہ ہے ہم وہیں نماز پڑھیں گے) اور وہ جامع میری نہیں گئے۔ بادشاہ سخت برافروختہ ہوا۔ اسی کے ساتھ ہر نوچندی کو اعیان اور مشاہیر شہر دربار شاہی میں پیش ہو کر نذر گزارتے تھے، سلطان المشائخ اس تقریب میں بھی شریک نہیں ہوتے تھے، ادائے رسم کیلئے اپنے خادم اقبال کو بھیج دیتے تھے اس سے بھی وہ برہم تھا، اس نے اپنے تمام امراء و وزراء کو حکم دیا کہ: —

"کسے بزیارت شیخ غیاث پور نہ رود"

(کوئی شیخ کی زیارت کے لئے غیاث پور نہ جائے)

امیر خسروؒ نے لکھا ہے کہ: "بارہا می گفت کہ ہر کہ سر شیخ برد ہزار تنکا او رادہم" (جو شیخ کا سر لائے گا اس کو ہزار تنکہ دوں گا) ایک روز شیخ ضیاء الدین رومی کی درگاہ میں سلطان جی اور قطب الدین کا آمنا سامنا بھی ہوگیا، سلطان جی نے بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے سلام کیا، قطب الدین نے جواب نہ دیا۔ یوں

مسلسل واقعات قطب الدین کی حکومت کے چار سالہ مدت میں پیش آتے رہے۔[1]

نوچندی کی حاضری پر اصرار کا قصہ سب سے آخر میں پیش آیا۔ قطب الدین نے بھرے دربار میں اعلان کیا کہ: "اگر در غرۂ ماہ آئندہ نیامد بیارم چنانکہ دانم"۔ گویا کہ یہ اسکی دھمکی تھی کہ بزور حکومت دربار میں گھسٹوا کر بلواؤں گا۔ شاید قتل ہی کا ارادہ ہو۔ سلطان جی کو بادشاہ کے اس عزم مصمم کی خبر پہنچی۔ سلطان المشائخ ہیچ نگفت۔ اب مہینہ ایک ایک دن کر کے ختم ہوتا جا رہا تھا۔ "ہر چند ماہ نزدیک رسید التفات مخلصاں را روئے بتیتری می داد" (مہینہ جتنا نزدیک آ رہا تھا اہل تعلق کا فکر و تردد بڑھتا جا رہا تھا) چاند مغرب کے بعد دیکھا گیا، کل پہلی تاریخ ہے، شہر کے اعیان و امرار دربار میں جائیں گے، لیکن سلطان المشائخ یہی طے کئے ہوئے ہیں کہ میں نہیں جاؤں گا۔ قطب الدین یہ فیصلہ کئے ہوئے ہے کہ :۔ اگر نیامد بیارم چنانکہ دانم "۔ "صرف شب درمیان است"۔ دلی میں کھلبلی مچی ہوئی ہے، دُنیا اور دین کے دو بادشاہوں کا کل معرکہ ہے۔ رات گذرنے بھی نہ پائی کہ :۔ ہم دریں شب ماہ بلائے از آسمان بر جان پادشاہ نازل شد" (اسی شب ماہ میں بادشاہ کی جان پر آفتِ آسمانی نازل ہوئی) یعنی "خسرو خاں موئے سر سلطان را گرفت و باہم در آویختند پہلوئے سلطان را بہ خنجر شگافتہ بر زمین انداخت و سر آں مشئوم را از تن جدا کردہ از بام ہزار ستون بزیر افگند" (طباطبائی) خسرو خاں نے بادشاہ کے سر کے بال پکڑے، دونوں باہم دست و گریبان ہوئے۔ خسرو خاں نے سلطان کے پہلو کو خنجر سے چیر کر زمین پر ڈال دیا اور اس شامت زدہ کا سر تن سے جدا

---

[1] نظام تعلیم صہ ۲۲

کرکے بامِ ہزار ستون سے نیچے زمین پر پھینک دیا[1]"۔

غیبی لنگر اسی زمانہ میں جب سلطان قطب الدین کی طرف سے اس بات کی خاص روک تھام تھی کہ امراءِ دربار اور اعیانِ سلطنت کی طرف سے حضرت خواجہ کی خدمت میں کوئی نذر پیشکش نہ ہونے پائے، تاکہ دیکھا جائے کہ یہ شاہانہ لنگرخانہ کس طرح چلتا ہے، آپنے خاص طور پر تاکید فرما رکھی تھی کہ اس زمانہ میں کھانا زیادہ پکایا جائے اور دسترخوان وسیع سے وسیع تر کردیا جائے۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ نے فرمایا:۔

"ایک بار سلطان قطب الدین کو کسی بدخواہ نے کہا کہ شیخ ہماری فتوحات قبول نہیں کرتے اور امراء و سرداروں کی لائی ہوئی فتوحات قبول کرتے ہیں، آخر وہ سب بھی تو آپ ہی کے یہاں سے لے جاتے ہیں۔ سلطان قطب الدین نے یہ بات سچ جان کر حکم کیا کہ:۔ کوئی امیر یا

---

[1] نظام تعلیم وتربیت صفحہ ۳۳ سیر الاولیاء میں یہ واقعہ منقول ہے۔ مگر تاریخ و ماہ و سنہ درج نہیں صفحہ ۱۵ وصفحہ ۱۵۱ تاریخ فرشتہ جلد اول میں بضمن تذکرۂ سلطان قطب الدین، سلطان کے قتل کی تاریخ شب پنجم ربیع الاول ۷۲۱ھ مذکور ہے جسکے ساتھ نوحیندی کے سلام کی روایت اور چاندرات میں بادشاہ کے قتل کا واقعہ میل نہیں کھاتا (صفحہ ۱۲۲)۔ پھر اسی کتاب کی جلد دوم میں جہاں حضرت سلطان المشائخ کا تذکرہ ہے وہاں سلطان کے قتل کی تاریخ ۲۹ شوال لکھی ہے اور سنہ کا تذکرہ نہیں (صفحہ ۴۰۰ وصفحہ ۴۱۷ جلد ۲) لیکن اس سلسلہ میں سب سے قدیم تر اور قابل اعتماد ماخذ امیر خسروؒ کی مثنوی "تغلق نامہ" ہے، جو سلطان غیاث الدین تغلق کے عہد کی تصنیف وامیرؒ کی مستند او مشہور مثنوی ہے۔ اس میں انھوں نے نہایت صراحت سے لکھا ہے کہ:۔ قطب الدین کا قتل جمادی الثانی ۷۲۰ھ کی عین چاندرات کو واقع ہوا۔ وہ فرماتے ہیں ؎

چوں تاریخ عرب شد ہفتصد و بیست ثباتِ قطب شد کم جانب زیست

جمادِ دومیں را شد پدیدار ہلالِ تیرہ و تاریک دیدار

مہ باریک بود از حالت تلخ بناخن کردہ خود را پیش از اں سلخ

شد آں مہ بہ ہمہ گیہاں مبارک مگر بر طالعِ سلطاں مبارک

(تغلق نامہ صفحہ ۱۹ طبع حیدرآباد)

ان اشعار سے تاریخ کا بھی صحیح تعین ہو گیا اور واقعہ کی نوعیت و اہمیت کی بھی تصدیق ہو گئی۔ ۱۲

سردار شیخ کے یہاں نہ جاوے، دیکھو وہ اس قدر دعوت لوگوں کی کہاں سے کرتے ہیں اور جاسوس مقرر کئے کہ دیکھتے رہیں جو امیر وہاں جاوے مجھے آکر اطلاع کریں۔ جناب شیخ نے سنا فرمایا: کھانا آج سے زیادہ پکایا جاوے۔ ایک مدت بعد سلطان نے لوگوں سے دریافت کیا کہ خانقاہ شیخ کا کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کی کہ سابق جسقدر پکتا تھا اب اس سے دوگنا پکتا ہے بادشاہ یہ سنکر پشیمان ہوا کہا میں غلطی پر تھا، آپ کا معاملہ عالم غیب سے ہے[1]۔

غیاث الدین تغلق کا عہد اور سرکاری مجلس مناظرہ

قطب الدین مبارک شاہ کے بعد چند مہینے خسرو خاں نے غاصبانہ سلطنت کی اور شعائر اسلام کو سرنگوں کرکے اسلام کی تذلیل کی۔ ۷۲۱ھ میں غیاث الدین تغلق (ملک غازی) نے خسرو خاں کو قتل کرکے تغلق خاندان کی سلطنت کی بنیاد ڈالی۔ سلطان غیاث الدین اگرچہ صاحب علم نہ تھا لیکن شریعت اور علماء کا احترام کیا کرتا تھا۔ حضرت خواجہ سماع سنتے تھے انکی وجہ سے دہلی میں اس کا عام ذوق اور رواج ہوگیا تھا۔ ایک شخص شیخ زادہ حسام الدین فرجام نامی جو ایک عرصہ تک حضرت خواجہ کے سایۂ عاطفت میں رہا تھا اور باوجود مجاہدوں کے ذوق و شوق اور عشق کی دولت سے فیضیاب نہیں ہوسکا تھا، نیز قاضی جلال الدین الولوالجی نائب حاکم مملکت کو بھی اہل درد و محبت سے ایک طرح کی کد تھی۔ قاضی صاحب اور دوسرے علماء نے شیخ زادہ حسام کو آمادہ کیا اور اس نے بادشاہ کو متوجہ کیا کہ خواجہ نظام الدین مقتدائے زمانہ ہیں اور وہ سماع سنتے ہیں جو امام اعظم[2] کے مذہب میں حرام ہے اور ان کی وجہ سے ہزارہا مخلوق اس فعل ممنوع کا ارتکاب کرتی ہے، سلطان اس مسئلہ سے بے خبر تھا، اسکو تعجب ہوا کہ ایسے بزرگ جو مقتدائے عالم ہیں

---

[1] خیر المجالس، ماخوذ از ترجمہ ص ۲۰۳ [2] سماع کی حقیقت، اغراض و مقاصد اور اسکے آداب و احکام کی بحث چوتھے باب "اذواق و کیفیات" میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

ایسا نامشروع کام کیسے کرتے ہیں۔ لوگوں نے سماع کی حلت کے فتوے اور کتب شرعیہ کی روایات بادشاہ کے سامنے پیش کیں، بادشاہ نے کہا کہ چونکہ علمائے دین نے سماع کی حرمت کا فتویٰ دیا ہے اور وہ اسکو منع کرتے ہیں اسلئے حضرت خواجہ اور تمام علمار شہر اور صدور و اکابر کو طلب کیا جائے اور ایک مجلس منعقد کی جائے تاکہ یہ تحقیق ہو جائے کہ حق کیا ہے۔ میر خورد کی زبان سے اسکی تفصیل سنئے:۔

"قصر شاہی میں حضرت خواجہؒ کی طلبی ہوئی۔ حضرت خواجہؒ قاضی محی الدین کاشانی اور مولانا فخر الدین زرادی کی معیت میں کہ دونوں سر آمد علماء اور اساتذۂ وقت تھے محل میں تشریف لے گئے۔ پہلے قاضی جلال الدین نائب حاکم نے حضرت خواجہؒ کو وعظ و نصیحت شروع کی اور نامناسب طریقے پر آپ سے خطاب کیا، یہاں تک کہا اگر اسکے بعد آپ نے سماع کی حلت کا دعویٰ کیا اور سماع سنا تو میں حاکم شرع ہوں، میں آپ کو سزا دوں گا۔ یہ سنکر حضرت خواجہؒ کو جلال آگیا اور فرمایا کہ:۔ جس منصب کے بھروسہ پر تم یہ بات کہہ رہے ہو اس سے معزول ہو جاؤ گے۔ چنانچہ ٹھیک بارہ روز بعد قاضی اپنے منصب سے معزول ہو کر دہلی سے روانہ ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ اس مجلس مباحثہ میں تمام علمار و اکابر صدور و امراء اور ارکانِ سلطنت حاضر تھے بادشاہ اور سب حاضرینِ مجلس کی توجہ حضرت خواجہ کی طرف تھی اور سب آپ کی تعظیم کرتے تھے۔ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ آپ کی مجلس میں سماع ہوتا ہے، لوگ رقص کرتے ہیں، آہ و نعرہ لگاتے ہیں، اسی طرح اور بہت سی باتیں کہیں، حضرت خواجہ نے شیخ زادہ کی طرف دیکھا اور فرمایا، شور مت کرو، زیادہ بولنے کی ضرورت نہیں پہلے یہ بتلاؤ سماع کی تعریف کیا ہے؟ شیخ زادہ حسام نے کہا کہ میں نہیں جانتا، البتہ اتنا جانتا ہوں کہ علماء سماع کو حرام کہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ: جب

تم کو سماع کے معنی ہی نہیں معلوم تو مجھے تم سے کچھ کہنا نہیں ہے اور نہ کہنا چاہیئے
شیخ زادہ حسام شرمندہ ہوا، بادشاہ پوری توجہ سے آپ کی تقریر سن رہا تھا، جب
کوئی زور سے بات کرتا تو کہتا کہ شور مت کرو، سنو کہ شیخ کیا فرماتے ہیں۔ ــــ
حاضر الوقت علماء میں مولانا حمید الدین اور مولانا شہاب الدین ملتانی خاموش تھے
مولانا حمید الدین نے اتنا فرمایا کہ یہ مدعی حضرت خواجہ کی مجلس کا جو حال بیان
کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے اور بہت سے مشائخ اور
درویشوں کو بھی میں نے دیکھا ہے ــــ اسی دوران میں شیخ الاسلام شیخ
بہاء الدین زکریا ملتانیؒ کے نواسے مولانا علم الدین آ گئے۔ بادشاہ نے ان سے کہا
کہ آپ بھی عالم ہیں اور سیّاح بھی، اس وقت سماع کی بحث درپیش ہے، میں
آپ سے پوچھتا ہوں کہ سماع سننا حرام ہے یا حلال؟ مولانا علم الدین نے کہا کہ
میں نے اس باب میں ایک رسالہ تصنیف کیا ہے، اس میں اس کی حرمت و حلت
کے دلائل نقل کئے ہیں۔ تحقیق یہ ہے کہ جو دل سے سنتے ہیں ان کے لئے حلال ہے
اور جو نفس سے سنتے ہیں ان کے لئے حرام۔ اس کے بعد بادشاہ نے مولانا علم الدین
سے پوچھا کہ آپ بغداد و شام و روم ہر جگہ پھر چکے ہیں، وہاں کے مشائخ سماع سنتے
ہیں یا نہیں، اور وہاں کوئی منع کرتا ہے؟ مولانا علم الدین نے فرمایا کہ:۔ ان سب
شہروں میں بزرگ و مشائخ سماع سنتے ہیں اور بعض دف و شبانہ کے ساتھ بھی
کوئی مانع نہیں ہوتا اور سماع مشائخ کے درمیان حضرت جنیدؒ و شبلیؒ کے وقت
سے مروّج چلا آ رہا ہے، بادشاہ مولانا علم الدین کی زبان سے یہ سن کر خاموش
ہو گیا اور اس نے کچھ نہیں کہا۔ مولانا جلال الدین نے عرض کیا کہ بادشاہ

سماع کی حرمت کا فرمان صادر کریں اور امام اعظمؒ کے مذہب کی پاسداری فرمائیں۔ اس پر حضرت خواجہؒ نے بادشاہ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ آپ اس بارے میں کوئی فرمان جاری نہ کریں، بادشاہ نے آپ کا یہ مشورہ قبول کیا اور اس بارے میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کیا۔ مولانا فخرالدین (جو مجلس میں حاضر تھے) کا بیان ہے کہ ابتدائے چاشت سے زوال تک یہ بحث جاری رہی، اہلِ مجلس تحریم کی کوئی دلیل نہیں دے سکے اور آخر میں اس پہ بحث آکر ختم ہوگئی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے یا اس کا فعل۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے فیصلہ کیا کہ حضرت خواجہؒ سماع سن سکتے ہیں اور کسی کو ان کے منع کرنے کی اجازت نہیں، لیکن یہ روایت مرجوح ہے۔۔۔ انھیں دنوں میں کسی نے حضرت خواجہؒ سے کہا کہ اب تو سماع کے لئے فرمان سلطانی ہوگیا ہے کہ آپ جس وقت چاہیں سماع سنیں وہ حلال ہے۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ اگر وہ حرام ہے تو کسی کے کہنے سے حلال نہیں ہوسکتا اور اگر حلال ہے تو کسی کے کہنے سے حرام نہیں ہوسکتا۔ مجلس کے اختتام پر بادشاہ نے خواجہ کو بڑی تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا[1]۔"

مجلس مناظرہ کا حال حضرت خواجہ کی زبان سے

قاضی ضیاء الدین برنی اپنی کتاب "حسرت نامہ" میں لکھتے ہیں کہ:۔ جب حضرت خواجہ اس مجلس سے فارغ ہوکر مکان پر تشریف لائے تو آپنے نماز ظہر کے وقت مولانا محی الدین کاشانی

---

[1] سیر الاولیاء باختصار ص ۵۲۷ تا ص ۵۳۲

اور امیر خسرو کو طلب فرمایا، ارشاد ہوا کہ دہلی کے علماء عداوت و حسد سے بھرے ہوئے تھے، انھوں نے وسیع میدان پایا، اور دشمنی کی بہت سی باتیں کیں، عجائب بات یہ دیکھی کہ صحیح احادیث نبویہ کا سننا ان کو گوارا نہیں، ان کے جواب میں یہی کہتے تھے کہ ہمارے شہر میں فقہ پر عمل حدیث پر مقدم ہے، یہ باتیں وہی کہہ سکتے ہیں جن کا احادیث نبویہ پر اعتقاد نہ ہو، میں جب کوئی حدیث صحیح پڑھتا تو وہ ناراض ہوتے اور کہتے تھے کہ اس حدیث سے امام شافعی استدلال کرتے ہیں اور وہ ہمارے علماء کے دشمن ہیں، ہم نہیں سنیں گے، معلوم نہیں کہ یہ با اعتقاد ہیں یا نہیں، اولوالامر کے سامنے ایسی زبردستی سے کام لیتے تھے، اور احادیث صحیح کو روکتے تھے، میں نے کوئی عالم ایسا دیکھا نہ سنا کہ اسکے سامنے احادیث صحیحہ پڑھی جائیں اور وہ کہے کہ میں نہیں سنتا، میں نہیں سمجھتا کہ یہ کیا قصہ ہے اور وہ شہر جہاں ایسی جرأت اور زبردستی کی جاتی ہے وہ کیسے آباد رہ سکتا ہے، تعجب نہیں کہ اگر اس کی اینٹ سے اینٹ بج جائے اس کے بعد بادشاہ اور امراء اور عوام جب قاضی شہر اور علماء شہر سے یہ سنیں گے کہ اس شہر میں حدیث پر عمل نہیں ہوتا تو ان کا حدیث نبوی پر اعتقاد کیسے رہیگا۔ مجھے ڈر ہے کہ علماء شہر کی اس بدعقیدگی کی نحوست سے آسمان سے بلا و جلاء و قحط و وبا نہ برسے[1]

دہلی کی تباہی اس واقعہ کے ٹھیک چھٹے سال حضرت خواجہ کی وفات کے بعد سلطان غیاث الدین تغلق کے فرزند اور جانشین محمد تغلق نے دلی کو بالکل خالی کر دینے اور دیوگیر (دولت آباد) منتقل ہو جانے کا فرمان جاری کیا اور اس میں ایسی ضد اور عجلت سے کام لیا کہ حقیقتاً شہر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور دلی سا گلزار و آباد شہر جس میں پہلے رہنے کو جگہ نہیں ملتی تھی ایسا خالی ہوا کہ سوائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے وہاں کسی متنفس کی شکل نظر نہیں آتی تھی۔

محمد قاسم تاریخ فرشتہ میں لکھتا ہے:۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۲۷، ص ۵۳۲

احدے از مردم دہلی را کہ بآب و ہوائے	کارپردازن حکومت نے کسی ایک شخص کو
آں جا خوگرفتہ بودند، بحال خود	بھی جو دہلی کی آب و ہوا کا خوگر تھا اپنی
نگذاشتہ طراً بدولت آباد فرستاد	جگہ نہیں چھوڑا، سب کو کابتہً دولت آباد
و دہلی بنوعے ویراں گشت کہ آواز	(دیوگیر) بھیج دیا اور دہلی اس طرح ویران
ہیچ تنفس بجز شغال و روباہ جانوران	ہوئی کہ کسی ایک جاندار کی آواز بھی سوائے گیدڑ
صحرائی بگوش نمی رسید[1]	لومڑی اور جنگلی جانوروں کے کان میں نہیں آتی تھی

وہ تمام علماء جو اس مجلس میں موجود تھے اور دوسرے بھی ان کی بدولت دولت آباد جلاوطن ہوئے، دولت آباد پہنچے تو وہاں سخت قحط اور وبا کا سامنا کرنا پڑا، ہزاروں راستہ میں لقمۂ اجل بن گئے اور ہزاروں وہاں پہنچ کر قحط اور بیماریوں کا شکار ہوئے اور حضرت خواجہؒ کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

نظام الاوقات

امیر خورد نے حضرت خواجہ کا نظام الاوقات اس طرح لکھا ہے:۔
"روزہ افطار کرنے کے بعد (جو اہل جماعت کے ساتھ ہوتا تھا) اپنے بالاخانہ کے قیامگاہ پر تشریف لے جاتے تھے۔ احباب و خدام جو شہر اور اطراف سے آئے ہوتے تھے مغرب و عشاء کے درمیان اوپر ہی بلا لئے جاتے تھے۔ ایک گھڑی وہاں ہم نشینی اور ملاقات کا شرف حاصل ہوتا، ہر قسم کے تر و خشک میوے اور کھانے پینے کی لطیف و لذیذ چیزیں حاضر کی جاتی تھیں، حاضرین مجلس تناول کرتے، آپ ہر ایک کی دلداری فرماتے اور خیریت و حالات دریافت فرماتے"[2]

امیر خسرو کی خصوصیت

عشاء کی نماز پڑھنے کے لئے پھر نیچے تشریف لاتے، جماعت کے ساتھ نماز پڑھ کر پھر بالاخانہ پر تشریف لیجاتے، کچھ دیر مشغول

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اوّل) ص۲۴۳ [2] سیر الاولیاء ص۱۲۵

رہتے پھر آرام کرنے کے لئے چارپائی پر تشریف لیجاتے، اس وقت خدام تسبیح لاکر آپ کے ہاتھ میں دیتے، اس وقت سوائے امیر خسرو کے کسی کو آنے کی ہمت نہ ہوتی تھی، وہ سامنے بیٹھ کر ہر طرح کے قصے اور باتیں کرتے، آپ پسندیدگی میں سر مبارک کو حرکت دیتے، وقتاً فوقتاً ارشاد ہوتا کہ ترک کیا خبر ہے؟ امیر خسرو اتنی بات سنکر طویل گفتگو کا موقع نکال لیتے، اگر آپ ایک نکتہ پوچھتے تو وہ ساری داستان سناتے،[1] اس موقع پر بعض کم سن اعزہ اور بعض پروردہ جو صاحب خانہ تھے حاضر ہوتے اور قدمبوسی کرتے۔ ؎

نخفت خسرو مسکیں ازیں ہوس شبہا
کہ دیدہ برکفِ پایت نہد بخواب شود

شب کی تیاری جب امیر خسرو اور صاحبزادگان اجازت لیکر رخصت ہوتے تو اقبال خادم آتے اور پانی کے بھرے ہوئے چند آفتابے آپ کے وضو کیلئے رکھ کر باہر چلے جاتے، اس کے بعد حضرت خواجہ خود اٹھتے اور دروازہ کو زنجیر لگاتے، پھر وہاں کی خبر اللہ کے سوا کسی کو نہیں، خدا ہی جانتا ہے کہ تمام رات کیا راز و نیاز ہوتے اور اپنے مالک سے کیا ذوق و شوق کی

---

[1] امیر خسرو کو حضرت خواجہؒ سے جو والہانہ و عاشقانہ تعلق تھا وہ انکے سوانح اور دیوان سے معلوم ہوتا ہے، بلبل کو گل سے اور پروانہ کو شمع سے جو تعلق ہوتا ہے، اسی طرح کا تعلق امیر خسرو کو اپنے مرشد سے تھا، حضرت خواجہ کو بھی اس عاشق صادق سے ایسا تعلق تھا کہ فرماتے تھے کہ: "من از ہمہ تنگ آیم و از تو تنگ نیایم"، مجھے بعض اوقات ہر ایک سے وحشت ہونے لگتی ہے لیکن اس حالت میں بھی تم سے نہیں ہوتی مزید برآں ایک بار فرمایا:۔ "از ہمہ کس تنگ آیم تا حدے کہ از خود تنگ آیم و از تو تنگ نیایم" بعض اوقات اپنے سے بھی اکتانے لگتا ہوں مگر تم سے نہیں اکتاتا (سیر الاولیاء ص۳۰۲) ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ آپ امیر خسرو کو جس نظر سے دیکھتے ہیں ایک بار وہ نظر مجھ پر ڈال دیجئے، میں نے اس کو تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن میرے دل میں آیا کہ اس سے کہوں کہ وہ قابلیت تو لاؤ (ص۳۰۲) ۱۲

[2] بجز فے می تواں گفتن تمنائے جہانے را   من از شوق حضوری طول دادم داستانے را

باتیں ہوتیں۔ حضرت خواجہؒ کے ہاتھ کے لکھے ہوئے یہ دو شعر دیکھے ہیں جو بالکل حسب حال ہیں۔ ؎

تنہا منم و شب و چراغی　　　مونس شدہ تا پگاہ روزم

کاہش ز آہ سرد بکشتم　　　گاہ از تف سینہ بر فروزم

کبھی کبھی یہ شعر بھی آپ کی زبانِ مبارک سے سنا گیا ہے اور حکایتِ حال ہے۔ ؎

بارے بہ تماشائے من و شمع بیا

کز من دمکے نماند و از وے دودے

سحری

سحر کا وقت ہوتا تو خادم آتا اور باہر سے دروازہ پر دستک دیتا، حضرت خواجہ دروازہ کھول دیتے سحری جس میں ہر قسم کی چیزیں ہوتیں سامنے رکھتا، آپ اس میں سے بہت کم تناول فرماتے، باقی کیلئے ارشاد ہوتا کہ بچوں کے لئے حفاظت سے رکھ لو۔ خواجہ عبدالرحیم جن کے ذمہ سحر کا لے جانا تھا بیان کرتے ہیں کہ اکثر ہوتا کہ حضرت خواجہ سحری میں سے کچھ نہ کھاتے، میں عرض کرتا کہ حضرت افطار کے وقت بھی بہت کم کھاتے ہیں اگر سحری بھی کچھ نہ کریں گے تو ضعف بہت بڑھ جائیگا، اس پر گریہ فرماتے اور کہتے کہ کتنے غریب اور بیکس مسجدوں کے کونوں اور چبوتروں پر بھوکے پڑے ہوئے ہیں اور فاقہ سے رات گذار دیتے ہیں، یہ کھانا میرے حلق سے کیسے اتر سکتا ہے چنانچہ اکثر ایسا ہوتا کہ سحری میں جیسی لاتا ویسی ہی اٹھا کر لے جاتا۔

صبح کے وقت

جب دن ہوتا جس کی جمال مبارک پر نظر پڑتی دیکھتا کہ کھلی ہوئی مستی ہے اور آنکھیں بیداری سے سرخ ہیں، ایسے شدید مجاہدوں سے بھی آپ کے اندر کوئی ضعف نظر نہ آتا اور آپ کی کسی ہیئت میں جو آپ کی معمول تھی تغیر نہ ہوتا۔ کوئی کہہ نہیں سکتا تھا کہ آپ چار سو یا پانچ سو رکعت نماز پڑھتے ہیں یا اتنی تسبیح کا معمول ہے۔ عمر عزیز ان باطنی مشغولیتوں میں گذرتی جن کا حال اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اور دلجوئی اور قلوب کے تفقد و دریافت میں مشغول رہتے، جس سے افضل کوئی کام نہیں۔ ع

"دل بدست آور کہ حج اکبراست"

دن میں دن میں تمام روز اپنے مشائخ کے سجادہ پر قبلہ رو باطنی طور پر مشغول، مُتَوَجِّہًا اِلَی اللہ تعالیٰ کَاَنَّہٗ یَنْظُرُ اِلَیْہِ (اللہ کی طرف متوجہ ہو کر گویا وہ روبرو ہے) بیٹھ کر گذار دیتے۔ آنے والوں میں مختلف طبقوں کے لوگ ہوتے، علماء و مشائخ، صدور و اکابر، وضیع و شریف ہر ایک کے علم و مرتبہ کے مطابق جس کا جو فن ہوتا اسی میں اس سے گفتگو کرتے اور اس کی دلجوئی فرماتے ظاہری طور پر ان میں مشغول ہوتے اور باطن میں پورے طور پر مشغول بحق ہوتے[۱]

دلداری و تربیت نماز ظہر کا وقت ہوتا، نماز ادا کرنے کے بعد جو عزیز قدم بوسی کے لئے آئے ہوئے ہوتے ان کو طلب فرمایا جاتا اور ان سے گفتگو و دلداری میں کچھ وقت گذرتا۔ عبادات و سلوک و محبت الٰہی کے بارے میں ان کی رہنمائی کی جاتی، اکابر علماء و صلحار کی (جو اس مجلس میں حاضر ہوتے) ہمت نہ ہوتی کہ سر اٹھا کر چہرۂ مبارک کو دیکھتے، ایسا رعب اور من جانب اللہ عظمت تھی کہ آپ کے چہرے پر نظر کرنا مشکل تھا۔

قربِ سفر عمر مبارک جب اسی ۸۰ سے متجاوز ہوئی تو سفر آخرت کے آثار نمایاں ہوئے ایک روز ارشاد فرمایا کہ:- میں نے خواب میں حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ارشاد ہوا:- نظام ہم کو تمھارا بڑا اشتیاق ہے[۲]۔

خلفائے کبار کو اجازت نامے اور ان کی محبت و مواخات بیماری کے دوران میں آپ نے متعدد حضرات کو خلافت عطا فرمائی اور اجازت نامے لکھ کر دیئے۔ مولانا فخر الدین زرادی نے

---

[۱] سیر الاولیا دص ۱۲۵ و ص ۱۲۹ [۲] ایضاً ص ۱۴۱

ان کا مضمون مرتب کیا، اور سید حسین کرمانی نے ان کی کتابت کی، آپ نے ان پر اپنے دستخط مبارک ثبت کئے، دستخط کے الفاظ یہ تھے :۔" من الفقیر محمد بن احمد بن علی البدائونی البخاری" ان اجازت ناموں پر ۲۰ ذی الحجہ ۷۲۴ھ درج ہے، گویا یہ وفات سے تین مہینے ۲۷ دن پہلے لکھے گئے ہیں۔[1]

جن حضرات کیلئے یہ اجازت نامے تھے ان کو جہاں جہاں وہ تھے پہنچا دیئے گئے، جو حضرات موجود تھے ان کو بلا کر خود عطا کئے گئے۔ پہلے شیخ قطب الدین منور کی طلبی ہوئی، سلطان المشائخ نے خلعت خلافت عطا فرمایا اور وصیت فرمائی، اجازت نامہ ان کو مرحمت ہوا اور ارشاد ہوا کہ جاؤ دوگانہ ادا کرو۔ دوستوں نے مبارکباد دی، اسی دوران میں شیخ نصیر الدین محمود (چراغ دہلی) کو یاد فرمایا گیا، ان کو بھی خرقہ خلافت اور اجازت نامہ عطا ہوا اور وصیت فرمائی گئی۔ شیخ نصیر الدین محمود ابھی کھڑے ہوئے تھے کہ شیخ قطب الدین منور کی دوبارہ طلبی ہوئی، وہ آئے تو ارشاد ہوا کہ شیخ نصیر الدین محمود کو خلافت کی مبارکباد دو، پھر شیخ نصیر الدین سے ارشاد ہوا کہ شیخ منور کو مبارکباد دو، دونوں نے ایک دوسرے کو مبارکباد دی، پھر دونوں کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے کا حکم ہوا، پھر فرمایا کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو، تقدیم و تاخیر کا کچھ خیال نہ کرنا۔[2]

وفات کا حال

وفات سے ۴۰ روز پیشتر استغراق و تحیر کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ امیر خورد نے تفصیل سے وفات کا حال لکھا ہے، ان کا بیان ہے :۔

"جمعہ کا دن تھا، سلطان المشائخ پر ایک کیفیت تھی، نور تجلی سے ان کا باطن منور معلوم ہو رہا تھا، نماز کے اندر بار بار سجدے فرماتے تھے۔ اسی حالت تحیر میں مکان تشریف لائے، گریہ میں ترقی ہو گئی۔

---

[1] حضرت خواجہ کی وفات ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو ہوئی

[2] سیر الاولیاء، صفحہ ۲۳۰ و صفحہ ۲۲۱ و صفحہ ۲۲۲ و صفحہ ۲۴۸ و صفحہ ۲۴۹

روزانہ کئی کئی بار غیبوبت و استغراق ہوجاتا تھا، پھر توجہ ہوجاتی تھی، یہی فرماتے تھے کہ آج جمعہ کا دن ہے؟ دوست کو دوست کا وعدہ یاد آتا ہے اور وہ اس کیفیت میں غرق ہوجاتا ہے۔ اس حالت میں دریافت فرماتے کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے اور میں نماز پڑھ چکا ہوں؟ اگر جواب دیا جاتا کہ آپ نماز پڑھ چکے ہیں تو فرماتے کہ پھر پڑھ لیں، ہر نماز کو مکرّر ادا کرتے جتنے دن اس عالم میں رہے یہ دو باتیں مکرّر فرماتے:۔ آج جمعہ کا دن ہے؟ ہم نماز پڑھ چکے ہیں؟ اور کبھی یہ مصرع پڑھتے۔

ع "می رویم و می رویم و می رویم"

اسی دوران میں ایک روز تمام خدام و مریدین کو جو حاضر تھے طلب فرمایا اور ان کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ:۔ "تم گواہ رہنا کہ اگر اقبال (خادم) نے کوئی چیز بھی گھر میں جنس میں سے بچالی ہے تو کل روز قیامت اسکو خدا کے سامنے جواب دینا ہوگا"۔ اقبال (خادم) نے عرض کیا کہ میں نے کچھ نہیں چھوڑا ہے، سب آپ پر صدقہ کر دیا ہے۔ واقعی اس جوانمرد نے ایسا ہی کیا تھا، سوائے اس غلّہ کے جو چند دن کے لئے فقرائے خانقاہ کو کفایت کرتا سب کچھ تقسیم کر دیا تھا۔ میرے چچا سید حسین نے اطلاع دی کہ غلّہ کے سوا ہر چیز محتاجوں کو پہنچ گئی۔ سلطان المشائخ اقبال سے ناراض ہوئے انکو طلب کیا اور فرمایا کہ اس مُردارپت کو کیوں رکھ چھوڑا ہے؟ اقبال نے عرض کیا کہ غلّہ کے سوا جو کچھ موجود تھا سب کچھ تقسیم ہوگیا۔ آپ نے فرمایا کہ خلقت کو بلاؤ۔ جب لوگ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ غلّہ کے انبار خانے توڑ ڈالو اور تمام غلّہ بے تکلّف اٹھالے جاؤ اور وہاں جھاڑو دے دو۔ ذرا سی دیر میں خلقت جمع ہوگئی اور اسنے غلّہ کو لوٹ لیا۔

اس بیماری میں کچھ احباب اور خدمتگار حاضر ہوئے اور انھوں نے پوچھا کہ:۔ آں مخدوم کے بعد ہم مسکینوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا کہ: یہاں اتنا ملتا رہے گا جس سے تمہارا گذر ہوجائے۔ میں نے بعض معتبر مشائخ سے سنا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے درمیان کون نصیب ور ہوگا؟[1] فرمایا: جس کی قسمت یاوری کریگی۔ بعض دوستوں اور خادموں نے میرے نانا شمس الدین دامغانی سے عرض کیا کہ وہ سلطان المشائخ سے پوچھیں کہ ہر شخص نے اپنے

---

[1] غالباً جانشینی وخلافت کے متعلق سوال تھا۔ ۱۲

اعتقاد کے مطابق آپ کے احاطہ میں بلند بلند عمارتیں بنائی ہیں اور سب کی نیت یہ ہے کہ آپ اُس کی عمارت میں آرام فرمائیں، اگر وہ ناگزیر وقت آگیا تو آپ کو کس عمارت میں دفن کریں تاکہ کوئی خود رائی سے کام نہ کرے۔ مولانا شمس الدین نے یہ پیغام پہنچایا تو ارشاد ہوا کہ:۔ میں کسی عمارت کے نیچے دفن ہونا نہیں چاہتا، میں جنگل میں آسودہ خاک ہوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ کو باہر میدان میں دفن کیا گیا، بعد میں سلطان محمد تغلق نے اس پر گنبد تعمیر کرایا۔

وفات سے ۴۰ روز پہلے سے غذا بالکل ترک فرما دی تھی، کھانے کی خوشبو بھی گوارا نہ تھی، گریہ اس شدت سے غالب تھا کہ ایک گھڑی کیلئے بھی آنسو نہیں تھمتے تھے۔ ؎

گر نہ بینی گریۂ زارم ندانی فرق کرد
کاب چشم است اینکہ پیشت می رود دریا آب جو

اسی درمیان میں اخی مبارک ایک روز مچھلی کا شوربہ لائے۔ مخلصین نے بڑی کوشش کی کہ آپ تھوڑا سا تناول فرمالیں۔ سلطان المشائخ نے پوچھا کہ:۔ یہ کیا ہے؟ عرض کیا گیا کہ:۔ تھوڑا سا مچھلی کا شوربہ ہے۔ فرمایا:۔ بہتے ہوئے پانی میں ڈال دو۔" آپ نے کچھ تناول نہیں فرمایا۔ میرے چچا سید حسین نے عرض کیا کہ کئی دن ہو گئے ہیں کہ آں مخدوم نے کھانا ..... بالکل چھوڑ دیا ہے اس کا کیا نتیجہ ہو گا؟ فرمایا:۔ سید جو حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کا مشتاق ہو اس سے دنیا میں کھانا کیسے کھایا جائے!۔ الغرض ۴۰ روز کی مدت میں جس طرح کھانا تناول نہیں فرمایا۔ اسی طرح بات بھی بہت کم کی۔ آخر چہار شنبہ کے دن تک جس دن آپ کی وفات ہوئی یہی حال رہا۔

۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو طلوع آفتاب کے بعد زہد و عبادت، حقیقت و معرفت، رشد و ہدایت و ارشاد کا یہ آفتاب غروب ہو گیا۔

ا؎ یعنی مدفون ہوں۔ ۱۲

نمازِ جنازہ شیخ الاسلام رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی نماز کے بعد شیخ الاسلام رکن الدین نے فرمایا کہ :-

"مجھے اب معلوم ہوا کہ مجھے ۴ سال تک دہلی میں اسلئے رکھا گیا کہ مجھے اس نمازِ جنازہ کی امامت کا شرف حاصل ہو"۱؎

ساری عمر تجرّد میں گذری اسلئے کوئی اولاد نہیں تھی، روحانی سلسلہ سارے ہندوستان میں پھیلا، اور ابھی تک جاری ہے۔

۱؎ سیر الاولیاء (ص ۱۵۲) تا (ص ۱۵۵)

۳

باب سوم

اخلاق وصفات

جامع اوصاف حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے اوصاف وخصوصیات کا خلاصہ اور ان کا صحیح ترین وجامع ترین تعارف ان الفاظ میں ہے جو عطائے خلافت کے وقت ان کے صاحب نظر شیخ ومرشد (شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ) کی زبان سے نکلے۔ انھوں نے فرمایا:۔

باری تعالیٰ ترا علم وعقل وعشق دادہ است	اللہ تعالیٰ نے تم کو علم، عقل وعشق کی دولت عطا
وہر کہ بدیں صفت موصوف باشد ازو	کی ہے اور جو ان صفات کا جامع ہو وہ
خلافت مشائخ نیکو آید[1]	مشائخ کی خلافت کی ذمہ داریاں خوب ادا کرسکتا ہے

حضرت خواجہؒ کی سیرت اسی جامعیت کا مرقع ہے، یہاں علم، عقل وعشق تینوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں۔ محبت ومعرفت حقیقی اور مشائخ کبار کی تربیت وصحبت جو بہترین اثرات ونتائج پیدا کرتی ہے اور جن کے بہترین مجموعہ کا نام دور آخر میں "تصوف" پڑ گیا ہے، یعنی اخلاص واخلاق اُسکی بہترین نمونہ انکی زندگی میں نظر آتے ہے

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۲۴۸)

اخلاص ان کی زندگی کا بہترین جوہر جس نے ان کو اپنے معاصرین ہی میں نہیں بلکہ مشائخ اسلام میں ایک بلند مقام اور اپنے زمانہ ہی میں نہیں بلکہ تاریخ اسلام کے مختلف ادوار میں قبول عام اور بقائے دوام عطا کیا ہے اور ان کو محبوبیت کے خاص انعام سے نوازا، وہ توحید و اخلاص کی وہ خاص کیفیت اور ذوق ہے جس میں محبت و رضائے الٰہی کے سوا کوئی چیز مطلوب و مقصود نہیں رہی، محبت و یقین کے شعلہ نے ہر طرح کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ حبِّ دنیا، حبِّ جاہ اور اس طرح کی تمام محبتوں اور طلبوں کا استیصالِ کلی ہو چکا تھا ؎

شاد باش اے عشق خود سودائے ما : اے طبیبِ جملہ علت ہائے ما

اے دوائے نخوت و ناموس ما : اے تو افلاطون و جالینوس ما

عشق آں شعلہ است کو چوں بر فروخت : ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

ماند الا اللہ باقی جملہ رفت : شاد باش اے عشق شرکت سوز رفت[1]

امیر حسن علا سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس میں یہ ذکر ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ مسجد میں قیام کرتے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت اور نوافل پڑھتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اگر اپنے گھر ہی رات کو قیام کریں تو کیسا ہے؟ فرمایا: آدمی اپنے گھر میں ایک پارہ پڑھے وہ مسجد میں ایک قرآن ختم کرنے سے بہتر ہے، اس پر یہ ذکر آ گیا کہ گذشتہ زمانے میں، ایک صاحب جامع مسجد دمشق میں رات بھر عبادت میں مشغول رہتے تھے، اس لالچ میں کہ اس کی عام شہرت ہو گی اور شیخ الاسلامی کے عہدے پر جو اس زمانہ میں خالی تھا، ان کا تقرر ہو جائے گا، یہ سنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے فرمایا:۔

بسوزاول شیخ الاسلامی را وپس خانقاہ را : آگ لگاؤ ایسی شیخ الاسلامی کو پھر خانقاہ کو

---

[1] مولانا رومؒ

ولعبہ ازاں خود را[۱] ۔ پھر اپنے کو خاک کر کے رکھ دو

حضرت خواجہؒ کی ساری زندگی اسی "دل سوختگی" اور "خود باختگی" کا نمونہ ہے اور اسی چیز نے ان کی صحبت میں کیمیا اور اکسیر کی خاصیت پیدا کر دی تھی۔ انھیں کے سلسلہ کے ایک سوختہ دل شیخ[۲] (جو نویں صدی میں نظامی سلسلہ کے مقتدیٰ تھے) یہ دو شعر منقول ہیں جو اس صورتِ حال اور جذبہ کی صحیح ترجمانی کرتے ہیں

مارا نہ مرید و زُہد خواں می باید نے زاہد نے حافظِ قرآں می باید

صاحب دردے سوختہ جاں می باید آتش زدہ بہ خانماں می باید

اپنے ہی بارے میں نہیں، اپنے خلفاء اور جانشینوں کے بارے میں بھی (جن سے تہذیب، اخلاق اور تزکیۂ نفس کا کام لینا تھا) اس کا لحاظ فرماتے تھے کہ وہ اخلاص کے اس مقام پر پہنچ گئے ہیں کہ حُبِّ جاہ کا ان کے دل سے خاتمہ ہو چکا ہے۔ مولانا نصیح الدین نے سوال کیا کہ مشائخ کی خلافت کا اہل کون ہوتا ہے؟ فرمایا:۔

"کسے راکہ در خاطر او توقع خلافت نباشد"[۳] وہ شخص جو خلافت کا متوقع اور منتظر بھی نہ ہو۔

صاحب سیرالاولیاء کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو اپنے ایک ممتاز خادم کے متعلق جن کو اجازت دی جا چکی تھی معلوم ہوا کہ وہ کوئی کمبل تہہ کر کے بچھا کر اس پر مشائخ کی طرح بیٹھتے ہیں اور امراء، عوام و خواص ان کی خدمت میں معتقدانہ حاضر ہوتے ہیں، آپ اس سے اتنے آزردہ ہوئے کہ جب وہ آئے تو آپ نے

---

[۱] فوائد الفواد (ص ۲۴)

[۲] حضرت شاہ محمد مینا (محمد بن قطب) لکھنوی (م ۸۷۴ھ)

[۳] سیر الاولیاء (ص ۳۴۵)

ان سے منھ پھیر لیا اور ان کو اجازت سے محروم کر دیا، عرصہ تک ان سے ایسی ہی بے رخی رہی جبتک کہ ان کا عذر ظاہر نہیں ہوا اور انھوں نے معافی نہیں مانگی، ان پر نظر عنایت مبذول نہیں ہوئی۔[1]

دشمن نوازی

اخلاص و فنائیت اور بے نفسی کے اس مقام پر پہنچ کر سالک کے دل سے رنج و شکایت انتقام کا جذبہ اور ایذا کی صلاحیت ہی ختم ہوجاتی ہے، وہ نہ صرف آشنا پرور دوست نواز ہوتا ہے بلکہ دشمن کا احسانمند اور دشمن کے حق میں دعاگو بن جاتا ہے، گویا دشمنی کوئی احسان ہے کوئی نادر تحفہ اور زخم دل کا مرہم ہے جس پر بے اختیار دل سے دعا نکلتی ہے اور منھ سے پھول جھڑتے ہیں۔ امیر علاء سنجری راوی ہیں کہ حضرت نے ایک مرتبہ یہ مصرع پڑھا۔ ع

"ہر کہ مارا رنج دادہ راحتش بسیار باد"

(جو ہم کو رنج دے خدا اس کو بہت راحت پہنچائے)

اسکے بعد یہ شعر ارشاد ہوا ؎

ہر کہ او خارے نہد در راہِ ما از دشمنی
ہر گلِ کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد[2]

سیر العارفین میں ہے کہ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی فرماتے تھے کہ حصار اندر پت میں (جو موضع غیاث پور کے قریب ہے) چھجو نامی ایک شخص تھا جس کو بے وجہ حضرت سے دشمنی تھی، برا بھلا بھی کہتا رہتا تھا اور آپ کو تکلیف و ایذا پہنچانے کی فکر میں رہتا تھا، اس کا انتقال ہوگیا۔ حضرت شیخ نے اسکے جنازے میں شرکت کی، دفن کے بعد اس کی بالیں پر دو رکعت نماز پڑھی اور دعا فرمائی کہ خدایا! اس شخص نے

---

[1] سیر الاولیاء میں اس واقعہ کی تفصیل ہے۔ ۱۲ [2] فوائد الفواد ص۸۶ (ترجمہ) جو ہمارے راستہ میں کانٹے بچھائے اللہ کرے اسکے گلشن حیات میں جو پھول کھلے بے خار رہے۔ ۱۲

جو کچھ کہا ہو یا برا سوچا ہو میں نے اس کو بخش دیا تو میری وجہ سے اس کو سزا نہ دینا[1]۔

ایک مرتبہ حاضرین میں سے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ بعض آدمی جناب والا کو منبر پر اور دوسرے موقعوں پر برا بھلا کہتے ہیں ہم سے سنا نہیں جاتا۔ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ میں نے سب کو معاف کیا تم بھی معاف کرو اور ایسے آدمی سے جھگڑا نہ کرو۔ اسکے بعد آپ نے فرمایا کہ اگر دو آدمیوں کے درمیان رنجش ہو تو اس رنجش کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے باطن کو عداوت سے خالی کرے، دوسرے کی طرف سے بھی آزار کم ہو جائے گا۔ فرمایا کہ: آخر لوگ برا بھلا کہنے سے کیوں رنجیدہ ہوتے ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ مال صوفی سبیل است و خون او مباح" (صوفی کا مال وقف ہے اور اس کا خون روا) جب معاملہ یہ ہے تو کسی برا بھلا کہنے والے سے کیوں جھگڑا کیا جائے؟[2]

ایک دن فرمایا کہ دنیا کا عام اصول تو یہ ہے کہ نیکوں کے ساتھ نیکی اور بدوں کے ساتھ بدی کی جائے، لیکن مردانِ خدا کا اصول یہ ہے کہ بدی کا بدلہ بھی نیکی سے دیا جائے۔ فرمایا:۔

یکے خار نہد و تو ہم خار نہی ایں خار خار باشد ... ... میانِ مردمان ہمچنین است بانغزاں نغزی و باکوزان کوزی، اما میان درویشان ہمچنیں است کہ بانغزاں نغزی باکوزاں ہم نغزی[3]	اگر کوئی کانٹا رکھے اور تم بھی کانٹا رکھ دو تو کانٹے ہی کانٹے جمع ہو جائینگے لوگوں کے درمیان عام اصول یہی ہے کہ سیدھوں کے ساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کیساتھ ٹیڑھا لیکن درویشوں کا اصول یہ ہے کہ سیدھوں کیساتھ سیدھا اور ٹیڑھوں کیساتھ بھی سیدھا۔

حضرت خواجہ کا اس بارے میں معیار اتنا بلند تھا کہ برا کہنا تو بڑی چیز ہے وہ برا چاہنے کو بھی روا نہیں رکھتے تھے، ایک مرتبہ فرمایا:۔

---

[1] سیر العارفین (قلمی) [2] فوائد الفواد ص ۹۵ [3] ایضاً ص ۸۷

بدگفتن اندک است اما بدخواستن — برا کہنا بھی برا ہے لیکن برا چاہنا
ازاں بدتر است۔[1] — اس سے کہیں برا ہے۔

جب یہ معاملہ آپ کا سب کے ساتھ تھا تو اپنے شیخ کے عزیزوں اور تعلق والوں کے ساتھ کیوں نہ ہوتا جن کے احسان سے آپ کا رواں رواں تر تھا۔

سیر العارفین میں ہے کہ حضرت شیخ نجیب الدین متوکل کے نواسے خواجہ عطاء اللہ ایک لا ابالی و بیباک آدمی تھے۔ ایک دن قلم دوات لیکر آئے اور کہا کہ میرے لئے فلاں سردار کو ایک خط لکھ دیجئے تاکہ مجھے وہ کوئی اچھی رقم دیدے۔ شیخ نے فرمایا کہ: نہ میری اس سردار سے کبھی ملاقات ہوئی ہے، نہ وہ کبھی یہاں آیا ہے، جس شخص سے جان پہچان نہ ہو اسکو رقعہ کس طرح لکھا جائے؛ صاحبزادے کو غصّہ آگیا اور انھوں نے سخت سست کہنا شروع کیا کہ ہمارے ہی نانا کے مرید ہو اور ہمارے ہی خاندان کا صدقہ پایا ہے، اب ایسے احسان فراموش ہو گئے ہو کہ میرے لئے ایک رقعہ تم سے نہیں لکھا جاتا، یہ تم نے کیا پیری مریدی کا جال بچھایا ہے اور خلق خدا کو دھوکے دے رہے ہو؛ یہ کہکر دوات زمین پر پٹک دی اور اٹھکر چلے، حضرتؒ نے دامن پکڑ لیا اور فرمایا کہ ناراض ہو کر کیوں جا رہے ہو، خوش ہو کر جاؤ۔ اسکے بعد ایک رقم سامنے رکھی اور رضامند کر کے رخصت کیا۔[2]

پردہ پوشی و نکتہ نوازی سیر الاولیاء میں ہے کہ اکثر معمول تھا کہ جو لوگ باہر سے آتے وہ کوئی شیرینی یا تحفہ خرید کر اپنے ساتھ لاتے اور پیش کرتے۔ ایک مرتبہ کچھ لوگ اسی ارادہ سے آرہے تھے، ایک مولوی صاحب بھی ساتھ تھے، انھوں نے سوچا کہ لوگ مختلف تحائف پیش کرینگے اور وہ اکٹھا حضرت کے سامنے رکھیں گے، خادم سب کو اٹھا کر لے جائے گا، کیا پتہ چلے گا کہ کون لایا؟ انھوں نے تھوڑی سی مٹی راستہ سے اٹھا کر کاغذ میں باندھ لی۔ جب سلطان المشائخ کی خدمت

---

[1] سیر الاولیاء، ص ۵۵۴ [2] سیر العارفین (قلمی)

میں حاضر ہوئے ہر ایک نے اپنی چیز سامنے رکھی، مولوی صاحب نے بھی اپنی پڑیا سامنے رکھدی، خادم وہ سب چیزیں اٹھاکر لے جانے لگا، پڑیا کو بھی اٹھانا چاہا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اس کو یہیں چھوڑ دو، یہ میری آنکھ کا سرمہ ہے۔" یہ اخلاق و عالی ظرفی دیکھ کر ان عالم صاحب نے توبہ کی اور مرید ہوئے۔[1]

شفقت و تعلق

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہؒ کو عام انسانوں اور خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں اور اپنے اہل تعلق کے ساتھ ایسی شفقت و محبت عطا فرمائی تھی جس کو اگر ماں کی شفقت سے تشبیہ یا اس پر بھی ترجیح دی جائے تو واقعات کے لحاظ سے اس میں کوئی مبالغہ اور شاعری نہ ہوگی۔ شیوخ کاملین کی یہ شفقت دراصل نبیؐ کی اس شفقت کی وراثت اور نیابت ہے جس کی حقیقت اس آیت میں بیان کی گئی ہے:۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	اے لوگو! تمہارے پاس ایسا پیغمبر آیا جو تمہاری
عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ	جنس سے ہے جس کو تمہاری تکلیف و مضرت کی بات
بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝	گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کا بڑا خواہشمند رہتا ہے
(التوبہ ع ۱۶)	ایمانداروں کے ساتھ بڑا ہی شفیق و مہربان ہے۔

اور اس حکم کی تعمیل ہے جس کا خطاب رسولؐ سے ہے:۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ	ان لوگوں کے ساتھ فروتنی کے ساتھ پیش آؤ جو
مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (شعراء ع ۱۱)	مسلمانوں میں داخل ہو کر تمہاری راہ پر چلیں۔

اس شفقت اور تعلق نے وہ "اتحاد" پیدا کر دیا تھا کہ دوسروں کی جسمانی اذیت سے اپنے کو جسمانی طور پر اذیت اور دوسروں کی قلبی راحت سے اپنے کو قلبی راحت ملتی تھی۔ امیر حسن علاء سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ مجلس ہو رہی تھی، سایہ میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے بعض لوگ دھوپ میں بیٹھے تھے، آپ نے سایہ میں بیٹھنے والوں سے فرمایا:۔

---

[1] سیر الاولیاء صد ۱۴۲

بھائی ذرا مل کر بیٹھو تاکہ ان بھائیوں کیلئے بھی جگہ ہوجائے، دھوپ میں یہ بیٹھے ہیں اور میں جلا جا رہا ہوں"۔[1]

ایک مرتبہ آپ نے کسی بزرگ کا مقولہ نقل کیا جو درحقیقت اپنے ہی حال کی ترجمانی تھی کہ "خدا کی مخلوق میرے سامنے کھانا کھاتی ہے اور میں اس کھانے کو اپنے حلق میں پاتا ہوں، جیسے وہ کھانا میں ہی کھا رہا ہوں"۔[2]

امیر حسن علاء سنجری فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ بے وقت حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اس طرف عزیزوں سے ملنے آیا ہوا تھا، حاضری کو جی چاہا۔ بعض دوستوں نے کہا کہ اگر کوئی شخص کسی اور کام سے آیا ہو اور شروع سے حاضری کی نیت نہ کی ہو تو شیخ کی خدمت میں نہیں حاضر ہونا چاہیئے۔ میں نے دل میں کہا کہ اگرچہ قاعدہ یہی ہے لیکن دل نہیں مانتا کہ یہاں آکر حضرتؒ کی زیارت کے بغیر واپس چلا جاؤں، میں آج قاعدہ کے خلاف ہی کروں گا۔ حضرتؒ نے فرمایا "اچھا کیا"، پھر یہ شعر پڑھا۔ ؎

در کوئے خرابات وسرائے او باش

معنے نبود بیا و بنشیں و بہ باش

پھر فرمایا کہ مشائخ کا معمول یہی ہے کہ کوئی انکے پاس اشراق سے پہلے اور عصر کی نماز کے بعد نہیں جاتا، لیکن میرے یہاں یہ قاعدہ نہیں جس وقت جس کا جی چاہے آئے"۔[3]

غمخواری عام

یہ اہل قلوب غم دنیا سے فارغ البال لیکن دنیا والوں کے غم اور خلق خدا کی فکروں سے نڈھال اور خستہ حال رہتے ہیں، وہ اپنا غم بھلا دیتے ہیں اور ساری دنیا کا غم اپنا غم بنا لیتے ہیں۔ یہ کہنے کا حق درحقیقت انھیں کو ہے کہ۔ ع

سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے نواسے خواجہ شرف الدین سے کسی مجلس میں کسی صوفی نے کہا کہ خواجہ نظام الدینؒ

---

[1] فوائد الفواد ص۹۱ [2] سیر الاولیاء ص۷۷ [3] فوائد الفواد (ج ۱) ص۹۸

عجیب فارغ البال بزرگ ہیں، مجرد ہیں، اہل و عیال و اطفال کا کوئی تردد ان کو نہیں ہے ان کو ایسا فراغِ خاطر حاصل ہے کہ ایک ذرۂ غم بھی ان کو چھو نہیں گیا ہے۔ وہ عزیز اس مجلس سے اٹھے تو حضرت خواجہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے چاہتے تھے کہ خود اس کا ذکر کریں۔ حضرت خواجہؒ نے خود ہی ارشاد فرمایا:۔

"میاں شرف الدین وہ رنج و غم جو میرے دل کو وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے شاید ہی کسی دوسرے شخص کو اس سے زیادہ ہوتا ہو، جو شخص میرے پاس آتا ہے اپنا حال مجھ سے بیان کرتا ہے اس سے دو چند فکر و تردد اور غم و الم مجھے ہوتا ہے، بڑا سنگدل ہے وہ جس پر اپنے دینی بھائی کا غم اثر نہ کرے، اسکے علاوہ یہ جو کہا گیا ہے:۔

"المخلصون علی خطر عظیم" (مخلصین کو بڑا خطرہ در پیش رہتا ہے)

اس سے بھی سمجھ سکتے ہو، کہ۔ ع

نزدیکاں را بیش بود حیرانی[1]

حضرت خواجہؒ کے نزدیک مسلمان کا دل خوش کرنا اور اس کی دلجوئی و راحت رسانی افضل ترین عمل اور تقرب الی اللہ کا بہترین ذریعہ تھا۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ فرمایا:۔

"مجھے خواب میں ایک کتاب دی گئی اس میں لکھا تھا کہ جہاں تک ہو سکے دلوں کو راحت پہنچاؤ کہ مومن کا دل اسرارِ ربوبیت کا مقام ہے"۔ کسی بزرگ نے خوب کہا ہے۔ ؎

می کوش کہ راحت بجانے برسد   یا دست شکستہ بنانے برسد

(کوشش کرو کہ کسی انسانی جان کو تم سے آرام پہنچے، یا جو دست شکستہ ہو اسکو تمھارے ذریعے روٹی ملے)

---

[1] سیر العارفین (قلمی)

ایک مرتبہ فرمایا، کہ :-

"قیامت کے بازار میں کسی سودے کی اتنی قیمت اور چلن نہ ہوگا جتنا دل کا خیال رکھنے اور دل خوش کرنے کا"[1]

چھوٹوں پر شفقت حضرت خواجہؒ اپنے قیمتی مشاغل اور اعلیٰ کیفیاتِ باطنی کے ساتھ بچوں اور چھوٹوں پر بڑے شفیق تھے، اور وہ اپنی شدید مصروفیات کے باوجود اُن کی دلجوئی و ملاطفت کے لئے وقت نکال لیتے تھے، ان عظیم ذمہ داریوں اور باطنی مشغولیت کے باوجود ان بچوں کی پوری رعایت فرماتے اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا دھیان رکھتے۔

خواجہ رفیع الدین ہارون آپ کے حقیقی بھانجے کے صاحبزادے تھے، اگر کبھی کھانے کے وقت وہ موجود نہ ہوتے، تو اگرچہ بڑے بڑے بزرگ دسترخوان پر بیٹھے ہوتے، لیکن آپ ان صاحبزادے کا انتظار کرتے۔ آپ اپنے بچے کی طرح خلوت و جلوت میں ان کی تربیت و دلداری فرماتے[2]۔

خواجہ رفیع الدین کو تیر و کمان اور پیراکی و کشتی کا بڑا شوق تھا، حضرت سلطان المشائخ بڑی شفقت کے ساتھ ان سے انھیں فنوں کی باتیں کرتے تھے، ان کی ہمت افزائی اور تشویق فرماتے، ان فنوں کی باریکیوں اور نکتوں کی تعلیم دیتے، تاکہ یہ خوش ہوں[3]۔

جو شریف النسب اور ذی استعداد نوجوان اپنے زمانہ کے شوقین لوگوں کے جیسا لباس پہنتے اور ان میں نوجوانی کے تقاضے سے لباس میں تجمل پیدا ہوتا (جس کو بعض سخت گیر ثقاہت و متانت کے خلاف سمجھ کر اعتراض کرتے ہیں) حضرت خواجہؒ ان کی بھی دلجوئی فرماتے، اور اس کو جوانی اور زمانہ کا تقاضا سمجھ کر نظر انداز فرماتے اور اپنے اخلاق و محبت سے ان کی اصلاح و تربیت کی کوشش فرماتے۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۲۸ [2] ایضاً ص ۲۰۳ [3] ایضاً ص ۲۰۳

سیر الاولیاء کے مصنف امیر خورد لکھتے ہیں کہ میرے چچا سید حسین کرمانی کی نوجوانی کا زمانہ تھا۔ وہ اس زمانہ کے شوقین نوجوانوں کے لباس اور وضع میں ایک روز تشریف لائے حضرت خواجہؒ نے ان کو دیکھ کر فرمایا:۔

سیّد بیا و بنشیں و سعادت ببر[1] | سیّد آؤ، بیٹھو اور سعادت میں حصّہ لو۔

اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس شفقت و ملاطفت اور اس دلجوئی و دلنوازی سے کتنے نوجوانوں کی اصلاح و تربیت ہوئی ہوگی اور کتنے "آہوئے وحشی" اسیر دام محبت ہوئے ہوں گے، اور ان کا شمار خدا کے مقبول بندوں اور شیوخ کاملین میں ہوا ہوگا۔

حضرت خواجہؒ کے ان اخلاق و صفات اور صوفیہ صافیہ کی سیرت کو دیکھ کر امام غزالی کی اس رائے اور شہادت کی تصدیق ہوتی ہے جس کا انھوں نے "تلاش حق" کے طویل سفر اور مختلف گروہوں اور انسانی طبقات کے عمیق مطالعہ کے بعد اظہار کیا ہے:۔

"مجھے یقینی طور پر معلوم ہوگیا کہ صوفیہ ہی اللہ کے راستہ کے سالک ہیں، انکی سیرت بہترین سیرت، ان کا طریق سب سے زیادہ مستقیم اور ان کے اخلاق سب سے زیادہ تربیت یافتہ اور صحیح ہیں، اگر عقلاء کی عقل، علماء کی حکمت اور شریعت کے رمز شناسوں کا علم مل کر بھی اُن کی سیرت و اخلاق سے بہتر لانا چاہے تو ممکن نہیں، انکے تمام ظاہری و باطنی حرکات و سکنات مشکوٰۃ نبوت سے ماخوذ ہیں اور نور نبوت سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی نور نہیں جس سے روشنی حاصل کیجائے۔"[2]

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۲۰۳ [2] المنقذ من الضلال

باب چہارم

اذواق وکیفیات

محبّت و ذوق

حضرت خواجہ کی سیرت اور زندگی کا مرکزی نقطہ جو ان کے تمام اخلاق و احوال و اعمال کا محور ہے وہ عشق الٰہی کی نعمت خداداد ہے جو ان میں ابتدائے حال سے نمایاں تھی، محبت کی یہ چنگاری جو ازل سے ان کی فطرت میں ودیعت تھی شیخ کبیر کی صحبت اور طریقۂ چشتیہ کی نسبت سے شعلۂ جاں سوز بن گئی اور اسنے مدت العمر ان کو اور نصف صدی سے زائد دہلی اور اسکے ماحول کو گرم اور منور رکھا اور اس کی وجہ سے صدیوں تک ہندوستان کی فضا عشق الٰہی کی حرارت سے گرم اور گداز رہی ان کے تمام حالات و اشغال گفتگو اور مجالس، اشعار اور انکے انتخاب، واقعات اور ان کی تمثیل، غرض ہر چیز سے اسی سوزِ باطن اور اسی حرارتِ عشق کا اظہار ہوتا ہے ؎

شعلہا آخر زہر مویم دمید
از رگِ اندیشہ ام آتش چکید

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک روز اولیاء اللہ کے دمِ واپسیں کے واقعات بیان ہو رہے تھے، حاضرین میں سے ایکنے ایک بزرگ کی حکایت بیان کی کہ ان کا انتقال ہو رہا تھا اور آہستہ آہستہ اللہ کا نام

ان کی زبان پر جاری تھا، حضرت خواجہؒ آبدیدہ ہو گئے اور یہ رباعی پڑھی۔

آیم بسر کوئے تو پویاں پویاں رخسارہ بآبِ دیدہ شویاں شویاں
بیچارہ نہ وصل تو جویاں جویاں جاں می دہم و نام تو گویاں گویاں[1]

(ترجمہ) آپ کی گلی میں چلا آرہا ہوں خراماں خراماں، آنسوؤں سے اپنے رخسار کو دھوتا ہوں، آپکے وصل کا جویا اور طالب بن کر جان دے رہا ہوں، آپکا نام بھی لئے جارہا ہوں)

اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ دل میں محبوب کے سوا کسی کے خیال کی جگہ نہیں رہی تھی، کسی دوسری طرف توجہ بھی دل پر بار تھی

ہر چہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

امیر حسن علاء سجزی راوی ہیں کہ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر کبھی اتفاق سے میں ان کتابوں کا مطالعہ کرنے لگتا ہوں جو میں نے پڑھی ہیں تو طبیعت میں وحشت پیدا ہونے لگتی ہے اور اپنے دل میں کہتا ہوں کہ کہاں پڑ گیا، اس پر حضرت خواجہ ابوسعید ابوالخیر کا واقعہ بیان کیا کہ وہ کمال حال پر پہنچ گئے تو وہ کتابیں جو وہ پڑھ چکے تھے اور ان کو کونے میں رکھ دیا تھا۔ ان کو سامنے رکھ کر ایک روز مطالعہ کرنے لگے۔ غیبی آواز آئی اے ابوسعید ہمارا عہد نامہ واپس کرو کہ اب تو دوسری چیز میں مشغول ہو گیا، خواجہ جب اس مقام پر پہنچے تو رو پڑے اور یہ شعر پڑھا

تو سایۂ دشمنے کجا در گنجی جائے کہ خیال دوست زحمت باشد[2]

(ترجمہ) کسی دشمن کا سایہ بھی کہاں سما سکتا ہے، جہاں دوست کا خیال بھی حجاب بنے)

اسی "سرورِ عشق" کا نتیجہ یہ تھا کہ شب کی خلوت اور رات کے راز و نیاز کے بعد جب دن میں تشریف لاتے تو بقول امیر خورد معلوم ہوتا کہ شراب چھلک رہی ہے، رات کی بیداری سے آنکھیں سرخ ہوتیں۔ امیر خسرو

---

[1] فوائد الفواد صنٹ [2] فوائد الفواد صن۹

نے یہی دیکھ کر کہا ہے:۔ ؎

توشبانہ می نمائی بہ برِ کہ بودی امشب
کہ ہنوز چشم مستت اثرِ خمار دارد[1]

اور اسی حرارتِ عشق اور سرور و مستی کا نتیجہ تھا کہ پیرانہ سالی میں برابر روزہ رکھتے تقلیلِ غذا، طویل شب بیداری اور سخت مجاہدات کے باوجود ضعف و ناطاقتی ظاہر نہ ہوتی تھی، اسّی سال سے عمر متجاوز ہونے کے باوجود چہرے پر وہی سرخی اور نشاط و انبساط کی وہی کیفیت پائی جاتی تھی جو جوانی میں ہی ہوگی بلکہ اس میں روز افزوں اضافہ تھا[2]

سماع محبت کی یہی حرارت اور تپش تھی جس کی تسکین کا ایک ذریعہ سماع تھا[3] یعنی عشقِ الٰہی کے اشعار اور عارفانہ ابیات کا سننا جس سے قلب کو اپنی آنچیں نکالنے اور آنسوؤں کے چھینٹوں سے اس کی گرمی کو کم کرنے کا موقع ملے اور اسی کے ساتھ مجاہدات سے تھکا ہوا جسم اور طبیعت اور

---

[1] سیر الاولیا ص ۱۲۸   [2] سیر الاولیا ر

[3] مسئلہ سماع (بلا مزامیر) کی موافقت مخالفت میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، اسمیں نقطۂ اعتدال یہ معلوم ہوتا ہے کہ نہ وہ مطلقاً حرام ہے نہ کوئی عبادت و طاعت و امر مقصود، اعتدال اور خاص شرائط کے ساتھ ایک تدبیرِ علاج ہے اور اصحابِ ضرورت و اہلیت کے لئے بقدر ضرورت مباح اور بعض اوقات مفید، اس سلسلہ میں مشہور چشتی شیخ قاضی حمید الدین ناگوری کا قول بڑا جامع و معتدل معلوم ہوتا ہے۔ ایک مجلس میں سماع کی حلت و حرمت پر بحث تھی، قاضی صاحب نے فرمایا کہ:۔

"میں ہوں حمید الدین کہ سماع سنتا ہوں اور مباح کہتا ہوں علما کی روایت کی بنا پر اسلئے کہ درد دل کا مریض ہوں اور سماع اسکی دوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے شراب سے علاج کرنے کی ایسے وقت میں اجازت دے دی ہے جبکہ ازالہ مرض کے لئے اور کوئی دوا ہی نہ ہو، اور حکیموں کا بھی اس پر اتفاق ہو کہ صحت شراب کے بغیر ناممکن ہے۔ اس تقدیر پر میرے مرض کی دوا جو کہ لاعلاج ہے سرود کا سننا ہے، لہٰذا اسکا سننا ہمارے لئے مباح اور تم پر حرام ہے" (سیر الاقطاب قلمی)

نفس کی چوٹ کھایا ہوا دماغ غذا اور تازگی حاصل کر سکے۔ مولانا رومؒ جو ایک بڑے صاحب سماع گذرے
اسی لئے فرماتے ہیں ؎

پس غذائے عاشقاں آمد سماع — کہ از و باشد خیالِ اجتماع
قوتے گیرد خیالاتِ ضمیر — بلکہ صورت گردد از بانگ صفیر
آتشِ عشق از نواہا گردتیز — آں چنانکہ آتش آں جوز ریز

خود حضرت خواجہؒ نے اپنی زبان سے سماع کی یہی حکمت بیان کی ہے:۔

سماع حق مریدان و معتقدان و اصحاب
ریاضت است، چوں نفس و تن ہلاک
شود، او را حق البیت
"ان لنفسک علیک حقا"
یعنی بدرستی کہ برائے نفس برابر تو حق است
چوں نفس بلنے از سماع بیاساید باز او را
برکارے بہ برند[1]

سماع مریدین صادقین اور اہل عقیدت اور
اصحاب ریاضت کا کام ہے۔ جب طبیعت پوری
چوٹ کھا جائے تو ان کا حق ہے (کہ سماع سے قوت و
تازگی حاصل کریں) حدیث میں آتا ہے کہ ان
لنفسک علیک حقا تمہارے اوپر تمہارے جسم
کا حق ہے۔ جب ایک مدت تک نفس سماع کے
ذریعہ آرام حاصل کر لیتا ہے تو پھر اسکو کام میں لگاتے ہیں

ایک بزرگ مولانا کاشانی فرماتے ہیں:۔

اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ از کثرتِ
معاملات گاہ گاہ اتفاق افتد کہ کلالتے
و ملالتے در قلوب و نفوس حادث شود و قبض

اصحاب ریاضت و ارباب مجاہدہ کے قلوب و
نفوس احوال و کیفیات کے کثرت سے
پیش آنے کی وجہ سے کبھی کبھی اکتا جاتے ہیں اور انکو

---

[1] سیر الاولیاء ص ۱۹۸

بسطے کہ موجب فتور اعمال و قصور احوال بود	تکان و ضعف محسوس ہونے لگتا ہے اور
طاری گردد پس مشائخ متاخر از برائے رفع	ان پر وہ قبض و بسط جو اعمال و احوال میں سستی
ایں عارضہ و دفع ایں حادثہ ترکیبے روحانی	اور کوتاہی کا باعث ہوتا ہے طاری ہوجاتے ہیں
از سماع اصوات طیبہ و الحان متناسبہ و	اس بنا پر مشائخ متاخرین نے اچھی آوازوں مناسب
اشعار و اشعار مہیجہ و مشوقہ بر وجہے کہ مشروع	نغموں اور شوق انگیز اشعار کے سننے کو اس
بود نمودہ اند[1]	طرح پر کہ حدود شرع سے باہر نہ ہوں ایک
	علاج روحانی کے طور پر تجویز کیا ہے۔

سماع کی اس حکمت کے علاوہ، اس کی ایک دوسری حکمت ان حضرات کے نزدیک یہ تھی کہ اس سے حضوری کی ایک کیفیت ذرد کی لذت اور ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے اور یہ لمحات بقیہ اوقات کو بھی اپنے دامن میں لیکر پاک اور نورانی بنا دیتے ہیں۔ ارشاد ہوا کہ:۔

مردم را ہمہ روز حضور کجا میسر شود اگر در روزے	فرمایا، آدمی کو ہر روز حضوری کہاں میسر
وقتے خوش دریافت ہمہ اوقات متفرقہ آں	آتی ہے اگر کسی دن کوئی وقت اچھا ہاتھ
روز در پناہ آں وقت باشد و اگر در جمعے	آجائے تو اس دن کے تمام متفرق اوقات اس
صاحب نعمتے باشد جملہ اشخاص در پناہ	وقت کی پناہ میں ہوتے ہیں، دیکھو اگر کسی مجمع میں
آں شخص باشد[2]	ایک صاحب ذوق اور صاحب نعمت ہوتا ہے،
	تمام حاضرین اس کی پناہ میں ہوتے ہیں۔

پس یہ سماع، حضرت خواجہ اور ان مشائخ کی (جو اسی کیفیت کے حامل اور آتشِ محبت سے

---

[1] مصباح الہدایت ص۱۸۰ و ص۱۸۲ [2] سیر الاولیاء ص۵۲۳

سے جل رہے ہوں) طبعی کیفیت کا نتیجہ، تسکین کا سامان، قوت و غذا اور رقت و حضوری کا ذریعہ تھا جسکو وہ حضرات علاجاً اور ضرورتاً اختیار کرتے تھے اور علاج اور ضرورت کے بقدر رہی اس سے کام لیتے تھے نہ وہ کوئی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ تھا، نہ مستقل سلوک اور شب و روز کا مشغلہ تھا۔

اسی کے ساتھ حضرت خواجہؒ نے سماع کو ان تمام خلافِ شرع منکرات و بدعات اور اسبابِ لہو و لعب سے جو غیر مسلموں کے اثر سے خاص طور پر ہندوستان میں اہل ہوا نے یا خام کار صوفیوں نے سماع میں شامل کر لئے تھے خود بھی دور رکھا اور اپنے متبعین کو ان سے اجتناب کی انتہائی تاکید فرمائی ہے۔ آپ نے سماع کے آداب اس طرح بیان فرمائے :۔

آپ نے فرمایا:۔

"سماع کی چار قسمیں ہیں:۔ حلال، حرام، مکروہ، مباح۔ اگر صاحبِ وجد کا میلان محبوبِ حقیقی کی طرف زیادہ ہو تو سماع مباح ہو، اور اگر محبوب مجازی کی طرف زیادہ ہے، تو مکروہ ہے، اگر محبوب مجازی کی طرف میلانِ کلی ہے تو حرام ہو، اگر محبوبِ حقیقی کی طرف میلانِ کلی ہو تو حلال ہو، پس جس کو سماع کا ذوق ہو، اس کو چاہیئے کہ وہ ان چاروں درجوں کو جانتا ہو۔"

نیز ارشاد فرمایا کہ :۔

"سماع مباح کے لئے چند چیزیں چاہئیں :۔ مُسمع (سنانیوالا) مستمع (سننے والا) مسموع (جو کچھ پڑھا جارہا ہے) آلۂ سماع (ذریعہ) مستمع کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ پوری عمر کا آدمی ہو، کم سن نہ ہو، عورت نہ ہو۔ مستمع کیلئے ضروری ہے کہ جو کچھ وہ سن رہا ہے وہ یادِ حق سے خالی نہ ہو۔ مسموع کے لئے شرط ہے کہ وہ بے حیائی اور ہنسی مذاق کا کلام نہ ہو۔ آلۂ سماع سے مراد مزامیر ہے، جیسے چنگ و رباب کہ یہ درمیان

میں نہ ہو[۱]"

مزامیر سے نفرت و ممانعت

حضرت خواجہ مزامیر (آلاتِ غنا او رباجے وغیرہ سے) سختی سے منع فرماتے تھے اور جب کبھی اس بارے میں کسی بے احتیاطی کی اطلاع ملتی تو نہایت ناراض ہوتے اور اس بارے میں کسی عذر کو قبول نہ فرماتے سیر الاولیاء میں ہے :-

"محلس میں ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت سلطان المشائخ سے عرض کیا کہ ان دنوں بعض حاضر باش درویشوں نے ایک ایسی محلس میں جس میں چنگ و رباب اور مزامیر تھے شرکت کی اور رقص کیا۔ فرمایا:- اچھا نہیں کیا، جو خلاف شرع ہے وہ ناپسندیدہ ہے۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا کہ یہ لوگ جب باہر آئے اور لوگوں نے ان سے کہا کہ یہ آپ نے کیا کیا، اس محلس میں مزامیر تھے، آپ نے سماع کس طرح سنا اور رقص کیا؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہم سماع میں ایسے مستغرق تھے کہ ہمیں کچھ پتہ نہ چلا کہ مزامیر ہیں یا نہیں۔ حضرت سلطان المشائخ نے سنکر فرمایا کہ:- یہ جواب بھی کچھ نہیں، یہ بات تو ہر معصیت کے متعلق کہی جا سکتی ہے[۲]"

حضرت خواجہؒ مزامیر کی ممانعت میں بڑی شدت اور مبالغہ فرماتے تھے۔ فرماتے تھے کہ:-

"جب عورت کو نماز میں امام کی غلطی پر تنبیہ کرنے کے لئے دستک دیتے وقت اس کی ممانعت ہے کہ ہتیلی پر ہتھیلی ماری جائے کہ اس سے تالی کی آواز پیدا ہوتی ہے اور یہ لہو ہے، جب لہو و لعب سے اتنا پرہیز آیا ہے تو سماع میں بطریق اولیٰ مزامیر کی ممانعت ہونی چاہیئے[۳]"

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۴۹۱ و ص ۴۹۲ [۲] ایضاً ص ۵۲۰ و ص ۵۲۱ [۳] ایضاً ص ۵۲۲

سماع میں آپ کی کیفیت

حضرت خواجہؒ فرماتے تھے کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے درد و ذوق عطا فرمایا ہے اس کو بغیر مزامیر کے ایک ہی شعر سنکر رقت پیدا ہو جاتی ہے لیکن جسے عالمِ ذوق کی خبر نہیں، اس کے سامنے پڑھنے والے کتنا ہی پڑھیں، اور کیسے ہی مزامیر کیوں نہ ہوں اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا، اسلئے کہ وہ اہلِ درد میں سے نہیں ہے، اس کام کا تعلق درد سے ہے نہ کہ مزامیر وغیرہ سے[1]

چنانچہ حضرت خواجہؒ کا حال یہ تھا کہ عارفانہ اور عاشقانہ اشعار سنتے ہی آپ پر سخت رقت طاری ہو تی لیکن اس طرح کہ لوگوں کو خبر نہ ہوتی، خدام رومال دیتے جاتے اور وہ آپ کے آنسوؤں سے تر ہوتے جاتے، یہ دیکھ کر لوگ سمجھتے کہ آپ پر گریہ طاری ہے[2]

امیر خورد (جو خود بھی اپنی کمسنی میں ان مجالس سماع میں شریک ہوتے تھے اور زیادہ تر اپنے والد اور چچا سے ان پُرکیف مجلسوں اور ان وجدان انگیز اشعار کا ذکر کرتے ہیں جو وہاں پڑھے گئے) کہتے ہیں کہ بعض مرتبہ بہت سے شعر پڑھے جاتے لیکن کیفیت نہ پیدا ہوتی، یکایک کوئی ہندی کا دوہا یا فارسی کا کوئی شعر پڑھ دیتا اور مجلس مکیف ہو جاتی۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک شاہی امیر قیر بک نے ایک مجلس آراستہ کی، مشائخ وصدور شہر کا اجتماع تھا، سماع شروع ہوا، کہنے والے بہت کچھ سناتے رہے کچھ اثر نہیں ہوا، آخر حسن بہدی قوال نے یہ شعر پڑھا ؎

در کلبۂ درویشی در محنت بیخویشی
مگذار مرا بامن ہر سوئے مکن افسانہ

اس شعر کا پڑھنا تھا کہ حضرت سلطان المشائخ پر گریہ اور ایک حالت طاری ہوئی اور اس کیفیت کا تمام حاضرینِ مجلس پر اثر ہوا، اور سب مکیف ہو گئے[3]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۵۲۳ [2] ایضاً ص ۵۱۴ [3] ایضاً ص ۵۱۴

ایک دوسری مجلس کا ذکر ہے، بالاخانہ پر مجلس ہو رہی تھی، امیر خسرو کھڑے تھے اور سلطان المشائخ ناسازیٔ طبع کی وجہ سے چارپائی پر تشریف رکھتے تھے، حسن بہدی نے سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

سعدی تو کیستی کہ در آئی دریں کمند

چنداں فتادہ اند کہ ما صید لاغریم

حضرت خواجہؒ پر گریہ طاری ہوا اور اس میں ڈوب گئے۔ خواجہ اقبال رومال بڑھاتے جاتے تھے اور آپ آنسو پونچھ کر حسن بہدی کی طرف اُن کو بڑھاتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد سماع ختم ہوا، امیر حاجی فرزند امیر خسرو نے امیر خسرو ہی کی غزل پڑھنی شروع کی جس کا ایک شعر یہ تھا ؎

خسرو تو کیستی کہ در آئی دریں شمار

کیں عشق تیغ بر سر مردان زندہ است

حضرت خواجہ پر پھر وہی کیفیت طاری ہوئی اور گریہ کا غلبہ ہوا[1]

ایک مرتبہ امیر خسرو نے غزل پڑھی جس کا مطلع تھا ؎

رخ جملہ را نموذ مر اگفت تو مبیں

زیں ذوق مست بیخبرم کیں سخن چہ بود

آپ نے گوشہ چشم سے امیر خسرو کو دیکھا، اور کیفیت طاری ہوئی[2]۔

عام طور پر جس شعر پر حضرت خواجہؒ کو ذوق آتا تھا، دہلی کی مجلسوں اور شہر کی گلیوں میں عرصہ تک اس کا چرچا رہتا تھا اور لوگ اس سے لطف لیتے تھے اور ذوق حاصل کرتے رہتے تھے[3] سلطان علاء الدین نے بھی اہل دربار اور حضرت خواجہؒ کے یہاں آنے جانے والوں کو تاکید کر رکھی تھی کہ: جس

---

[1] سیر الاولیاء ص۵۱۵ [2] ایضاً ص۵۱۶ [3] ایضاً ص۵۱۰

شعر پر حضرت خواجہ کو ذوق آئے اس کو یاد رکھا جائے اور بادشاہ کو سنایا جائے۔ اکثر جب بادشاہ نے وہ شعر سنا جس پر حضرت خواجہ کو ذوق آیا تھا تو بڑی تعریف کی اور دیر تک ذوق لیتا رہا۔

ذوقِ قرآن قرآن مجید کا ذوق، اسکے حفظ کا اہتمام اور تلاوت کی کثرت مشائخ چشت کا خصوصی ذوق اور ان کی قدیم روایت ہے۔ خواجۂ بزرگ معین الدین چشتیؒ سے لیکر حضرت خواجہ نظام الدینؒ تک سب کے یہاں قرآن مجید کا خصوصی ذوق اور شغف ملتا ہے اور ہر ایک نے اپنے خلفاء خاص اور مریدین باختصاص کو حفظ قرآن اور اشتغال بالقرآن کی تاکید کی ہے۔[1]

خلافت دیتے وقت شیخ کبیر نے حضرت خواجہ کو حفظ قرآن کی وصیت کی تھی، حضرت خواجہ نے یہ وصیت پوری کی اور دہلی پہنچتے ہی اس کا سلسلہ شروع کر دیا۔ حضرت خواجہ اپنے مریدین اور اصحاب خاص کو بھی اس کی ترغیب دیتے رہتے تھے اور تاکید فرماتے تھے۔ امیر حسن علاء سنجری جب حضرت خواجہ سے متعلق ہوئے تو وہ بوڑھے تھے اور شعر و شاعری زندگی بھر کا مشغلہ تھا۔ حضرت خواجہ نے ان کو ہدایت کی کہ قرآنی ذوق کو شعر و شاعری کے ذوق پر غالب کریں۔ امیر فوائد الفواد میں فرماتے ہیں:۔

بارہا از لفظ مبارک مخدوم شنیدہ ام می باید	بارہا آں مخدوم کی زبان مبارک سے میں نے
کہ قرآن خواندن بر شعر گفتن غالب	یہ لفظ سنے ہیں کہ چاہیئے کہ قرآن کا پڑھنا
آید۔[2]	شعر کہنے پر غالب آجائے۔

پھر ان کو حفظ قرآن کی ہدایت ہوئی۔ انھوں نے ایک ثلث یاد کر لیا تو ارشاد ہوا۔

دیگر ہا اندک اندک یاد گیر و یاد	تھوڑا تھوڑا یاد کرو اور اگلا یاد کیا ہوا
گرفتہ پیشینہ مکرر می کن۔[3]	دہراتے رہو۔

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت" از مولانا مناظر احسن گیلانی (جلد دوم)۔ ۱۲۔

[2] فوائد الفواد ص ۲۴۹ [3] فوائد الفواد ص ۹۳

مولانا بدرالدین اسحٰق کے صاحبزادے خواجہ محمد حضرت خواجہؒ کی کفالت و پرورش میں تھے ان کو بھی قرآن مجید یاد کرایا۔ خواجہ محمد امام بڑے اچھے حافظ و خوش الحان تھے، ان کو آپ نے نماز کا امام بنایا تھا ان کی قرأت سے آپ بڑے محظوظ ہوتے اور آپ کو ان کی قرات سن کر بڑی رقت اور ذوق آتا۔[1] ان کے دوسرے بھائی خواجہ موسیٰ بھی حافظ و قاری تھے معمول تھا کہ جب دسترخوان پر بیٹھتے تو پہلے خواجہ محمد اور خواجہ موسیٰ کچھ قرآن شریف پڑھتے، اسکو دعائے مائدہ کہتے تھے۔[2] اس کے بعد کھانا شروع ہوتا تھا۔ اپنے نواسوں (خواہرزادہ کے صاحبزدگان) خواجہ رفیع الدین وغیرہ کو بھی قرآن حفظ کرایا۔[3] خود بھی نوافل میں قرآن شریف پڑھتے اور خاص خدام سے دریافت فرماتے کہ ان کا کیا معمول ہے؟

شیخ سے تعلق یوں تو جو شخص جس سے کوئی نعمت پاتا ہے (اگر اس کی طبیعت میں شرافت اور احسانمندی کا جذبہ ہے) اس کا گرویدہ ہوتا ہے اور اسکو اپنا محسن سمجھتا ہے لیکن حضرت خواجہ کو اپنے محسن سے عاشقانہ اور والہانہ تعلق تھا اور انکے اختصاص امتیازات اور روحانی ترقیات میں اسکو خاص دخل تھا۔ اس محبت کا نتیجہ یہ تھا کہ تھا کہ جب کسی محبوب کی تعریف ہوتی تو انکو اپنے شیخ کی یاد تازہ ہوجاتی اور وہ انھیں کو اسکا مصداق سمجھتے۔ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ شیخ کی زندگی میں ایک مجلس میں قوال نے یہ شعر پڑھا۔

ع

مخرام بدیں صفت مبادا

کز چشم بدت رسد گزندی

فرماتے ہیں کہ مجھے شیخ کے اخلاق و اوصاف ان کا فضل و کمال اور ان کی لطافت و زیبائی یاد آگئی۔ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بیان نہیں ہوسکتی۔ قوال نے چاہا کہ آگے بڑھے میں نے بار بار وہی شعر پڑھوایا، یہ کر

---

[1] سیر الاولیاء صـ۲۰۰
[2] سیر الاولیاء صـ۱۹۹
[3] سیر الاولیاء صـ۲۰۳

کر کے گریہ طاری ہوگیا۔ فرمایا اسکے بعد زیادہ دن نہیں گذرے کہ حضرت نے انتقال کیا۔[1]

جماعت کا اہتمام اور بلند ہمتی

ضعف پیری اور شدید مجاہدات کے باوجود جماعت سے نماز پڑھنے کا بیحد اہتمام تھا۔ صاحب سیر الاولیا لکھتے ہیں:۔

عمر شریف اسی سے متجاوز ہوگئی۔ جب بھی پانچوں وقت جماعت سے نماز
پڑھنے کے لئے بالاخانہ سے (جو بہت بلند تھا) جماعت خانہ میں اتر کر ان
درویشوں اور ساتھیوں کے ساتھ جو وہاں موجود ہوتے تھے جماعت کے ساتھ نماز
ادا کرتے تھے۔ اس کبر سنی کے باوجود ہمیشہ روزہ رکھتے، کم افطار کرتے۔"[2]

شریعت کی پابندی اور اتباع سُنّت کا اہتمام

حضرت خواجہ خود بھی اتباع سنت کا اہتمام بلیغ رکھتے تھے کہ بقول سعدیؒ

محال است سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

اور اپنے اصحاب و خدام کو بھی بڑی تاکید فرماتے تھے۔ سنن کے علاوہ تاکید تھی کہ مستحبات و آداب تک فوت نہ ہوں۔ سیر الاولیاء میں آپ کا ارشاد منقول ہے:۔

استقامت می باید کہ بر متابعت	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی
رسول علیہ السلام والصلوٰۃ باشد	واتباع پر مضبوطی و ثابت قدمی دکھانی
و ہیچ مستحبے و آدابے فوت نہ شود۔[3]	چاہیئے اور کوئی مستحب اور ادب بھی فوت نہ ہونے پائے۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۹۶
[2] سیر الاولیاء ص ۱۲۵
[3] سیر الاولیاء، ص ۳۱۸

مشائخ کے لئے اور جس کو پیری مریدی کرنا ہو، شریعت کا علم ضروری سمجھتے تھے تاکہ اس سے کوئی عمل خلاف شریعت نہ صادر ہو۔ نہ دوسرے کو کسی خلاف شرع امر کی تلقین کرے۔ فرماتے ہیں:۔

"پیر آں چناں باید کہ در احکام شریعت و طریقت و حقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید[1]"

پیر ایسا چاہیئے کہ احکام شریعت و طریقت و حقیقت کا (ضروری) علم رکھتا ہو اور جب ایسا ہوگا تو وہ کسی خلاف شرع کام کے لئے نہ کہے گا۔

---

[1] فوائد الفواد ص ۱۴۷

باب پنجم

افادات و تحقیقات

علمی پایہ

حضرت خواجہؒ باطنی کمالات کے ساتھ علوم ظاہری میں بھی بلند پایہ رکھتے تھے، اپنے زمانہ کے تمام مروجہ علوم کو بلند ہمتی، محنت اور اہتمام سے پڑھا تھا، ان کے اساتذہ میں اس عہد کے نامور ترین فضلا اور شیوخ ہیں، ادب اور علوم دینیات کی تعلیم انھوں نے مستوفی الممالک شمس الملک مولانا شمس الدین خوارزمی سے پائی تھی، حدیث کا درس مولانا کمال الدین زاہد محمد ابن احمد ماریکلی سے لیا جو صاحب مشارق الانوار امام حسن ابن محمد الصغانی کے شاگرد اور بیک واسطہ صاحب ہدایہ کے شاگرد تھے۔ کچھ کتابوں کو شیخ کبیر حضرت فرید الدین گنج شکرؒ سے پڑھ کر علم میں مزید جلاء حاصل کی۔

علمی و ادبی مناسبت

اگرچہ اپنی مناسبتِ فطری اور شیخ کی نسبتِ باطنی کے اثر سے روز بروز الفاظ کے مقابلہ میں معانی اور معانی کے مقابلہ میں حقائق و احوال اور "اسم" سے زیادہ "مسمّٰی" میں مشغولیت بڑھتی گئی، پھر بھی علم و ادب سے مناسبت اور علمی ذوق آخر تک قائم رہا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ مولانا رکن الدین چغونے کشاف اور مفصل اور ان کے علاوہ بعض کتابیں حضرت سلطان المشائخ کی خاطر نقل کر کے خدمت میں پہنچائیں۔ یہ دونوں کتابیں مشہور معتزلی فاضل علامہ محمود جار اللہ[1]

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۱۷

زمخشری (متوفی ۵۳۸ھ) کی تصنیف ہیں۔ پہلی کتاب تفسیر میں ہے اور دوسری نحو میں، اس سے بھی آپ کے علمی ذوق اور وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ اسی سیر الاولیاء میں ہے کہ سید خاموش ابن سید محمد کرمانی مجلس خلوت میں "خمسۂ نظامی" حضرت خواجہؒ کی خدمت میں پڑھتے تھے[1]۔ آپ کا ادبی ذوق اتنا بلند اور پاکیزہ تھا کہ امیر خسرو جیسے سرآمد روزگار شاعر (جو اپنے طرز میں بے نظیر اور فارسی کے صف اول کے شعراء میں ہیں) کو شاعری میں مشورہ دیا اور رہنمائی فرمائی۔ سیر الاولیاء میں ہے کہ ابتدا میں امیر خسرو جو غزل کہتے تھے اس کو حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں نظر اصلاح پیش کرتے تھے۔ ایک روز حضرت نے ان سے کہا کہ صفاہانیوں کے طرز میں کہا کرو[2]۔

حدیث و فقہ پر نظر

سلطان غیاث الدین تغلق کے دربار میں جو مجلس مناظرہ ہوئی تھی اس میں حضرت خواجہؒ نے مسئلہ پر جو تقریر اور اس کی تنقیح فرمائی اس سے بھی حضرت کے علمی مرتبہ اور وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے عہد سے پہلے کتب صحاح متداول نہیں ہوئی تھیں اور صحیحین تک سے لوگ زیادہ مانوس اور آشنا نہیں تھے۔ حدیث میں مشارق الانوار اور مشکوٰۃ سرمایۂ علمی اور حدیث کا منتہی سمجھی جاتی تھی[3]۔ بکثرت موضوع اور ضعیف احادیث صوفیوں کی زبان پر جاری اور بزرگوں کے ملفوظات مجالس میں بے تکلف منقول ہیں۔ نقد حدیث اور موضوعات کا علم علامہ محمد طاہر پٹنی سے پہلے یہاں نظر نہیں آتا۔ حضرت خواجہؒ کے ملفوظات اور سوانح سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ایسی بہت سی بے اصل روایات سے (جو زبان زد خلائق ہیں) استدلال نہیں فرماتے تھے اور آپ کی اس پر نظر تھی کہ احادیثِ صحیحہ کا سب سے مستند مجموعہ صحیحین ہیں۔ فوائد الفواد میں ہے کہ کسی نے دریافت کیا کہ یہ

---

[1] سیر الاولیاء ص ۲۱۹ — [2] سیر الاولیاء ص ۳۰۱

[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" کا باب حدیث۔ ۱۲

حدیث کیسی ہے: "السخی حبیب اللہ وان کان کافراً" فرمایا: کسی کا مقولہ ہے، ایک شخص نے عرض کیا کہ:۔ یہ اربعین (چہل حدیث) کی حدیث ہے۔ فرمایا:۔ جو کچھ صحیحین میں ہے وہ صحیح ہے۔[1]

اہمیتِ علم | اپنے مشائخ کرام کی طرح آپ کی نظر میں بھی علم کی بڑی اہمیت اور عظمت تھی اور اسکو سالکین اور ان لوگوں کیلئے جو ارشاد و تربیت کا کام کریں آپ بہت ضروری سمجھتے تھے۔

---

[1] فوائد الفواد صد ۱۰۳

اس موقعہ پر اس کا اظہار ضروری ہے کہ باوجود اسکے کہ آپ صحیحین کے مرتبہ سے واقف تھے لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحاح ستہ کے عام طور پر اور صحیحین کے خاص طور پر ہندوستان میں متداول نہ ہونے کی وجہ سے ان علماء و مشائخ کا اشتغال نہیں تھا خود آپنے بھی (اگر مجلس مناظرہ کی روداد صحیح ہے) مجلس مناظرہ میں جن حدیثوں کو حلت سماع کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے وہ صحاح کی احادیث نہیں ہیں اور محدثین کے نزدیک ان کا پایہ کچھ بلند نہیں ہے فریق مقابل کے علماء نے بھی جو اکابر علماء اور اعیان قضاۃ میں سے تھے جس طرح گفتگو اور استدلال کیا ہے اس سے علمِ حدیث سے نہ صرف ان کی بے خبری کا ثبوت ملتا ہے بلکہ ایک عالم دین کو اسکے بارے میں جو رویہ اختیار کرنا چاہیئے اس کی کمی کا بھی احساس ہوتا ہے۔ کتب صحاح اور نقد حدیث اور جرح و تعدیل کے فن کے شائع نہ ہونے کی وجہ سے خانقاہوں میں بہت سی ایسی رسوم، یہاں تک کہ سجدۂ تعظیمی رائج تھی اور بہت سے ایسے اوقات و ایام کے فضائل کی روایات مشہور تھیں اور مشائخ کے ملفوظات میں ان کا بڑی آب و تاب سے ذکر آتا ہے۔ جن کا احادیث کے صحیح مجموعوں میں کوئی وجود نہیں اور محدثین ان پر سخت کلام کرتے ہیں اسکو پیش نظر رکھتے ہوئے حضرات محدثین اور ان مخلصین کی کوششوں کی قدر ہوتی ہے جنھوں نے ہندوستان میں فن احادیث کی اشاعت کی اور صحیح و ضعیف احادیث میں امتیاز پیدا کیا۔ شکر اللہ مساعیہم

بنگال کے ایک نہایت عالی استعداد نوجوان جو بعد میں اخی سراج الدین کے نام سے مشہور ہوئے اور جو پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی اور سرِحلقہ ہیں۔ لکھنوتی سے بہ نیت ارادت دہلی آئے، حضرت خواجہؒ کے مرید ہوئے۔ آپ نے مولانا فخرالدین رازی سے فرمایا کہ: "یہ جوان بڑی قابلیت رکھتا ہے، اگر کچھ علم ظاہر بھی رکھتا ہوتا تو درویشی میں مستحکم ہوتا،" یہ بات سنکر مولانا فخرالدین نے عرض کیا کہ:۔ اگر اجازت ہو تو میں اس کو کچھ عرصہ اپنی صحبت میں رکھکر ضروری مسائل یاد کرادوں۔ فرمایا کہ: یہ آپ کی صحبت کا بڑا مستحق ہے مولانا فخرالدین ان کو اپنے ساتھ لے گئے اور عرصۂ قلیل میں علم سے مناسبت پیدا کرادی۔ حضرت خواجہؒ کی وفات کے بعد بھی وہ تکمیلِ علم کے لئے کچھ عرصہ دہلی میں ٹھہرے رہے، پھر وطن واپس آگئے اور مشرق و بنگالہ میں سلسلہ چشتیہ کی اشاعت کا ذریعہ بنے[۱]

بلند علوم و مضامین علم ظاہر و باطن کی اس جامعیت اخلاص اور تفکر و مجاہدات کی بنا پر آپ کو ان بلند اور صحیح علوم اور حقائق و معارف سے حصۂ وافر ملا جو اولیاء کاملین اور کبار مخلصین ہی کو ملا کرتا ہے اور جو صفائے باطن، طہارت اخلاق اور اخلاص کا نتیجہ ہے اور جس کو اہلِ تصوف علومِ لدنیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ صاحبِ سیر الاولیاء لکھتے ہیں کہ کسی علم میں گفتگو ہوتی یا کوئی اشکال پیش آتا، آپ اپنے نورِ باطن سے ان کا جواب شافی عطا فرماتے ؎

اے لقائے تو جوابِ ہر سوال
مشکل از تو حل شود بے قیل و قال

آپ اس مسئلہ پر ایسی بلیغ تقریر فرماتے کہ تمام حاضرینِ مجلس حیرت میں رہ جاتے اور ایک دوسرے سے کہتے کہ یہ کتابی جوابات نہیں ہیں۔ یہ الہام ربانی اور علمِ لدنّی کے فیوض ہیں، اسی بنا پر شہر کے چوٹی کے علماء جو تصوف کے منکر اور اہلِ تصوف کے مخالف مشہور تھے، حضرت خواجہؒ کے حلقہ بگوش اور اپنے علمی غرور اور زعم پر نادم ہوئے اور آپ کے خدام اور ارادتمندوں میں شامل ہو گئے۔

[۱] سیر العارفین وغیرہ ۱۲۔

علومِ صحیحہ شرعیہ

اس علمی رسوخ، اتباعِ سنّت اور استقامت علی الشریعت نے آپ کے ذہن کو ایسا سلیم اور مستقیم بنا دیا تھا کہ اہلِ تصوّف میں جو باتیں عرصۂ دراز سے ظاہرِ شریعت کے خلاف چلی آتی تھیں اور بہت جگہ اہلِ تصوف کا شعار بن گئی تھیں، آپ اپنی سلامتیِ ذہن سے اُن کو قبول نہیں کرتے تھے اور آپ کا ذوق اور تحقیق اُن کے خلاف تھی۔

تصوّف کے حلقوں میں بہت عرصہ سے اس خیال کا اظہار ہو رہا تھا کہ ولایت نبوت سے افضل اور اولیاء کو انبیاء پر فضیلت حاصل ہے اسلئے کہ ولایت عبارت ہے حضرت حق کے ساتھ مشغولیت اور ماسوی اللہ سے انقطاع سے اور نبوت میں دعوت و تبلیغ کی وجہ سے مخلوق کے ساتھ مشغولی ہوتی ہے۔ پھر اس میں کئی مذہب پیدا ہو گئے اور کسی نے یہ تاویل کی کہ انبیاء کی ولایت ان کی نبوت سے افضل ہے، لیکن آپ اسکو تسلیم نہیں کرتے۔ فوائد الفواد میں ہے کہ حضرت خواجہؒ نے فرمایا کہ: یہ مذہب باطل ہے، اس سبب سے کہ اگرچہ انبیاء مخلوق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں لیکن جس وقت کہ وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں اس مشغولیت کا قلیل سے قلیل زمانہ بھی اولیاء کے تمام اوقات پر فضیلت رکھتا ہے[۲]۔

حلال مانع راہِ خدا نہیں

تصوّف کے متعلق عام طور پر یہ سمجھا اور مشہور کیا گیا ہے کہ تصوف تعطّل اور بیکاری و بےعملی کا نام ہے اور ہر اشتغال وصول الی اللہ سے مانع

---

[۱] سیر الاولیاء صفحہ ۱۳۰

[۲] فوائد الفواد صفحہ ۱۲۰ امام ربّانی حضرت مجدّد الف ثانی رحؒ نے اتنا مزید اضافہ کیا کہ انبیاء، عین مشغولی بخلق کی حالت میں بھی اولیاء سے (عین اس وقت جب وہ حق کے ساتھ مشغول ہوتے ہیں) زیادہ متوجہ الی اللہ اور مشغول باللہ ہوتے ہیں) ان کی مشغولیت بخلق چونکہ حکم الٰہی سے ہوتی ہے اسلئے وہ عین مشغولیت بحق اور امر الٰہی کا امتثال ہوتا ہے۔ ۱۲

اور راہِ سلوک کا رہزن ہو۔ حضرت خواجہ معرفت و تحقیق کے جس مقام پر فائز تھے اور وسائل و رسوم سے بلند ہو کر مقاصد اور لب لباب پر جس طرح آپ کی نظر تھی اس کا مقتضا یہ تھا کہ آپ اس مقام سے آگے بڑھ چکے تھے اور فعل حلال و مشروع کی نورانیت اور اس کا ذریعۂ قرب ہونا آپ کی نظر میں تھا۔ حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظات "جوامع الکلم" میں ہے کہ حضرت خواجہ نظام الدین نے فرمایا:۔

ہیچ کسے (چیزے) کہ حلال است مانع	کوئی چیز جو حلال ہے راہ خدا کی مانع
راہ خدائی نیست و قاطع سلوک نیست	اور قاطع سلوک نہیں ورنہ مشروع و
دگر نہ مشروع و حلال نبودے[1]	حلال نہ ہوتی۔

قلب متوجہ الی اللہ کے بعد کوئی چیز مضر نہیں

ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ خدا کی طرف متوجہ دل اور پاک نفس چاہیے اسکے بعد جس کام میں رہنا ہو رہو، تمھیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔[2]

ترکِ دُنیا کی حقیقت

ترکِ دنیا اور حقیقی زہد و درویشی کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:۔

ترکِ دنیا آں نیست کہ کسے خود را	ترکِ دنیا کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کوئی
برہنہ کند مثلاً لنگوٹہا بندد و بنشیند	اپنے کو ننگا کر دے مثلاً لنگوٹہ باندھ کر
ترکِ دنیا آں است کہ لباس بپوشد	بیٹھ جائے، صحیح معنی میں ترکِ دنیا یہ
و طعام بخورد و آنچہ برسد روا بدارد	ہے کہ کپڑے پہنے، کھانا کھائے اور
و بجمع او میل نکند و خاطر را متعلق	جو کچھ میسر آئے اُس کو استعمال کرے،

---

[1] جوامع الکلم صفحہ ۱۶۰ [2] یعنی مشروع وجوہ معاشی اور ظاہری مشاغل وغیرہ۔ [3] سیر الاولیاء صفحہ ۱۶۰

بو پہ چیزے ندارد ترک دنیا است[1]   لیکن اسکے جمع کرنے کی طرف متوجہ نہ ہو اور اپنے دل کو کسی چیز میں پھنسائے نہیں یہی ترک دنیا ہے

طاعت لازم و متعدی

فرمایا:۔ طاعت کی دو قسمیں ہیں لازم اور متعدی۔ طاعتِ لازمی اسے کہتے ہیں جس کی منفعت طاعت کرنے والے کو پہنچے، جیسے نماز، روزہ، حج، اوراد و تسبیحات وغیرہ۔ طاعت متعدی وہ ہے جس کی منفعت اور راحت دوسرے کو پہنچے، مثلاً دو مسلمانوں میں اتفاق کرا دینا، شفقت، دوسروں کے ساتھ مہربانی وغیرہ، اس کو طاعت متعدی کہتے ہیں اور اس کا ثواب بے حد و بے اندازہ ہے۔

طاعتِ لازمی کی قبولیت کے لئے بڑے اخلاص کی ضرورت ہے اور طاعتِ متعدی جس طرح بھی کرے گا ثواب ملے گا[2]۔

کشف و کرامات حجابِ راہ

ارشاد ہوا کہ اولیاء سے جو کچھ اظہار ہوتا ہے وہ ان کی سکر و مستی کا نتیجہ ہے، اسلئے کہ وہ اصحاب سکر ہیں، اسکے برخلاف انبیاء اصحاب صحو ہیں، سالک کیلئے کشف و کرامات حجابِ راہ ہیں، محبت سے استقامت پیدا ہوتی ہے[3]۔

علومِ انبیاء و اولیاء رح

فرمایا کہ:۔ تین مرتبے ہیں۔ ایک مرتبہ جس کو طورِ حس کہنا چاہئے، دوسرا طورِ عقل اور تیسرا طورِ قدس۔ طورِ حس میں مطعومات (کھانے پینے کی چیزیں) مشمومات (جن کی خوشبو محسوس ہوتی ہے) وغیرہ محسوسات معلوم ہوتی ہیں، اسکے بعد طورِ عقل ہے اس کا تعلق دو علموں سے ہے کسبی اور بدیہی، لیکن عالم قدس میں پہنچ کر عقل سے حاصل کئے ہوئے کسبی علوم بھی بدیہی معلوم ہونے لگتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بدیہی بھی علمِ قدس نہیں ہو کسبی کا کیا ذکر؟ وہ انبیاء و اولیاء کے علوم ہیں۔ اسکے بعد فرمایا کہ جس پر عالمِ قدس کا دروازہ کھلتا ہے اسکی علامت کیا ہو سکتی ہے؟ جو شخص

---

[1] فوائد الفواد ج ا ص٦ [2] ایضاً ج ا ص١٢١ [3] فوائد الفواد ج ا ص٣٣

عالمِ عقل میں ہوتا ہے اور وہ کسی مسئلہ کو بدیہی یا کسبی علم سے حل کرتا ہے اور اس سے اس کو ایک فرحت حاصل ہوتی ہے وہ عالمِ قدس میں راہ نہیں پاتا۔ اس درمیان میں کسی بزرگ کا واقعہ بیان کیا کہ وہ فرماتے تھے کہ غیب سے کچھ علوم اور واردات دل پر گذرتے ہیں انشاء اللہ ان کو قلم بند کروں گا، اسکے بعد بہت کچھ لکھا۔ پھر فرمایا کہ بہت کچھ لکھا گیا لیکن جو کچھ مقصود تھا وہ ضبطِ تحریر میں نہیں آسکا[1]۔

دنیا کی محبّت اور عداوت

ایک دن اس کا ذکر ہو رہا تھا کہ کسی کو دنیا کی محبت ہوتی ہے اور کسی کو اس سے نفرت۔ فرمایا کہ:- تین طرح کے لوگ ہیں جو دنیا کو دوست رکھتے ہیں اور دن رات اس کی یاد اور فکر میں رہتے ہیں ایسے لوگ بہت ہیں۔ کچھ دوسرے لوگ ہیں جو دنیا سے نفرت کرتے ہیں اور اس کا حقارت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور ہمیشہ اسکی دشمنی میں رہتے ہیں۔ تیسری قسم ان لوگوں کی ہے جن کو نہ دنیا سے محبت ہوتی ہے نہ نفرت اور اس کا ذکر محبت یا عداوت کے ساتھ نہیں کرتے، یہ پہلی دونوں قسموں سے بہتر ہے۔ اس کے بعد آپنے حکایت سنائی کہ:- ایک شخص حضرت رابعہ بصریؒ کے پاس آیا اور دنیا کی سخت مذمّت کرنے لگا۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اس سے کہا کہ:- برائے مہربانی آپ اسکے بعد نہ آئیے گا۔ آپ کو دنیا سے محبت معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ آپ اسکا بہت ذکر کرتے ہیں[2]۔

مراتب تلاوتِ قرآن

ایک مرتبہ آپنے تلاوت قرآن پاک کے مراتب اس طرح بیان فرمائے کہ: پہلا مرتبہ یہ ہے کہ جو کچھ پڑھے اسکے معانی دل پر گزارے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ پڑھنے والے کا دل حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق و مشغول ہو۔

فرماتے کہ قرآن پڑھتے ہوئے تو کم از کم اس شعور کو ہر شخص میں ہونا چاہئے کہ میں اس نعمت کے

---

[1] فوائد الفواد ج ۱ ص ۶۹ [2] ایضاً ج ۱ ص ۱۸۹

لائق کہاں تھا اور میرے نصیب ایسے کہاں تھے کہ مجھے یہ دولت ملے، اگر یہ سب حاصل نہ ہو تو پڑھنے پر جس ثواب اور جزا کا وعدہ ہے اسکو ذہن میں تازہ اور مستحضر رکھا جائے[۵]۔

اگرچہ حضرت خواجہؒ نے جیسا کہ انھوں نے کئی بار ارشاد فرمایا کوئی تصنیف نہیں کی، لیکن آپ کی سب سے بڑی تصنیفات آپ کے تربیت کئے ہوئے اور آپ کی صحبت پائے ہوئے وہ خلفائے کبار اور اصحابِ نامدار ہیں جو عملِ صحیح اور علمِ صحیح کا نمونہ تھے اور جن کے دل کی راستی علم کی گہرائی اور فہم کی پختگی "راسخین فی العلم" کے شایانِ شان تھی۔ امیر حسن علا سنجری کی فوائد الفواد اور امیر خورد کی سیر الاولیاء میں آپ کے بہت سے اقوال و ملفوظات منقول ہیں جو آپ کی شانِ تحقیق کا مظہر ہیں۔

---

۵ فوائد الفواد ص۱۰۷

۶ فوائد الفواد ص۴۵ و خیر المجالس ص۳۵

باب ششم

فیوض و برکات

تجدید ایمان و توبۂ عام

قبل اس کے کہ اُن فیوض و برکات کا ذکر کیا جائے جو حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے ساتھ تعلق اور ان کے ہاتھ پر توبہ و بیعت کے ذریعہ لاکھوں مسلمانوں کو پہنچے، اور ایک ایسے زمانہ میں جب مسلمانوں کی حکومت اپنے پورے عروج پر تھی اور غفلت، خدا فراموشی اور نفس پرستی کے اسباب و محرکات پورے شباب پر تھے، ایک ایسی دینی اور روحانی لہر پیدا ہوئی جس کو ہر محسوس کرنے والے نے محسوس کیا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مشائخ طریقت کی بیعت عام اور ارشاد و تلقین توبہ کی حکمت اور ضرورت بیان کر دی جائے، تاکہ معلوم ہو کہ کن حالات و ضروریات کے ماتحت اس طریقے کو اختیار کیا گیا اور اس سے کیا دینی فوائد پہنچے، راقم سطور نے تاریخ دعوت و عزیمت کے حصۂ اول میں حضرت سیدنا عبد القادر جیلانیؒ کے تذکرہ کے ضمن میں جو کچھ لکھا تھا پہلے اسی کو کسی قدر اختصار و ترمیم کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے :۔

"خیر القرون کے بعد اسلامی آبادی کا پھیلاؤ اور زندگی کی ذمہ داریاں اور

معاشی تفکرات اتنے بڑھ گئے تھے کہ خصوصی تعلیم و تربیت کے ذرائع سے عمومی اصلاح و تربیت کا کام نہیں لیا جاسکتا تھا اور کسی بڑے پیمانہ پر کسی دینی اور روحانی انقلاب کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی، پھر اس کی کیا صورت تھی کہ مسلمانوں کی بڑی تعداد اپنے ایمان کی تجدید کرے، دینی ذمہ داریوں و پابندیوں کو اور شعور و احساس ذمہ داری کیساتھ دوبارہ قبول کرے، اس میں پھر اپنی ایمانی کیفیات اور دینی جذبات پیدا ہوں، اُسکے افسردہ و مردہ دل میں پھر محبت کی گرمی پیدا ہو، اور اُسکے مضمحل قوٰی میں پھر حرکت و نشاط پیدا ہو، اسکو کسی مخلص خداشناس پر اعتماد ہو اور اس سے وہ اپنے امراض روحانی و نفسانی میں علاج اور دین کی صحیح روشنی اور رہنمائی حاصل کرے۔ ناظرین کو اس کا اندازہ ہوچکا ہے کہ اسلامی حکومتیں جن کا یہ اصلی فرض تھا اسلئے کہ جس نبی کی نیابت و نسبت پر وہ قائم تھیں بقول سیدنا عمرؓ بن عبدالعزیزؒ وہ ہدایت کیلئے مبعوث ہوا تھا، جبایت "تحصیل وصول" کے لئے نہیں) نہ صرف اس فریضہ سے غافل اور کنارہ کش ہوچکی تھیں بلکہ اپنے سربراہوں اور عمّالِ حکومت کے اعمال و کردار کے لحاظ سے اس کام کیلئے مضر اور اس کے راستہ میں مزاحم تھیں، دوسری طرف وہ اس قدر بدگمان، توہّم پرست اور شکّی واقع ہوئی تھیں کہ کسی نئی تنظیم اور نئی دعوت کو جس میں قیادت و سیادت کی آمیزش پائیں برداشت نہیں کرسکتی تھیں۔ اسکو وہ فوراً کچل کر رکھ دیتیں۔ ایسی صورت میں مسلمانوں میں نئی دینی زندگی، نیا نظم و ضبط اور نئے سرے سے حرکت و عمل پیدا کرنے کیلئے اسکے علاوہ کیا شکل تھی کہ خدا کا کوئی مخلص بندہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر ایمان و عمل اور اتباعِ شریعت کیلئے بیعت لے اور مسلمان اس کے ہاتھ پر اپنی سابقہ غفلت و جاہلیت کی زندگی سے توبہ اور ایمان کی تجدید کریں اور پھر وہ نائب پیغمبرؐ انکی دینی نگرانی

وتربیت کرے، اپنی کیمیا اثر صحبت، اپنے شعلۂ محبت، اپنی استقامت اور اپنے نفسِ گرم سے پھر ایمانی حرارت، گرمیِ محبت، خلوص وللّٰہیت، جذبۂ اتباعِ سنّت اور شوقِ آخرت پیدا کردے، اُن کو اس نئے تعلق سے محسوس ہو کہ انھوں نے ایک زندگی سے توبہ کی ہے اور ایک نئی زندگی میں قدم رکھا ہے، اور کسی اللہ کے بندے کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا ہے، وہ بھی یہ سمجھے کہ ان بیعت کرنے والوں کی اصلاح وتربیت اور ان کی دینی خدمت اللہ نے میرے سپرد کی ہے اور اس محبت و اعتقاد کا مجھ پر نیا حق قائم ہوگیا ہے، پھر اپنے تجربوں و اجتہاد اور کتاب و سنّت کے اصول و تعلیمات کے مطابق ان میں صحیح روحانیت و تقویٰ اور ان کی زندگی میں ایمان احتساب و اخلاص اور ان کے اعمال و عبادات میں ایمانی کیفیات اور روح پیدا کرنے کی کوشش کرے، یہی حقیقت ہے اس بیعت تربیت کی جس سے دین کے مخلص داعیوں نے اپنے اپنے وقت میں احیاء و تجدیدِ دین اور اصلاحِ مسلمین کا کام لیا ہے اور لاکھوں بندگانِ خدا کو حقیقتِ ایمان اور درجۂ احسان تک پہنچا دیا ہے[1]۔"

بیعت ایک عہد و معاہدہ

یہ بیعت پچھلے گناہوں سے توبہ اور خدا و رسول کے احکام کی تعمیل اور اتباعِ شریعت کا ایک معاہدہ ہوتا تھا۔ سلطان المشائخؒ بیعت لیتے وقت بیعت کرنے والے سے کیا الفاظ کہلواتے تھے اور آئندہ کیلئے اس سے کیا عہد لیتے تھے کسی تذکرہ میں اسکے صحیح الفاظ نظر سے نہیں گزرے، لیکن حضرت خواجہ نے خود اپنے شیخ و مرشد شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کے بیعت لینے کا طریقہ اور ان کی تلقین کا ذکر کیا ہے اور ان کو اپنے شیخ سے جو والہانہ تعلق اور ان کی پیروی کا جو جذبہ تھا، اس سے یہی قیاس کیا جاسکتا ہے

[1] تاریخِ دعوت و عزیمت حصّہ اوّل ص ۲۰۲

کہ وہ بھی اسی طرح اپنے نئے مریدین کو تلقین فرماتے ہوں گے۔ ارشاد ہے:۔

"جب کوئی شخص شیخ شیوخ العالم فرید الدین والحق کی خدمت میں بہ نیت ارادت آتا فرماتے پہلے ایک بار سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھو اسکے بعد سورۂ بقر کا آخری رکوع اٰمن الرسول سے آخر تک پڑھتے، اسکے بعد شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو ...... ان الدین عند اللہ الاسلام تک پڑھتے، اسکے بعد فرماتے کہ تم نے بیعت کی اس ضعیف کے ہاتھ پر اسکے شیخ اور شیخ کے مشائخ کے ہاتھ پر اور حضرت پیغمبر علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے دستِ مبارک پر اور حضرت عزت (جل مجدہٗ) سے عہد کیا کہ اپنے ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی حفاظت اور شریعت کے راستہ اور طریقے پر قائم رہو گے[1]"

بیعت کی اس تلقین میں اسلام کے بنیادی عقائد آگئے، سمع وطاعت (سننے اور ماننے) کا وعدہ اور ارادہ بھی آگیا، یہ بات بھی آگئی کہ اللہ کے یہاں قابلِ قبول دین صرف دینِ اسلام ہے اس کا احساس بھی بیدار و تازہ کردیا گیا کہ یہ بیعت دراصل دستِ مبارک نبوی پر ہے اور شیخ کا ہاتھ اس دستِ مبارک کا قائم مقام ہے۔ رب العزت سے اس کا بھی عہد کیا گیا کہ ہاتھ پاؤں اور آنکھوں کی معصیتوں سے حفاظت کی جائے گی اور راہِ شریعت پر قائم رہا جائیگا، تجدیدِ ایمان اور خدا و رسول سے اپنا پرانا عہد استوار کرنے کا اس سے بہتر اور عام فہم طریقہ کیا ہو سکتا ہے؟ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ بیعت کرنے والے سو فی صدی اس عہد پر قائم رہتے تھے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بیعت کرنے والوں میں سے ایک بڑی تعداد اس اقرار و عہد کی شرم اور لاج رکھتی اور ہزاروں اور لاکھوں بندگانِ خدا کے لئے یہ تجدیدِ ایمان اور انقلابِ حال کا ذریعہ بن جاتی۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۲۳

عمومِ بیعت کی حکمت

بیعتِ ارشاد میں ان حضرات نے جو وسعتِ اذنِ عام فرما رکھا تھا اور جس طرح بغیر کسی امتحان اور امتیاز کے لوگوں کو اجازت تھی کہ وہ بیعت کریں اور حلقۂ ارادت میں داخل ہوجائیں، خاص طور پر حضرت خواجہ کے یہاں اس باب میں جو وسعت و رعایت تھی، اس پر بعض لوگوں کو یہ کھٹک پیدا ہو سکتی ہے کہ جب بیعت ایک معاہدہ ہے اور اس کا تعلق پوری زندگی سے ہے تو اس میں اتنی وسعت کیوں روا رکھی گئی ہے؟ حضرت خواجہ نے ایک موقع پر خود ہی اس اشکال کا جواب دیا ہے اور اس عمومیت کی حکمت بیان کی ہے۔

مولانا ضیاء الدین برنی (مصنّف تاریخ فیروز شاہی) فرماتے ہیں کہ میں ایک دن حضرت سلطان المشائخ کی خدمت میں حاضر تھا، اشراق سے چاشت تک آپ کی روح پرور و جان نواز باتیں سنتا رہا، اس روز خاص طور پر بہت کثرت سے لوگ بیعت ہوئے، یہ دیکھ کر میرے دل میں آیا کہ مشائخ متقدمین نے مرید کرنے میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ سلطان المشائخ نے اپنی فیاضیٔ عنایت سے اس کا اذن عام دیدیا ہے اور آپ خاص و عام سب کو مرید کر لیتے ہیں، میں نے چاہا کہ میں اس بارے میں سوال کروں سلطان المشائخ اپنے کشف سے میرے خطرے پر مطلع ہو گئے، فرمایا:۔

"مولانا ضیاء الدین! تم ہر طرح کی باتیں پوچھتے ہو، یہ نہیں پوچھتے کہ میں بغیر تحقیق کے آنے والوں کو کیوں مرید کر لیتا ہوں۔"

یہ سنکر مجھ پر لرزہ سا طاری ہو گیا اور میں نے آپ کے قدم لیکر عرض کیا کہ ایک عرصے سے میرے دل میں یہ اشکال تھا آج بھی یہ وسوسہ آیا تھا، اللہ نے آپ کے دل میں یہ بات ڈال دی۔ حضرت نے فرمایا:۔

"حق تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اپنی حکمتِ بالغہ سے ایک خاصیت رکھی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زمانہ کے لوگوں کی راہ و رسم اور عادتیں الگ ہوتی ہیں اور ان کے مزاج و طبیعت پچھلے لوگوں کے اخلاق و طبائع سے میل نہیں کھاتے، تھوڑے لوگ اس سے

مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ ایک تجربہ کی بات ہے۔ ارادت کی اصل یہ ہے کہ مرید ماسوی اللہ سے منقطع اور مشغول مع اللہ ہوجائے، جیسا کہ کتب تصوف میں تفصیل کے ساتھ درج ہے مشائخ متقدمین جب تک طالب ارادت میں انقطاع کلی نہ دیکھ لیتے بیعت کا ہاتھ نہیں بڑھاتے تھے، لیکن سلطان ابوسعید ابوالخیر کے عہد سے لیکر شیخ سیف الدین باخرزی کے زمانے تک، اور شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی سے لیکر شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس سرہ العزیز کے وقت تک کہ یہ سب حضرات سرآمد روزگار اور آیۃ من آیات اللہ تھے، خلق خدا کا ان کے دروازوں پر ہجوم ہوا اور ہر طبقہ کے لوگوں نے اژدحام کیا، ان بندگانِ خدا نے آخرت کی ذمہ داریوں سے ڈر کر ان عاشقانِ خدا کا دامن تھامنا چاہا اور ان مشائخ کبار نے بھی خاص و عام کو اپنی بیعت میں قبول کیا، اور خرقہ، توبہ و تبرک عطا کیا، ہر شخص ان محبوبانِ خدا کے معاملات پر اپنے کو قیاس نہیں کر سکتا کہ شیخ ابوسعید، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ شیوخ العالم فرید الحق والدین قدس اللہ اسرارہم نے جس طرح لوگوں کو مرید کیا، میں بھی مرید کروں اس لئے کہ اگر خدا کا کوئی محبوب گناہگاروں میں سے ایک عالم کو اپنے دامن عاطفت میں لے تو لے سکتا ہے — اب میں تمہارے سوال کا جواب لیتا ہوں کہ میں مرید کرنے میں کیوں زیادہ احتیاط سے کام نہیں لیتا اور اپنا اطمینان نہیں کرتا ایک وجہ تو یہ ہے کہ میں علی سبیل التواتر سُن رہا ہوں کہ بہت سے مرید ہونے والے معصیت سے تائب ہوجاتے ہیں، نماز باجماعت ادا کرنے لگتے ہیں اور اوراد و نوافل میں مشغول ہوجاتے ہیں، اگر میں بھی شروع ہی سے اس بات کی شرط کروں کہ ان میں ارادت کی حقیقت یعنی انقطاعِ کلی پایا جاتا ہے کہ نہیں، اور ان کو توبہ و تبرک کا خرقہ (جو خرقہ،

ارادت کی جگہ پر ہے) نہ دوں تو وہ خیر کی اس مقدار سے بھی جو ان اللہ کے بندوں سے وجود میں آرہی ہے محروم ہو جائیں گے، دوسرا سبب یہ ہے کہ بغیر اسکے کہ میرے دل میں خیال آئے یا میں اسکی درخواست اور التماس کروں یا کوئی وسیلہ اور سفارش اختیار کروں شیخ کامل و مکمل (شیخ کبیر) نے مجھے بیعت لینے کی اجازت دی۔ میں دیکھتا ہوں کہ ایک مسلمان بڑی عاجزی و درماندگی اور بڑی مسکنت و بیچارگی کے ساتھ میرے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے تمام گناہوں سے توبہ کی، میں یہ سمجھ کر کہ شاید اسکی بات سچ ہو، اسکو بیعت کرلیتا ہوں، خاص طور پر اسلئے کہ بہت سے معتبر لوگوں سے سنتا ہوں کہ بہت سے بیعت کرنیوالے اس بیعت کی وجہ سے معاصی سے باز آجاتے ہیں[۱]"

عمومی زندگی پر اثر

اس بیعت و تعلق کا جس سے مسلمانوں کے ہر طبقہ کے لوگ یکساں مستفیض ہوئے، عام زندگی و معاشرت، لوگوں کے اخلاق و عادات، اشغال و اوقات اور اہلِ حکومت سے لیکر اہلِ حرفہ تک کے حالات پر کیا اثر پڑا، اور دار الحکومت دہلی میں جو شوکت، قوت دولت و ثروت اور عیش و عشرت کا گہوارہ تھا اور مالِ غنیمت اور سینکڑوں ہزاروں برس کے خزانوں کے زر و جواہر، صناعوں کی مصنوعات اور ملک کے اطراف و جوانب کے تحائف و عجائبات روزانہ سیلِ رواں کی طرح وہاں امنڈ رہے تھے۔ دینداری، خدا طلبی، عشقِ الٰہی، توبہ و انابت اور رجوع الی اللہ صفائی معاملات، راست گفتاری اور دیانت داری کی کیا کیفیت پیدا ہوگئی تھی اس کی تفصیل اُس عہد کے صاحبِ نظر اور معتبر مؤرخ ضیاء الدین برنی کی زبان سے سُنئے وہ سلطان علاء الدین خلجی کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں[۲]:۔

---

[۱] سیر الاولیاء ص ۳۴۶ و ص ۳۴۸ بحوالہ حسرت نامہ مولانا ضیاء الدین برنی [۲] تاریخ فیروز شاہی کے اقتباس کا یہ ترجمہ سید صباح الدین عبد الرحمٰن ایم، اے (رفیق دار المصنفین) کی کتاب "بزم صوفیہ" سے حذف و اختصار کیساتھ نقل کیا گیا ہے۔ ص ۱۹۹ و ص ۱۰۲

"سلطان علاء الدین کے زمانہ کے مشائخ میں سے سجادۂ تصوف شیخ الاسلام نظام الدین
شیخ الاسلام علاء الدین اور شیخ الاسلام رکن الدین سے آراستہ تھا، ایک دنیا اُن کے
انفاس متبرکہ سے روشن ہوئی اور ایک عالم نے اُن کی بیعت کا ہاتھ پکڑا اور اُن کی مدد سے
گناہگاروں نے توبہ کی اور ہزاروں بدکاروں اور بے نمازیوں نے بدکاریوں سے ہاتھ اٹھا
لیا، اور ہمیشہ کے لئے پابند نماز ہو گئے اور باطنی طور پر دینی مشغلے کی طرف رغبت ظاہر کی اور
توبہ صحیح ہو گئی اور عبادات لازمہ اور متعدیہ کا معمول ہو گیا، اور دنیا کی حرص و محبت جو انسانوں
کے فواحش اور فرمانبرداری کی بنیاد ہے، ان مشائخ کے اخلاق حمیدہ اور ترک و تجرید کے
معاملات کے دیکھنے سے دلوں سے کم ہو گئی اور سالکوں کو نوافل اور وظائف کی کثرت اور
اوصاف عبودیت کی پابندی سے کشف و کرامات کی آرزو دل میں پیدا ہونے لگی، اور
ان بزرگوں کی عبادات و معاملات کی برکت سے لوگوں کے دلوں میں سچائی پیدا ہو گئی، اور
ان کے مکارم اخلاق و مجاہدہ و ریاضت کے دیکھنے سے اللہ والوں کے دلوں میں اخلاق کے
بدلنے کی خواہش پیدا ہوئی اور ان دینی بادشاہوں کی محنت اور اخلاق کے اثر سے خداوند
تعالیٰ کے فیض کی بارش دنیا میں ہونے لگی اور آسمانی مصیبتوں کے دروازے بند ہو گئے اور
ان کے زمانہ کے لوگ قحط و وبا کی مصیبت میں مبتلا اور گرفتار نہیں ہوئے اور ان کی
مخلصانہ اور عاشقانہ عبادت گزاری کی برکت سے مغلوں کا فتنہ جو سب سے بڑا فتنہ تھا، ایسا
فرو ہوا اور یہ تمام ملاعین اس قدر آوارہ و تباہ ہوئے کہ اس سے زیادہ تباہ نہیں ہو سکتے تھے اور
یہ تمام باتیں جو ان تینوں بزرگوں کے وجود سے ان کے معاصرین کو نظر آئیں، وہ شعار اسلام
کی بلندی کا ذریعہ بن گئیں اور احکام شریعت و طریقت کو جو رونق و رواج حاصل ہوا اس کا
کیا کہنا، کتنا عجیب زمانہ وہ تھا، جو سلطان علاء الدین کے آخری دسویں سال میں نظر آیا، ایک

طرف سلطان علاء الدین ؒ نے ملک کی بہتری کے لئے تمام نشی اور ممنوع چیزوں کو اور فسق و فجور کے اسباب کو قہر و غلبہ تعزیر و تشدد اور قید و بند سے روک دیا اور مال جو دینی اور ملکی فساد کا ذریعہ اور ہوا پرستوں کیلئے گناہوں کا آلہ اور حریصوں، بخیلوں اور تاجروں کیلئے سود، ذخیرہ اندوزی کا سامان اور فتنہ پردازوں کے لئے بغاوت کی استعداد اور نیکیوں کے لئے کبر، مفاخرت، غفلت اور کسلمندی پیدا کرنے والا ہے اور عبادت گذاروں کے لئے نسیان و فراموشی کا باعث ہے، سلطان علاء الدین ہر بہانہ سے کہ جو اسکو ملتا مالداروں اور حکام سے سختی سے لے لیتا اور بازار والوں کو کہ دنیا کی تمام قوموں میں سب سے زیادہ جھوٹ بولنے والی اور سب سے زیادہ فریب کرنے والی قوم ہے سچائی اختیار کرنے، سچائی کے ساتھ مال بیچنے اور سچ کہنے کے لئے خون خرابہ میں رکھتا تھا۔

دوسری طرف اسی زمانہ میں شیخ الاسلام نظام الدین نے بیعت کا عام دروازہ کھول رکھا تھا، اور گناہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے تھے اور اپنی مریدی میں قبول کرتے تھے، اور خاص و عام، غریب و دولت مند، بادشاہ و فقیر، عالم و جاہل شریف و رذیل، شہری اور دیہاتی، غازی و مجاہد، آزاد و غلام، سب کو طاقیہ، توبہ اور پاکی کی تعلیم دیتے تھے اور یہ تمام لوگ چونکہ اپنے کو شیخ کا مرید سمجھتے تھے، بہت سے گناہوں سے باز آتے تھے، اور اگر شیخ کے کسی مرید سے لغزش ہو جاتی بھی تو پھر از سر نو بیعت کر لیتے، اور توبہ کا خرقہ عطا کرتے تھے اور شیخ کی مریدی کی شرم تمام لوگوں کو بہت سی ظاہری و باطنی برائیوں سے روک دیتی تھی اور عام طور پر لوگ تقلید و اعتقاد کی وجہ سے عبادت کیطرف رغبت کرتے تھے، مرد و عورت بوڑھے، جوان، بازاری، عامی، غلام اور نوکر سب کے سب نماز ادا کرتے تھے،

اور زیادہ تر مرید چاشت و اشراق کے پابند ہو گئے تھے آزاد اور نیک کام کرنیوالوں نے شہر سے غیاث پور تک چند تفریحی مقامات پر چبوترے قائم کر دیئے تھے، چھپر ڈال دیئے تھے، کنویں کھدوا دیئے تھے، پانی سے بھرے ہوئے گھڑے اور مٹی کے لوٹے رکھوا دیئے تھے، چٹائیاں بچھوا دی تھیں، ہر چبوترہ اور ہر چھپر میں ایک چوکیدار اور ایک ملازم مقرر کر دیا تھا، تاکہ مرید اور توبہ کرنے والے نیک لوگوں کو شیخ کے آستانے تک آنے جانے میں نماز ادا کرنے کے وقت وضو کرنے کے لیئے کوئی تردد نہ ہو اور چبوترہ اور چھپر میں نفل پڑھنے والے نمازیوں کا ہجوم دیکھا جاتا تھا، ارتکاب گناہ لوگوں کے درمیان کم ہو گیا تھا، اور اکثر آدمیوں کے درمیان چاشت، اشراق، اوابین، تہجد اور زوال کے وقت رکعات نماز کی تحقیقات زیادہ تھی کہ ان نوافل میں ہر وقت کتنی رکعتیں ادا کرتے ہیں اور ہر رکعت میں کلام پاک کی کون سی سورۃ اور کون سی آیت پڑھتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پنجگانہ نمازوں اور ہر نفل سے فارغ ہونے کے بعد کون کون سی دعائیں آتی ہیں ۔ اکثر نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے غیاث پور کی آمد و رفت کے وقت پوچھتے تھے کہ شیخ رات کی نماز میں کتنی رکعتیں پڑھتے ہیں اور ہر رکعت میں کیا پڑھتے ہیں اور عشار کی نماز کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کتنی بار درود بھیجتے ہیں، اور شیخ فرید اور شیخ بختیار رات دن میں کتنی بار درود بھیجتے تھے اور کتنی بار سورۃ اخلاص پڑھتے تھے، نئے مرید شیخ کے قدیم مریدوں سے اسی قسم کے سوالات کرتے تھے، روزے، نوافل اور تقلیل طعام کے متعلق پوچھتے تھے، اس نیک زمانہ میں اکثر آدمیوں کو حفظ قرآن کا ذوق پیدا ہو گیا تھا، نئے مرید شیخ کے پرانے مریدوں کی صحبت میں رہتے تھے، پرانے مریدوں کو اطاعت، عبادت،

ترکِ تعلق، تصوف کی کتابوں کے پڑھنے مشائخ کے اوصاف حمیدہ اور ان کے معاملات کے بیان کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا، دنیا اور دنیاداروں کا ذکر ان کی زبان پر نہیں آتا تھا، کسی دنیادار کے گھر کی طرف اپنا رخ نہیں کرتے تھے، دنیا اور اہل دنیا کے میل جول کی حکایتیں نہیں سنتے تھے اور اس کو عیب اور گناہ جانتے تھے ــ کثرت نوافل اور اسکی پابندی کا معاملہ اس بابرکت زمانہ میں اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ بادشاہ نے محل میں بہت سے امراء، سلاحدار، لشکری، شاہی نوکر شیخ کے مرید ہوتے تھے اور چاشت و اشراق کی نمازیں ادا کرتے تھے، ایام بیض اور عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھتے تھے اور کوئی محلہ ایسا نہیں تھا جس میں ایک مہینہ بیس دن کے بعد صلحا کا اجتماع نہیں ہوتا تھا، اور صوفیوں کی محفل سماع نہیں ہوتی تھی اور باہم گریہ وزاری نہیں کرتے تھے۔ شیخ کے چند مرید تراویح کی نمازیں مسجدوں اور گھروں میں ختم قرآن کرتے، وہ لوگ جو مستقیم الحال ہو چکے تھے، رمضان، جمعہ اور تہواروں کی راتوں میں قیام کرتے اور صبح تک بیدار رہتے، پلک کو پلک سے نہیں لگنے دیتے، شیخ کے مریدوں میں سے بڑے درجہ کے مرید تمام سال رات کے ایک یا دو تہائی حصے تہجد کی نماز میں گذارتے، بعض عبادتگذار عشا کی نماز کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے، شیخ کے مریدوں میں سے چند آدمیوں کو میں جانتا ہوں کہ شیخ کے فیض نظر سے صاحب کشف و کرامات ہو گئے تھے، شیخ کے مبارک وجود، ان کے انفاس کی برکت، ان کی مقبول دعاؤں کی وجہ سے اس ملک کے اکثر مسلمان عبادت، تصوف اور زہد کیطرف مائل اور شیخ کی ارادت کی طرف راغب ہو گئے تھے ــ سلطان علاء الدین اپنے تمام گھر والوں کے ساتھ شیخ کا معتقد اور مخلص ہو گیا تھا، خواص و عوام کے دلوں نے نیکی اختیار کر لی تھی، عہد علائی کے چند آخری سالوں میں شراب، معشوق، فسق و

فجور، جوا، فحاشی وغیرہ کا نام اکثر آدمیوں کی زبان پر نہیں آنے پاتا، بڑے بڑے گناہ لوگوں کے نزدیک کفر کے مشابہ معلوم ہونے لگے تھے۔ مسلمان ایک دوسرے کی شرم سے سودخواری اور ذخیرہ اندوزی کے کھلم کھلا مرتکب نہیں ہو سکتے تھے، بازار والوں سے جھوٹ بولنے، کم تولنے اور آمیزش کرنے کا رواج اٹھ گیا تھا، اکثر طالبعلموں اور بڑے بڑے لوگوں کی رغبت جو شیخ کی خدمت میں رہتے تھے تصوف اور احکامِ طریقت کی کتابوں کے مطالعہ کی طرف ہوگئی تھی، قوت القلوب، احیاء العلوم ترجمۂ احیاء العلوم، عوارف، کشف المحجوب، شرح تعرف، رسالہ قشیری، مرصاد العباد، مکتوبات عین القضاۃ، لوائح و لوامع قاضی حمید الدین ناگوری، فوائد الفواد، میر حسن سجزی کے بہت سے خریدار پیدا ہو گئے تھے، زیادہ تر لوگ، کتب فروشوں سے سلوک و حقائق کی کتابوں کے بارے میں دریافت کرتے تھے، کوئی پگڑی ایسی نہ تھی جس میں مسواک اور کنگھی لٹکی نظر نہ آتی تھی، صوفیوں کی کثرت خریداری کی وجہ سے لوٹے اور چرمی طشت گراں ہو گئے تھے، حاصل کلام یہ کہ خداوند تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدی میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا۔"[1]

عشق کا "روز بازار"

توبہ، تجدید ایمان اور اصلاحِ حال کے اس عام ذوق و رجحان کے علاوہ جس سے دہلی کا کوچہ کوچہ متاثر ہو رہا تھا اور ایوانِ شاہی اور "بامِ ہزار ستون" تک اس کی لہریں پہنچی تھیں، ایک نئی تبدیلی یہ تھی کہ دماغی نخوت اور قلبی افسردگی کی

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ضیاء الدین برنی ص ۳۴۶ و ص ۳۴۱

اس دنیا میں جہاں "ہائے و نوش اور عیش کوش" کے سوا عرصہ سے کوئی صدا بلند نہیں ہوتی تھی، جذبۂ الٰہی کی ایک ہوا چلنے لگی اور عشق کا سودا عام ہو گیا، ہر جگہ درد و محبّت کا تذکرہ، حقیقت و معرفت کی باتیں اور عارفانہ و عاشقانہ اشعار کی گونج تھی۔ امیر خورد مصنّف سیر الاولیاء نے خوب لکھا ہے:-

کار محبّت و عشق رارونق بازارے	محبّت و عشق کے کاروبار کا زمانہ
درجہاں پیدا آمدے ..... و خلق	میں ایک بازار لگ گیا، لوگوں کو
را در آں زماں راحت جز حکایت	سماع کی حکایات، سننے، اخلاص و
سماع و اخلاص و نیازمندی و شفقت	و نیازمندی، شفقت و نرمی، دلجوئی
و لینّت و دل دریافتن و سر در زیر	اور اہلِ دل کے قدموں پر سر رکھ دینے
پائے اہل دلاں نہادن کارے دیگر	کے علاوہ کسی اور بات سے راحت
نبودے[۱]	نہیں حاصل ہوتی تھی۔

خلفاء کی تربیت

اس سلسلۂ ارشاد و تربیت اور طریقۂ عشق و محبت کو ہندوستان میں دور دور تک پھیلانے اور دیر تک قائم رکھنے کے لئے آپ نے اپنے عالی استعداد، سراپا اخلاص خلفاء کا بڑا اہتمام فرمایا، ان میں وہ سب اوصاف و کمالات پیدا کرنے کی کوشش فرمائی جو مشائخ کاملین کے لئے ضروری ہیں، ان سے مجاہدات کرائے، ان کے قلوب کی نگرانی کی، ان میں جو اعلیٰ استعداد رکھتے تھے، لیکن زیورِ علم سے عاری تھے اُن کی تعلیم و تکمیل کا بندوبست کیا، ان میں سے جن کے دلوں سے ابھی تک بحث و مناظرے کا نشہ نہیں گیا تھا، ان کی اصلاح فرمائی جو خلق خدا کی رہنمائی اور اجتماعی زندگی کے اہل تھے، لیکن انھیں گوشہ نشینی، عزلت گزینی

---

[۱] سیر الاولیاء، ص۳۰۶

اور انفرادی عبادات و مجاہدات کا ذوق تھا، ان کو اجتماعی زندگی اختیار کرنے اور "خلق خدا کی جفا و قفا" کو برداشت کرنے پر مجبور کیا، اصلاح و تربیت کا جو عالمگیر کام آپ کے پیش نظر تھا اور اپنے خواص اصحاب سے دین کی دعوت کا جو کام لینا تھا اس میں جو چیز حارج اور مزاحم نظر آئی آپ نے اسکو ترک کر دیا۔

سیر الاولیاء میں ہے کہ ایک دن بلند حیثیت کے دوستوں اور خدام نے جن کا وطنی تعلق اودھ سے تھا آپس میں طے کیا کہ سلطان المشائخ سے پڑھنے پڑھانے اور بحث و مذاکرہ کرنے کی اجازت طلب کریں، اگرچہ ان دوستوں میں سے ہر ایک عالم متبحر تھا لیکن سلطان المشائخ کے فیض صحبت سے یادِ حق میں مشغول تھا، مگر جس کام میں عمر گذاری تھی اس کا شوق بالآخر اس کا محرک ہوا۔ مولانا جلال الدین کو لوگوں نے آگے کیا اور خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت سلطان المشائخ پر یاد الٰہی کی ایسی کچھ تجلی تھی کہ لوگوں کو بات کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ مولانا جلال الدین کو کچھ جرأت تھی، انھوں نے عرض کیا کہ حضرت اگر اجازت ہو تو احباب کسی وقت بحث کر لیا کریں، سلطان المشائخ سمجھ گئے کہ یہ ان سب علماء کا عندیہ ہے اور یہ مولانا جلال الدین ان کے نمائندہ ہیں۔ فرمایا کہ: میں کیا کروں مجھے تو ان سے تو دوسرا ہی کام لینا مقصود ہے[1]۔

مولانا سید نصیر الدین محمود جو بعد میں حضرت خواجہؒ کے خلیفہ اعظم اور اصل جانشین ہوئے اور چراغ دہلی کے نام سے ان کا نام تمام دنیا میں روشن ہے، اس بات کے بڑے خواہشمند تھے کہ وہ کسی جنگل یا پہاڑ پر بیٹھ کر خدا کی یاد کریں۔ انھوں نے ایک دن امیر خسرو کو واسطہ بنایا اور کہلوایا کہ یہ ناچیز اودھ میں رہتا ہے، خلق کے ہجوم سے اپنی مشغولیت میں فرق پڑتا ہے اگر اجازت ہو تو میں کسی صحرا یا پہاڑ پر رہ کر فراغ خاطر کے ساتھ خدا کی عبادت کروں۔

---

[1] سیر الاولیاء ص ۳۰۶

امیر خسرو نے جب یہ پیغام عرض کیا تو ارشاد ہوا :-

اورا بگو ترا درمیان خلق می باید بود	اُن سے کہدو کہ تمکو مخلوق ہی کے درمیان
وجفا و قفائے خلق می باید کشید	رہنا ہوگا، اور مخلوق کی بے مرّوتی اور
و مکافات آں ببذل وایثار و عطا	بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس
می باید کرد[1]	کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا ۔

مولانا حسام الدین ملتانی نے خلافت کے بعد عرض کیا کہ :- اگر اجازت ہو تو شہر چھوڑ دوں اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروں، اس لئے کہ شہر میں کنوؤں کا پانی ملتا ہے اور اس سے وضو کرنے میں دل کو اطمینان نہیں ہوتا[2]، ارشاد ہوا کہ نہیں شہر ہی میں رہو اور ایک عام آدمی کی طرح رہو سہو، نفس چاہتا ہے کہ تم کو ایک آرام کی جگہ لیجائے اور ایسی جگہ رکھے کہ تمہیں جمعیت خاطر نصیب نہ ہو، جب تم شہر سے باہر چلے جاؤ گے اور کسی چشمہ کے کنارے سکونت اختیار کروگے تو پردیسی اور شہری تمہارا سراغ لگا کر پہنچیں گے اور مشہور ہوگا کہ فلاں درویش فلاں جگہ مقیم ہے اور پھر تمہارا وقت خراب کرے گا، اس کے علاوہ کنویں کے پانی میں علماء کا اختلاف ہے اور شریعت نے اس میں وسعت دی ہے ۔

چشتی خانقاہیں

اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ کو بڑے جلیل القدر خلفاء عطا فرمائے تھے جن میں سے حسب ذیل خاص طور پر مشہور و ممتاز ہوئے :-

(۱) مولانا شمس الدین یحییٰ
(۲) شیخ نصیر الدین محمود
(۳) شیخ قطب الدین منور ہانسوی
(۴) شیخ حسام الدین ملتانی
(۵) مولانا فخر الدین زرادی
(۶) مولانا علاء الدین نیلی

---

[1] سیر الاولیاء صفحہ ۲۳۷ [2] پانی بھرنے والوں کی بے احتیاطی کی وجہ سے اور کسی چیز کے گرنے پڑنے کے خیال سے ۔

(۷) مولانا برہان الدین غریب (۸) مولانا یوسف چندیری

(۹) مولانا سراج الدین اخی سراج (۱۰) مولانا شہاب الدین

مریدین با اختصاص

(۱) خواجہ ابوبکر (۲) مولانا محی الدین کاشانی

(۳) مولانا وجیہ الدین پائلی (۴) مولانا فخر الدین مروزی

(۵) مولانا فصیح الدین (۶) امیر خسرو

(۷) مولانا جلال الدین (۸) خواجہ کریم الدین سمرقندی

(۹) امیر حسن علا سنجری (۱۰) قاضی شرف الدین

(۱۱) مولانا بہار الدین ادہمی (۱۲) شیخ مبارک گوپاموی

(۱۳) خواجہ موید الدین کردی (۱۴) خواجہ تاج الدین داوری

(۱۵) خواجہ ضیاء الدین برنی (۱۶) خواجہ موید الدین انصاری

(۱۷) خواجہ شمس الدین خواہر زادہ (۱۸) مولانا نظام الدین شیرازی

(۱۹) خواجہ سالار (۲۰) مولانا فخر الدین میرٹھی

ان میں حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کو آپ نے خلافت خاص عطا فرمائی اور اپنا جانشین بنایا۔ وہ اپنے شیخ کے قدم بقدم تھے، انھوں نے نہایت نامساعد حالات اور سخت سیاسی طوفاں میں رشد و ہدایت کا یہ چراغ روشن رکھا۔ بقول شاعر؎

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جس کو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

فیروز تغلق کی تخت نشینی اور اس سے ہندوستان کو جو فیوض و برکات پہنچے اُس میں حضرت سید نصیر الدین ہی کا ہاتھ تھا، پورے تیئیس[۳۲] سال تک انھوں نے سلسلہ چشتیہ کا مرکزی نظام دار الحکومت دہلی میں بیٹھ کر کامیابی کیساتھ چلایا، پھر اس چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوا، جس نے جنوبی ہند ہی نہیں سارے ہندوستان کو عشق و محبت کی حرارت سے گرم اور اس کی خوشبو سے معطر کردیا، یعنی حضرت سید محمد گیسو درازؒ مدفون گلبرگہ[۲] (م ۸۲۵ھ) جن کے متعلق کسی صاحب نظر نے کہا ہے ؎

هر کو مرید سید گیسو دراز شد
والله خلاف نیست که او عشق باز شد

حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے دوسرے خلیفہ علامہ کمال الدین (م ۷۵٦ھ) تھے، جن کی اولاد اور خلفاء نے اس سلسلہ کو اس صدی تک آب و تاب کیساتھ قائم رکھا، اس سلسلہ میں حضرت یحییٰ مدنی، شاہ کلیم اللہ جہان آبادی، مولانا شاہ فخر الدین دہلوی، خواجہ نور محمد مہاروی، شاہ نیاز احمد بریلوی اور خواجہ سلیمان تونسوی جیسے اکابر روزگار گذرے، جنھوں نے عشق الٰہی کا بازار گرم رکھا، اور لاکھوں بندگانِ خدا کے دلوں میں محبت الٰہی اور خدا طلبی کی آگ بھڑکا دی[۳]۔

حضرت چراغ دہلی کے خلفاء میں شیخ عبد المقتدر کندی، شیخ احمد تھانیسری اور شیخ جلال الدین حسین بخاری معروف بمخدوم جہانیاں جہاں گشت خاص طور پر قابل ذکر ہیں — ان میں ہر ایک شیخ وقت اور مرجع خلائق تھا۔

---

[۱] ملاحظہ ہو تاریخ فیروز شاہی، از سراج عفیف۔

[۲] حضرت خواجہ سید محمد گیسو درازؒ کے حالات و کمالات کیلئے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔

[۳] ان بزرگوں کے مفصل حالات کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ مشائخ چشت" از پروفیسر خلیق احمد نظامی۔

دہلی کی مرکزی خانقاہ کے بعد جس کے مسند ارشاد پر یکے بعد دیگرے دو شیخ اجل حضرت خواجہ نظام الدینؒ اور حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ متمکن رہے: ہندوستان کے مختلف مقامات پنڈوہ، لکھنوتی، دولت آباد، گلبرگہ، برہان پور، زین آباد، مانڈو، احمد آباد، صفی پور، مانک پور سلون میں چشتی خانقاہیں قائم ہوئیں، جنھوں نے صدیوں تک چراغ سے چراغ روشن رکھا اور عشق و محبت، صدق و اخلاص، علو ہمت و عزیمت، خدمت خلق، ایثار و قربانی، بذل و عطا، فقر و زہد، علم و معرفت کی شمع روشن رکھی، اور ہندوستان کی فضا کو جس پر پے در پے مادیت اور غفلت کے حملے ہوتے رہے اور کسی وقت ایسا محسوس ہوا کہ سارا ملک تنکے کی طرح غفلت و تعیش کے سیلاب میں بہ جائے گا اور متاع درد جس کشتی میں ہے وہ بھی غرق ہو جائے گی، لیکن ان سوختہ سامانوں اور سوختہ دلوں نے اس متاع کی حفاظت کی اور یہ آگ کہیں نہ کہیں سلگتی رہی، ان میں ہر خانقاہ اور اسکے دینی و اصلاحی کارناموں کیلئے ایک مستقل ضخیم کتاب درکار ہے، خاص طور پر بنگال میں شیخ علاء الحقؒ[۱] پنڈوی، حضرت نور قطب عالم[۲] پنڈوی

---

[۱] شیخ علاء الدین علاء الحق پنڈوی کا اصل نام عمر ہے، آپکے والد اسعد لاہوری بنگال میں منصب وزارت پر فائز تھے۔ شیخ علاء الحق حضرت محبوب الٰہی کے مشہور خلیفہ مولانا سراج الدین عثمانی اودی معروف بہ اخی سراج (۷۵۸) کے خلیفہ اور پنڈوہ کی مشہور عالم چشتی خانقاہ کے بانی ہیں۔ سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی (م ۸۰۸ھ) آپ ہی کے خلیفہ ہیں ۸۰۰ھ میں وفات پائی۔

[۲] نور الدین احمد نام، نور الحق اور قطب عالم لقب، اپنے والد شیخ علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و جانشین تھے اللہ تعالیٰ نے بڑی مقبولیت و مرجعیت عطا فرمائی، آپکے زمانہ میں پنڈوہ کی خانقاہ ہندوستان کی سب سے بڑی خانقاہ تھی۔ مجاہدات، خدمت خلق اور بے نفسی و خود شکنی اور علوم و حقائق میں مرتبۂ عالی رکھتے تھے۔ خلفاء میں حضرت شیخ حسام الدین حسام الحق مانکپوری (م ۸۵۳ھ) خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن کی ذات سے بہار اور اودھ میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی بڑی اشاعت ہوئی۔ ۸۱۸ھ میں وفات پائی، تصنیفات میں "مونس الفقراء" "انیس الغرباء" اور مکاتیب کا مجموعہ یادگار ہے۔ ملفوظات و مکتوبات میں غضب کی سادگی اور تاثیر ہے۔ (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۳)

دکن میں شیخ برہان الدین غریب اُن کے خلفا میں شیخ زین الدین، شیخ یعقوب، شیخ کمال الدین ناگوری نتنی، پھر ان کے خلیفہ قطب عالم عبداللہ بن محمود بن الحسین (م ۸۵۷) اور ان کے فرزند و خلیفہ شاہ عالم گجراتی نے بوریائے فقر پر بیٹھ کر اپنے اپنے زمانہ میں بادشاہی کی ہے۔

مالوہ میں شیخ وجیہ الدین یوسف، شیخ کمال الدین، مولانا مغیث الدین وغیرہ اودھ میں حضرت شیخ محمد بینا لکھنوی، شیخ سعد الدین قدوائی خیرآبادی، شیخ عبدالصمد عرف صفی الدین صفی پوری، شیخ حسام الحق مانک پوری، شیخ عبدالکریم مانک پوری اور شاہ پیر محمد سلونی اور شاہ پیر محمد لکھنوی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، یہ سب سلسلۂ نظامیہ کے شیوخ کبار ہیں جنھوں نے اپنی اپنی جگہ ارشاد و ہدایت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ سرگرمی کے ساتھ جاری رکھا۔ ان سے فیض پانے والوں کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

ان خالص چشتی خانقاہوں کے علاوہ ہندوستان میں جابجا ایسی نامور خانقاہیں بھی قائم تھیں جن کے مشائخ کبار اور بانیانِ سلسلہ کو سلسلۂ نظامیہ کے مشائخ چشت سے نسبتِ خاص اور اجازتِ عام حاصل تھی اور وہ چشتی ذوق اور نسبت کے حامل تھے، ان میں سے جونپور کی خانقاہ رشیدی اور پھلواری شریف کی خانقاہ مجیبی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ خانقاہ رشیدی کے بانی حضرت علامہ محمد رشید جونپوری (م ۱۰۸۳ھ) کو اپنے شیخ طیب بنارسی اور سید احمد الحکیم حسینی مانکپوری سے سلسلۂ حسینیہ نظامیہ میں اجازت حاصل تھی، خانقاہ مجیبی کے بانی تاج العارفین حضرت شاہ محمد مجیب اللہ قادری پھلواروی (م ۱۱۹۱ھ) کو سلسلہ چشتیہ نظامیہ اپنے پیر بیعت حضرت خواجہ عماد الدین قلندر اور حضرت شاہ معین الدین کرجوی کے واسطے سے پہونچا ہے۔ شاہ معین الدین کرجوی حضرت شیخ پیر محمد سلونی کے خلیفہ تھے۔

آخر میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی ذات سلسلۂ نظامیہ و صابریہ اور ان کی خصوصیتوں

اور برکتوں کی جامع تھی۔ حضرت حاجی صاحب کو سلسلہ نظامیہ سے نسبت حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے طریق سے حاصل تھی، جن کو حضرت درویش بن محمد قاسم اودھی سے سلسلہ نظامیہ میں اجازت تھی۔ حضرت درویش کو تین طریقوں سے سلسلۂ نظامیہ پہونچا تھا[1]۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تذکرۃ الرشید" ج ۲ (ص ۱۰۶)

باب ہفتم

حضرت خواجہؒ کی تعلیم و تربیت کے اثرات
آپ کے خلفاء کی دینی و اصلاحی خدمات

حضرت سلطان المشائخ نے اپنے خلفاء اور مریدین کی بڑے اہتمام اور توجہ سے تربیت فرمائی تھی۔ سلطان علاء الدین خلجی کے امراء دربار اور ارکان سلطنت میں سے ایک بڑے عہدہ دار خواجہ موید الدین تھے، ان کو حضرت خواجہؒ سے تعلق پیدا ہو گیا، اور یہ تعلق اتنا بڑھا کہ اُن کی طبیعت "سرکار دربار" سے اُچاٹ ہو گئی اور وہ حضرت خواجہؒ کی خدمت میں رہ پڑے۔ سلطان ان کا بڑا قدر دان تھا اور اُن کی ضرورت محسوس کرتا تھا۔ اس نے ایک حاجب کے ذریعہ حضرت خواجہؒ سے شکایت کی اور کہا کہ: حضرت ہر ایک کو اپنا جیسا بنانا چاہتے ہیں۔ حضرت خواجہؒ نے جواب میں فرمایا کہ بد اپنے جیسا کیا، اپنے سے بہتر۔[1]

حضرت خواجہؒ کی صحبت و تربیت سے صرف عبادت و ریاضت کا ذوق اور اپنی اصلاح و ترقی ہی کی فکر نہیں پیدا ہوئی تھی، بلکہ دعوت و تبلیغ کا جذبہ، امر بالمعروف، نہی عن المنکر کی ہمت اور حوصلہ،

---

[1] سیر الاولیاء (ص ۳۱۱)

سلاطینِ وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے کی جرأت اور بے خوفی و شجاعت بھی پیدا ہوگئی تھی، اور یہ خدا کے نام اور مردانِ خدا کی صحبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں اللہ کا خوف سما جائے گا اُس دل سے غیر اللہ کا خوف قدرتی طور پر نکل جائیگا اور جو دل طمع دنیا سے آزاد ہوجائے گا اُس پر کسی کا رعب اور اس کو کسی سے ہراس نہیں ہوسکتا، جس پر خالق کی عظمت اور مخلوق کی صحیح حیثیت کا انکشاف ہوگیا، وہ سلاطین عالم کے کروفر، ان کے دربار کے تزک و احتشام اور اُن کے غلاموں اور افسروں کی صف بندیوں اور "نگاہ روبرو" اور "دورباش" کو بچوں کے کھیل اور گڑیوں کے گھروندوں سے زیادہ وقعت نہیں دے سکتا اور جاہ و جلال کی کسی نمائش پر کلمۂ حق کہنے سے کبھی باز نہیں رہ سکتا، یہی توحید و تجرید کا طبعی نتیجہ، حقیقی تصوف کا خاصہ اور مردانِ خدا اور درویشانِ کامل کا شیوہ ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ ۔۔۔ ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی ۔۔۔ اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

حضرت خواجہؒ کے تربیت یافتہ خدام و مریدین نے اس "اسد اللّٰہی" اور اس حق گوئی و بیباکی کے ایسے نمونے پیش کئے جن کی نظیر ملنی آسان نہیں۔

سلاطینِ وقت سے بے رعبی اور حق گوئی کے نمونے

سلطان محمد تغلق کے شوکت و جبروت سے تاریخ کا ہر طالب علم واقف ہے۔ سلطان کا ایک مرتبہ ہانسی کے پاس سے گزر ہوا، وہاں سے چار کوس کے فاصلہ پر نیسی مقام میں خیمۂ شاہی و خرگاہ نصیب ہوا، سلطان نے مخلص الملک نظام الدین ندرباری کو جو اپنے ظلم و فسادت میں اس زمانہ میں مشہور تھا ہانسی کے حصار کے معائنہ کے لئے بھیجا، وہ جب حضرت شیخ قطب الدین منور (نبیرہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی و خلیفہ حضرت سلطان المشائخ) کے مکان کے پاس پہنچا تو دریافت کیا کہ یہ مکان کس کا ہے؟ لوگوں نے کہا شیخ قطب الدین منور کا جو حضرت سلطان المشائخ کے خلیفہ ہیں

کہا کہ عجیب بات ہے کہ بادشاہ اس جوار میں آئے اور شیخ اسکے سلام کو حاضر نہ ہوں، مخلص الملک نے واپسی پر سب کیفیت عرض کی اور یہ بھی کہا کہ سلطان المشائخ کے ہانسی میں ایک خلیفہ ہیں جو جہاں پناہ کے سلام کیلئے حاضر نہیں ہوئے - بادشاہ کو یہ سنکر غصہ آیا، اسی وقت حسن سر برہنہ کو جو ایک بڑا مغرور وجاہ پسند شخص تھا شیخ قطب الدین کو لانے کے لئے بھیجا، حسن سر برہنہ جب مکان کے قریب پہنچا تو تنہا پیادہ پا شیخ کی دہلیز میں آکر عاجزانہ طریقے پر بیٹھ گیا۔ شیخ نے بلایا حسن نے جاکر عرض کیا کہ آپ کی بادشاہ کے یہاں طلبی ہے۔ فرمایا کہ اس میں مجھے کچھ اختیار ہے یا نہیں؟ اس نے کہا مجھے فرمانِ سلطانی ہے کہ میں آپ کو بہر حال لے آؤں۔ شیخ نے فرمایا الحمدللہ کہ میں اپنے اختیار سے نہیں جا رہا ہوں۔ پھر گھر والوں کی طرف رخ کیا اور فرمایا کہ تم کو خدا کے سپرد کیا، یہ کہا اور مصلّی کاندھے پر ڈالا، لاٹھی ہاتھ میں لی اور پیادہ پا روانہ ہوگئے، حسن نے سواری کے لئے عرض کیا: فرمایا: - نہیں مجھ میں قوت ہے، میں پیدل چل سکتا ہوں۔ جب ہنسی پہنچے تو سلطان کو خبر ہوئی، سلطان نے حکم دیا کہ دہلی چلیں۔ دہلی پہنچ کر دربارِ شاہی میں طلب کیا۔ شیخ نے فیروزشاہ سے جو اس زمانہ میں نائب باربک تھے کہا کہ ہم فقیر لوگ ہیں بادشاہوں کی مجلس کے آداب سے واقف نہیں، جیسا آپ کا مشورہ ہو ویسا کیا جائے۔ فیروز نے جو فقیر دوست اور صحیح الاعتقاد شخص تھا کہا کہ لوگوں نے آپکے متعلق بادشاہ کے کان بہت بھرے ہیں، اگر آپ کچھ تعظیم اور تواضع سے کام لیں تو بہتر ہے۔ ایوانِ شاہی کی دہلیز میں قدم رکھا تو امرار وملوک اور نقیب وچاؤش دو رویہ کھڑے تھے۔ صاحبزادہ نور الدین جو ہانسی سے ہمرکاب آئے تھے، کم عمر تھے اور انھوں نے کبھی بادشاہوں کی بارگاہ نہیں دیکھی تھی، ان پر ایک ہیبت سی طاری ہوئی۔ شیخ قطب الدین منور نے ان سے پکار کر کہا کہ:

با بانور الدین! العظمۃ والکبریاء للہ" صاحبزادہ کا بیان ہے کہ یہ سنتے ہی میرے اندر ایک قوت پیدا ہوئی، سارا رعب جاتا رہا اور جو امرار وملوک وہاں کھڑے تھے وہ مجھے بالکل بکریوں کی طرح معلوم ہونے لگے۔ جب سلطان کو یہ اندازہ ہوا کہ شیخ آرہے ہیں تو وہ کھڑا ہوگیا اور کمان ہاتھ میں لیکر تیراندازی

ین مشغول ہوگیا۔ شیخ قریب آئے تو اُس نے خلافِ معمول تعظیم کی اور مصافحہ کیا۔ شیخ نے بہت مضبوطی سے بادشاہ کا ہاتھ پکڑا۔ بادشاہ نے کہا کہ میں آپکے جوار میں پہنچا، آپ نے میری کوئی تربیت نہ فرمائی اور اپنی ملاقات سے عزت نہ بخشی، شیخ نے فرمایا کہ یہ درویش اپنے کو اس کا اہل نہیں سمجھتا کہ بادشاہوں سے ملاقات کرے، ایک کونے میں بیٹھا ہوا بادشاہ اور اہلِ اسلام کی دعاگوئی میں مصروف ہے۔ اسکو معذور سمجھا جائے۔ بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اپنے بھائی فیروز شاہ سے کہا کہ شیخ کی جیسی مرضی ہو ویسا کرو۔ شیخ منور نے فرمایا کہ مجھ فقیر کا مقصود و مطلوب یہی ہے کہ اپنے دادا اور باپکے گوشۂ عافیت میں واپس جائے۔ فیروز شاہ نے اس کی تعمیل کی۔ شیخ کی واپسی کے بعد بادشاہ نے ایک امیر سے کہا کہ مجھے جن بزرگوں سے مصافحہ کرنے کا اتفاق ہوا ہے جس نے مجھ سے ہاتھ ملایا اُس کے ہاتھ میں کپکپی تھی لیکن شیخ منور نے اتنی مضبوطی سے مصافحہ کیا کہ ان پر ذرا اثر نہیں معلوم ہوتا تھا۔

بادشاہ نے فیروز شاہ اور مولانا ضیاءالدین برنی کو ایک لاکھ تنکے کے ساتھ شیخ منور کی خدمت میں بھیجا شیخ نے فرمایا نعوذ باللہ کہ یہ درویش ایک لاکھ تنکہ قبول کرے۔ انھوں نے واپس آکر سلطان سے عرض کیا۔ سلطان نے کہا کہ اگر ایک لاکھ قبول نہیں کرتے تو پچاس ہزار پیش کرو۔ شیخ نے اسکو بھی قبول نہ کیا۔ سلطان نے فرمایا اگر شیخ یہ بھی قبول نہ کریں گے تو خلقت مجھے کیا کہے گی یہاں تک کہ بات دو ہزار تک پہنچی۔ فیروز شاہ اور مولانا ضیاءالدین نے عرض کیا کہ اس سے کم کا ہم بادشاہ کے سامنے تذکرہ نہیں کر سکتے، شیخ نے فرمایا کہ سبحان اللہ! درویش کو تو دو سیر چاول دال ایک سیر انگا کا گھی کافی ہے وہ ان ہزاروں روپیوں کو کیا کرے گا، بڑی کوششوں اور حیلوں سے یہ کہہ کر بادشاہ درپے آزار ہو جائے گا آپنے دو ہزار تنکے قبول کئے اور وہ بھی اپنے برادران طریقت اور اہلِ حاجت میں تقسیم کر کے ہانسی واپس آگئے[۲]۔

جس زمانہ میں سلطان محمد تغلق نے دہلی کی آبادی کو دیوگیر منتقل ہوجانے کا حکم دیا، اس زمانہ میں اس نے عزم کیا کہ ترکستان اور خراسان کو بھی اپنے قبضہ میں لائے اور چنگیز خان کی اولاد کا قلع قمع کرے[۲]، اسی زمانہ میں حکم ہوا کہ دہلی اور

---

[۱] تنکہ یا تنگا، اس عہد میں ہندوستان کا روپیہ تھا، اس میں ایک تولہ چاندی ہوتی تھی، یہ ترکی زبان کا لفظ ہے اسکے معنی سفید کے ہیں یعنی نقرئی سکہ۔ [۲] سیر الاولیاء ص ۲۵۳ تا ص ۲۵۵

اطراف دہلی کے تمام صدور و اکابر حاضر ہوں بڑے بڑے خیمے نصب کریں، ان خیموں میں منبر رکھے جائیں اور ان ممبروں پر چڑھ کر حضرات علماء تقریر کریں اور جہاد کی ترغیب دیں۔ اس روز حضرت خواجہ نظام الدینؒ کے خلفاء خاص مولانا فخر الدین زرادی، مولانا شمس الدین یحییٰ اور شیخ نصیر الدین محمود کی بھی طلبی ہوئی۔ شیخ قطب الدین دبیرؒ جو حضرت سلطان المشائخ کے ایک راسخ الاعتقاد مرید اور مولانا فخر الدین زرادی کے شاگرد تھے مولانا فخر الدین کو سب سے پہلے بارگاہ سلطانی میں لئے۔ مولانا کو سلطان کی ملاقات سے بہت اجتناب تھا۔ کئی بار فرمایا کہ میں اپنے سر کو اس شخص کے دربار میں کٹا ہوا اور پڑا ہوا دیکھتا ہوں، یعنی میں کلمہ حق کہنے سے باز نہیں رہوں گا اور یہ شخص مجھے معاف نہیں کرے گا۔ جب مولانا سراپردہ سلطانی میں داخل ہوئے تو شیخ قطب الدین دبیر نے مولانا کی جوتیاں اٹھالیں اور خدمتگاروں کی طرح بغل میں لیکر کھڑے ہو گئے، سلطان نے ان سے کچھ نہیں کہا اور مولانا فخر الدین سے بات چیت میں مشغول ہو گیا۔ سلطان نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ میں چنگیز خاں کی اولاد کا قلع قمع کروں، آپ اس کام میں ہمارا ساتھ دیں گے؟ مولانا نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ۔ سلطان نے کہا کہ یہ شک کا کلمہ ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ مستقبل کے متعلق ایسا ہی کہا جاتا ہے، سلطان نے یہ سنکر پیچ و تاب کھایا اور کہا کہ ہمیں کچھ نصیحت کیجئے؟ مولانا نے فرمایا کہ غصہ دبائیے سلطان نے کہا کون سا غصہ۔ مولانا نے فرمایا غضب سبعی (درندوں والا غصہ) اس پر سلطان کو ایسا غصہ آیا کہ چہرہ پر ظاہر ہو گیا مگر کچھ کہا نہیں۔ کہا کہ کھانا لاؤ، خاصہ شاہی لگا، سلطان اور مولانا دونوں ایک ہی پلیٹ میں کھا رہے تھے، مولانا ایسی ناگواری کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ سلطان کے ساتھ ہم پیالہ ہونا پسند نہیں کرتے، سلطان اور زیادہ اظہار تعلق کیلئے ہڈی سے گوشت نکال کر مولانا کے سامنے رکھتا تھا، مولانا بڑی ناگواری کے ساتھ تھوڑا تھوڑا کھاتے تھے پھر دستر خوان بڑھایا گیا، اور سلطان نے مولانا کو رخصت کیا۔ رخصت کے وقت ایک ادنی پوشاک اور ایک روپیہ کی تھیلی پیش کی، لیکن اس سے پہلے کہ خلعت اور کیسہ مولانا کے ہاتھ میں آئے شیخ قطب الدین دبیر نے

ا ہ دبیر کا عہدہ سکریٹری کا سمجھنا چاہئیے۔ ۱۲

ہاتھ بڑھا کر اُن کو لے لیا، اُن کے رخصت ہونے کے بعد سلطان نے شیخ قطب الدین دبیر سے کہا کہ اے فریبی آدمی تو نے یہ کیا حرکت کی، پہلے فخر الدین کی جوتیاں اپنے بغل میں لیں، پھر ان کی خلعت اور کیسہ سنبھال لیا اور اُس کو میری تلوار سے بچا لیا۔ اور بلا اپنے سر لے لی۔ شیخ قطب الدین دبیر نے کہا کہ مولانا فخر الدین میرے استاد اور میرے مرشد کے خلیفہ ہیں، اور میرے لئے مناسب تو یہ تھا کہ میں ان کی جوتیاں تعظیماً سر پہ رکھتا، بغل میں لینا تو کوئی بڑی بات نہیں اور یہ خلعت و کیسہ کیا بڑی چیز ہے؛ سلطان نے کہا کہ ان کفر آمیز عقیدوں کو چھوڑ دو ورنہ میں قتل کر دوں گا۔ اخیر وقت جب مولانا فخر الدین زرادیؒ کا ذکر سلطان کی مجلس میں آتا تو سلطان ہاتھ مل کر کہتا کہ افسوس فخر الدین میری خون آشام تلوار سے بچ گئے۔[1]

اسلامی سلطنت کی رہنمائی و نگرانی

مشائخ چشت نے اگرچہ سلاطینِ وقت سے بے تعلق اور "سرکار، دربار" سے دور رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور اس کو اپنے اور اپنے پورے سلسلہ کے لئے دائمی اصول بنا دیا تھا، لیکن وہ سلاطینِ وقت کی رہنمائی و نگرانی سے غافل نہیں تھے اور جب کبھی ان کو صحیح مشورہ یا کسی بہتر انتخاب یا اپنا روحانی اثر استعمال کرنے کا موقع ملتا تو وہ اس زرّیں موقع کو کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ ہندوستان کی مرکزی سلطنت کے متعدد فرمانروا اور صوبوں کی خود مختار سلطنتوں کے متعدد حکمراں ان مشائخ چشت سے عقیدت و محبت کا تعلق رکھتے تھے اور اس تعلق سے بہت سے مفاسد کا ازالہ، بہت سے منکرات کا سدّباب، او ربہت سے احکام شریعت اور عدل گستری اور خلق پروری کا رواج ہوا۔

ہندوستان کے سلاطین میں سلطان فیروز تغلق کو اپنی حُسنِ سیرت، نیک نفسی، رعیت پروری، رحم دلی، امن پسندی، رفاہ عامہ، ازالۂ مظالم اور تبلیغِ اسلام کے ذوق، مدارس کے قیام وغیرہ میں جو امتیاز و خصوصیت حاصل تھی اس میں مشکل ہی سے ہندوستان کا کوئی دوسرا فرمانروا اس کا سہیم و شریک ہوگا۔ سراج عفیف کی تاریخ فیروز شاہی سے اس بادشاہ کے تعمیری کارناموں اور اسکے زمانہ کی خیر و برکت، امن و امان اور سرسبزی کا کچھ اندازہ ہو سکتا ہے۔

[1] سیر الاولیاء ص ۲۷۱ و ص ۲۷۲

تاریخ فرشتہ کا مصنف لکھتا ہے:۔

او بادشاہے بود فاضل وعادل وکریم و	وہ ایک فاضل، منصف مزاج، شریف و
حلیم ورعیت وسپاہی از و راضی بودند و	مہربان، رحم دل وبردبار بادشاہ تھا، رعیت
ہیچ کس در عہدِ او یارائے ظلم نداشت[1]	اور فوج سب اس سے راضی تھی کسی کو اسکے
	عہدِ حکومت میں ظلم کرنے کی مجال نہ تھی۔

مصنف نے اُس کے آئینِ حکومت کی تین بڑی خصوصیتیں لکھی ہیں، اُس نے کسی مسلمان یا ذمی کی سیاست[2] وتعزیر نہیں کی، انعامات، عطیوں اور تالیف قلب کی وجہ سے لوگوں کو سیاست کی ضرورت نہیں رہی۔

۲۔ خراج ومحاصل کو رعایا کی استطاعت کے مطابق وصول کیا، اضافہ و توفیر کو جو سلاطینِ ماضی کا دستور تھا، موقوف کیا، رعایا کے بارے میں کسی مفسد کی شکایت کی سماعت نہیں کی، اس کی بدولت ملک آباد اور رعایا مرفہ الحال رہی۔

۳۔ حکومت کے عہدوں اور علاقوں کی صوبہ داری پر دیندار وخدا ترس لوگوں کو مامور کیا، کسی فساد انگیز و بدنفس کو عہدہ نہیں دیا۔ "الناس علیٰ دین ملوکھم" کے اصول کے مطابق حکام وامراء اور کارپردازانِ حکومت نے بھی اسکی پیروی کی[3]۔

لیکن بہت سے لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ فیروز شاہ کی تخت نشینی اور اس کے انتخاب میں خواجہ نصیرالدین چراغ دہلیؒ کا خاص ہاتھ[4] اور اسکی فیروزمندی اور کامیابیوں میں ان کی دعاؤں اور توجہات کا بہت بڑا حصہ تھا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) صـ۲۷۸

[2] تعزیر وتعذیب کے وہ نئے نئے طریقے جو سلاطینِ سابق نے ایجاد کئے تھے۔

[3] تاریخ فرشتہ (جلد اول) صـ۲۷۱

[4] تاریخ فرشتہ صـ۲۵۹ (ج ۱)

سراج عفیف لکھتے ہیں :-

چوں سلطان محمد دنبال طغی در ٹھٹھہ رفت خدمت شیخ نصیر الدین را برابر خود ببرد، چوں سلطان محمد در ٹھٹھہ نقل کرد و سلطان فیروز شاہ در بادشاہی نشست، خدمت شیخ نصیر الدین بر سلطان فیروز شاہ پیغام کرده کہ با ایں خلق عدل و انصاف خواہی کرد یا برائے ایں مشتے مسکیناں والی دیگر از اللہ تبارک و تعالیٰ التماس کرده آید، سلطان فیروز جواب فرستاد کہ بایندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم، چوں خدمت شیخ ایں لفظ شنید، بر سلطان فیروز جواب فرستاد اگر با خلق ایں چنیں خلق خواہی کرد، ما ہم برائے تو از اللہ تبارک و تعالیٰ چہل سال ملک خواستہ ایم، عاقبت ہم چناں شد، سلطان فیروز تا چہل سال ملک راند۔[1]

جب سلطان محمد تغلق ٹھٹھہ ملک طغی کی بغاوت فرو کرنے گیا ہوا تھا، حضرت شیخ نصیر الدین کو اپنے ساتھ لے گیا تھا، سلطان کا جب انتقال ہوا اور سلطان فیروز شاہ دربار شاہی میں بیٹھا، حضرت شیخ نصیر الدین نے فیروز شاہ کو پیغام بھیجا کہ خدا کی اس مخلوق کے ساتھ تم عدل و انصاف کرو گے یا میں ان غریبوں کیلئے اللہ سے کوئی دوسرا حاکم مانگوں۔ سلطان فیروز نے جواب دیا کہ "بایندگانِ خدائے تعالیٰ حلم و رزم و اتفاق کنم"، جب حضرت شیخ نے یہ جواب سنا تو کہلوا بھیجا کہ اگر مخلوق کے ساتھ تم اسی طرح معاملہ کرو گے تو میں نے اللہ تعالیٰ سے تمہارے لئے چالیس سال مانگ لئے ہیں، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ سلطان فیروز نے چالیس سال حکومت کی

سلطان محمد شاہ بہمنی (۷۵۹، ۷۷۶) کو تمام مشائخ دکن نے بادشاہ تسلیم کر لیا تھا اور اسکے ہاتھ پر حاضرانہ اور غائبانہ بیعت کر لی لیکن حضرت شیخ برہان الدین غریب کے خلیفہ و جانشین حضرت شیخ زین الدین (م ۸۰۱ھ)

---

[1] تاریخ فیروز شاہی ص ۲۸

نے اس بہانہ پر انکار کردیا کہ بادشاہ شراب نوشی اور منہیاتِ شرعی کا مرتکب ہے اور فرمایا :۔

سزاوارِ پادشاہیِ خلق کسے ہست کہ در حفظ	خلقِ خدا پر حکومت کرنے کا اہل وہ شخص
شعار ملتِ محمدی کوشیدہ سراً و علانیۃ	ہے جو شعائر اسلام کی حفاظت میں کوشش کرے
پیرامونِ مناہی نہ گردد	اور خلوت و جلوت کسی حالت میں بھی ممنوعاتِ شرعی کے قریب نہ جائے۔

۷۶۶ھ میں جب سلطان دولت آباد میں فاتحانہ داخل ہوا تو حضرت شیخ کو پیغام بھیجا کہ یا تو آپ میرے دربار میں حاضر ہوں یا میری خلافت کی تحریر اپنے دستِ خاص کی میرے پاس بھیجیں۔ شیخ نے اسکے جواب میں فرمایا کہ ایک مرتبہ کسی تقریب سے ایک عالم، ایک سید اور ایک ہجڑا کافروں کے ہاتھ پڑ گئے، انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ یہ تینوں بُت خانہ میں جائیں، جو بت کو سجدہ کرے گا اس کی جان بخشی ہوگی اور جو انکار کرے گا وہ قتل کردیا جائیگا، پہلے عالم کو لے گئے، انھوں نے قرآن کی رخصت پر عمل کیا[1] اور بت کا سجدہ کرکے اپنی جان بچالی، سید نے عالم کی تقلید کی، جب ہجڑے کی باری آئی اس نے کہا میری تمام زندگی ناشائستہ کاموں میں گذری، میں نہ عالم ہوں نہ سید کہ ان میں سے کسی فضیلت کی پناہ میں ایسا کام کروں، اس نے قتل ہوجانا منظور کرلیا اور بت کا سجدہ نہیں کیا، میرا قصہ بھی اسی ہجڑے کے قصہ سے مشابہت رکھتا ہے، میں تمہارے ہر قسم کے ظلم کو برداشت کروں گا، لیکن نہ دربار میں حاضر ہوں گا اور نہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔ بادشاہ کو سخت غصہ آیا اور شہر سے نکل جانے کا حکم دیا، شیخ نے بلا توقف اپنی جائے نماز کاندھے پر ڈالی اور شیخ برہان الدین کے مقبرے میں جاکر ان کی قبر کی پائنتی اپنی لاٹھی گاڑ دی اور جائے نماز بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اب کوئی مرد ہو تو مجھے اپنی جگہ سے ہلائے۔ بادشاہ نے شیخ کی یہ مضبوطی اور استقامت دیکھی تو پشیمان ہوا اور اپنے ہاتھ سے یہ مصرع کاغذ پر لکھ کر صدر شریف کے ہاتھ بھیجا

---

[1] الا ان تتقوا منھم تقاۃ (سورہ آل عمران، رکوع ۳) مگر ایسی صورت میں کہ تم ان سے کسی قسم کا (قوی) اندیشہ رکھتے ہو۔

ع "زمن زانِ تو ام تو زانِ من باش"

شیخ نے فرمایا کہ اگر سلطان محمد شاہ غازی شریعت کے طور و طریق کی حفاظت و ترویج کی کوشش کرے اور ممالکِ محروسہ سے شراب خانے یک قلم اٹھا دے، اپنے باپ کی سنّت پر عمل کرے اور لوگوں کے سامنے شراب نہ پیئے اور قضاۃ و علماء و صدور کو حکم دے کہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں سعیٔ بلیغ سے کام لیں تو فقیر زین الدین سے بڑھ کر بادشاہ کا کوئی دوسرا دوست و خیر خواہ نہ ہوگا۔ نیچے یہ شعر اپنے قلمِ مبارک سے تحریر فرمایا ؎

تا من بزیم بجز نکوئی نہ کنم — جز نیک دلی و نیک خوئی نہ کنم
آنہا کہ بجائے ما بدیہا کردند — تا دست رسد بجز نکوئی نہ کنم

(ترجمہ) جب تک جان میں جان ہے سوائے اچھائی، نیک دلی اور نیک خوئی کے مجھ سے کچھ سرزد نہ ہوگا۔ جن لوگوں نے ہمارے ساتھ برائی کی، جب موقع ملے گا ہم ان کے ساتھ سوائے بھلائی کے کچھ نہ کرینگے)

سلطان محمد شاہ اپنے نام کے ساتھ غازی کا خطاب دیکھ کر بہت خوش ہوا اور فرمان جاری کیا کہ القابِ شاہی کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کیا جائے، قبل اسکے کہ سلطان کی حضرت شیخ سے ملاقات ہو سلطان نے مرہٹ واڑہ کی حکومت مسندِ عالی خان محمد کے حوالہ کی اور خود بدولت گلبرگہ پہنچا اور شراب کی دکانوں کو اپنی پوری حکومت سے ختم کر کے شریعت کی ترویج و اشاعت میں اپنی کوشش مبذول کی، دکن کے چوروں و فسادیوں کو جو شدد و مشہور تھے اور جنھوں نے رہزنی کو اپنا شیوہ بنالیا تھا ختم کرنے کا انتظام کیا، چھ سات مہینے کے اندر اندر ملک ان سے پاک ہو گیا۔ ایک روایت کے مطابق چھ مہینے کی مدت میں چوروں، رہزنوں کے بیس ہزار سر کاٹ کر اطراف و جوانب سے گلبرگہ میں لائے گئے۔ سلطان اس عرصہ میں حضرت شیخ زین الدین سے برابر خط و کتابت کرتا رہا اور اخلاص و عقیدت کی راہ و رسم بڑھاتا رہا۔ شیخ نے بھی اسکی ہمت افزائی، قدردانی اور ہدایات اور مشوروں سے دریغ نہیں کیا۔[1]

---

[1] تاریخ فرشتہ (جلد اول) از صفحہ ۵۶۱ تا صفحہ ۵۶۲، طبع پونا ۱۸۳۲ء - ۱۲

چشتیوں کی بڑی بڑی خانقاہیں ہندوستان کے جن حصّوں اور صوبوں میں قائم ہوئیں، انھوں نے وہاں کی اسلامی حکومتوں اور سلاطین وقت کی رہنمائی اور اسلامی حکومت کی حفاظت و تقویت سے غفلت نہیں کی، بنگال کی مشہور عالم خانقاہ جو پنڈوہ میں تھی وہاں کی اسلامی حکومت کے لئے قوت اور پشت پناہی کا ذریعہ تھی، جب وہاں سے اسلامی اقتدار ختم ہونے لگا تو ان درویشوں نے اسکی فکر کی اور اس کو دوبارہ بحال کرنے کی امکانی کوشش کی[1]۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی تاریخ مشائخِ چشت میں لکھتے ہیں :۔

"حضرت نور قطب عالم شیخ علاء الحق کے فرزند رشید تھے، جس زمانہ میں وہ مسندِ ارشاد پر جلوہ افروز تھے، بنگال کی سیاست بڑے نازک دور سے گذر رہی تھی، راجہ کنس (جو بتھوریہ ضلع راج شاہی کا جاگیردار تھا) بنگال کے تخت پر قابض ہوگیا تھا اور مسلمانوں کی قوت کا خاتمہ کرنے پر تلا ہوا تھا، حضرت نور قطب عالم نے براہِ راست اور سیّد اشرف جہانگیر سمنانی کی وساطت سے سلطان ابراہیم شرقی کو بنگال پر حملہ کرنے کی دعوت دی، سیّد اشرف جہانگیر کے مجموعے میں وہ دلچسپ خطوط خاص طور سے مطالعہ کے قابل ہیں، جن میں اس سیاسی کشمکش کی تفصیل درج ہے۔ سیّد اشرف جہانگیر نے جو خط حضرت نور قطب عالم کے مکتوب کے جواب میں لکھا وہ بنگال میں صوفیائے کرامؒ کے کارناموں پر کافی روشنی ڈالتا ہے۔"[2]

ان چند واقعات سے، جو تاریخ کے وسیع انبار میں سے "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر بغیر کسی تاریخی ترتیب کے جمع کر دیئے گئے، اندازہ ہوگا کہ مشائخ چشت کا تصوّف، محض عزلت و خلوت، نفس کشی اور ترکِ دنیا

---

[1] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ریاض السّلاطین تاریخ بنگالہ تصنیف غلام حسین سلیم ص۱۱۱ عنوان مسلّط شدن راجہ کانس زمیندار تا ص۱۱۶ [2] تاریخ مشائخ چشت ص۲۰۲

اور اقبال کے الفاظ میں "سربزیری اور گوسفندی و میشی" نہیں تھا، انھوں نے اپنے اپنے دور میں زمانہ کے دھارے کو بدلنے اور حالاتِ زمانہ سے پنجہ آزمائی کی بھی کوشش کی۔ جابر سلاطین کے روبرو کلمۂ حق کہنے، ان کے غلط رجحانات کا مقابلہ کرنے اور ان کو صلاح و مشورہ دینے سے بھی پس و پیش نہیں کیا، اور جب کبھی اُن کے اولوالعزم مشائخ کو موقع ملا انھوں نے اصلاح و انقلاب کی کوششوں سے بھی دریغ نہیں کیا۔

اشاعتِ اسلام

سلسلۂ چشتیہ کی بنیاد ہندوستان میں پہلے ہی دن سے اشاعت و تبلیغِ اسلام پر پڑی تھی اور اس کے عالی مرتبت بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کے ہاتھ پر اس کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے کہ تاریخ کے اس اندھیرے میں ان کا اندازہ لگانا مشکل ہے عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد کی یہ کثرت بہت کچھ حضرت خواجہؒ کی کوششوں اور روحانیت کی رہینِ منت ہے، ان میں سے ایک بڑی تعداد حضرت خواجہؒ کی روحانی قوت، اشراقی کمال اور عند اللہ مقبولیت کے واقعات سے مسلمان ہوئی، اس وقت تک ہندوستان جوگ و اشراقیت کا ایک بڑا مرکز تھا، یہاں کے بہت سے فقیر و سنیاسی اشراقی اور قلبی قوت میں بڑا کمال رکھتے تھے، ریاضیات شاقہ اور مختلف مشقوں سے انھوں نے کشف و تصرف کی بڑی قوت بڑھا رکھی تھی، اُن میں بہت سے لوگ اس نو وارد مسلمان فقیر کے امتحان اور اُسکو زک دینے کے لئے اُس کے پاس آئے، لیکن ان کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ غریب الوطن درویش اُن سے اپنی قلبی قوت اور اشراقیت میں بڑھا ہوا ہے اور ساحرینِ فرعون کی طرح ان کو یہ اندازہ ہو گیا کہ اُس کے کمالات اور قوتوں کا منبع اور سرچشمہ کچھ اور ہے، اسی کے ساتھ اُن کے اخلاق کی پاکیزگی، صاف ستھری زاہدانہ اور بے طمع زندگی، ایمان و یقین کی قوت، خلقِ خدا کے ساتھ ہمدردی اور بلا تفریق مذہب و ملت انسان سے محبت اور انسانیت کا احترام دیکھ کر مخالفین بھی معتقد، اور دشمن بھی دوست ہو گئے۔ تذکرہ و تصوف کی کتابوں میں اس سلسلہ میں جوگیوں و سنیاسیوں کے ساتھ مقابلہ اور حضرت خواجہؒ کی اشراقی قوت اور کشف و تصرفات کے جو واقعات کثرت کیساتھ نقل کئے گئے ہیں، اگرچہ ان کو تاریخی سند سے اور قدیم تر معاصر ماخذ کے ذریعہ ثابت کرنا مشکل ہے لیکن ہندوستان کے

اُس وقت کے ذوق و رجحان اور اجمیر کی دینی و روحانی مرکزیت کو دیکھتے ہوئے یہ واقعات خلافِ قیاس نہیں، دراصل جس چیز نے حضرت خواجہؒ کا گرویدہ اور اسلام کا حلقہ بگوش بنایا وہ تنہا ان کی قلبی قوت تھی، بلکہ ان کی روحانیت، اخلاص و اخلاق اور اُن کا وہ طرزِ زندگی تھا جس کا ہندوستان کے اہلِ فن اور عوام نے اس سے پہلے کبھی تجربہ نہیں کیا تھا۔

خواجہ بزرگؒ کے اہلِ سلسلہ میں سے حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکرؒ کی کوششوں اور توجہات کو اشاعتِ اسلام کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہے۔ان کی مجالس اور خانقاہ میں ہر مذہب و ملت کے آدمی اور ہر طبقہ کے لوگ آتے تھے۔حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ فرماتے ہیں:۔

بخدمت شیخ الاسلام فریدالدین از ہر	حضرت خواجہ فریدالدینؒ کی خدمت میں
جنس درویش وغیر آں برسید[1]	ہر صنف و نوع کے لوگ درویش وغیر درویش پہنچتے تھے۔

حضرت خواجہؒ کو اللہ تعالیٰ نے جو عالی استعداد قلبی قوت عطا فرمائی تھی اسکے پیشِ نظر بعید نہیں کہ اشاعتِ اسلام میں وہ بھی معین ہوئی ہو اور نومسلموں کی بہت بڑی تعداد ان کی روحانیت اور کشف و کرامات دیکھکر مسلمان ہوئی ہو۔پنجاب اور پاک پٹن کے اطراف میں بہت سی مسلمان برادریاں اور خاندان اپنے اسلاف کے قبولِ اسلام کو حضرت خواجہؒ کی توجہ اور تبلیغ کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنی نسبت اُن کی طرف کرتے ہیں۔پروفیسر آرنلڈ اپنی کتاب (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:۔

"پنجاب کے مغربی صوبوں کے باشندوں نے خواجہ بہاء الحق ملتانی اور بابا فرید پاک پٹنی کی تعلیم سے اسلام قبول کیا۔یہ دونوں بزرگ تیرھویں صدی عیسوی کے قریب خاتمہ اور چودھویں صدی عیسوی کے شروع میں گزرے ہیں۔بابا فرید شکر گنجؒ کا تذکرہ جس مصنف نے

---

[1] فوائد الفواد صہ

لکھا ہے، اس نے تحریر کیا ہے کہ سولہ[1] قوموں کو انھوں نے تعلیم و تلقین سے مشرف باسلام کیا۔ لیکن افسوس ہے اس مصنف نے ان قوموں کے مسلمان ہونے کا مفصل حال نہیں لکھا۔

حضرت خواجہ نظام الدینؒ کو اہلِ ہند میں اشاعت اسلام سے بڑی دلچسپی تھی، لیکن وہ یہ سمجھتے تھے کہ محض تقریر اور کہنے سننے سے کسی شخص کا اپنے قدیم عقیدے سے ہٹنا اور نئے دین کو قبول کر لینا، بالخصوص ہندو قوم کا جو اپنی پختگی، قدامت پرستی اور ذات پات اور چھوت چھات کی پابندی میں خاص امتیاز رکھتی ہو، محض حسنِ تقریر اور وعظ و نصیحت سے مسلمان کر لینا آسان نہیں، اس کے لئے اُن کے لئے موثر و طویل صحبت کی ضرورت تھی۔

فوائد الفواد میں ہے کہ ایک غلام جو مسلمان تھا حضرت کی مجلسِ مبارک میں حاضر ہوا اور اپنے ایک ہندو دوست کو اپنے ساتھ لایا اور کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ حضرت خواجہؒ نے اس غلام سے فرمایا کہ: "تمھارا یہ بھائی کچھ اسلام کی طرف بھی میلان رکھتا ہے؟" غلام نے عرض کیا کہ: "اس کو حضرت کے قدموں میں اسی لئے لایا ہوں کہ آپ کی نظرِ کیمیا اثر کی برکت سے یہ مسلمان ہو جائے۔" یہ سنکر حضرت خواجہؒ کی آنکھوں میں آنسو آگئے، فرمایا کہ "کسی کے کہنے سننے سے اس قوم کا دل نہیں پھرتا، ہاں اگر اسکو کسی نیک بندے کی صحبت میسّر آجائے تو امید ہوتی ہے کہ اس کی صحبت کی برکت سے وہ مسلمان ہو جائے[2]۔"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پچاس برس کے عرصہ میں جس میں حضرت خواجہ نظام الدینؒ دہلی جیسے مرکزی مقام میں مسندِ ہدایت و ارشاد پر متمکن رہے اور ان کی خانقاہ کا دروازہ ہر انسان کیلئے کھلا رہا، یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کے دور دراز گوشوں سے مختلف ضرورتوں اور تقریبوں سے لاکھوں کی تعداد میں غیر مسلم آتے تھے اور اپنی خوش اعتقادی کی بنا پر حضرت خواجہؒ کی زیارت کو بھی حاضر ہوتے تھے، بڑی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔ میوات کا علاقہ جو حضرت خواجہؒ کے مرکز غیاث پور سے جانبِ جنوب متصلاً واقع ہے اور

---

[1] دعوت اسلام، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی صہ ۲۹۷ [2] فوائد الفواد صہ ۱۸۲

جہاں کے رہنے والوں کی رہزنی اور شورہ پشتی کی وجہ سے کچھ عرصہ پہلے سلطان ناصر الدین محمود کے زمانہ میں شہر پناہ دہلی کے دروازے سرِ شام ہی سے بند ہو جاتے تھے اور جن کی کئی بار غیاث الدین بلبن کو تادیب کرنی پڑی حضرت خواجہؒ کے فیوض و برکات اور اُن کی تعلیم و تربیت سے ضرور مستفید ہوا ہوگا اور عجب نہیں کہ اتنی بڑی تعداد میں میواتی انھیں کے زمانہ میں مسلمان ہوئے ہوں۔

چشتی خانقاہوں نے اپنے اپنے حلقۂ اثر میں بالواسطہ اور بلاواسطہ گرد و پیش کی غیر مسلم آبادیوں کو اپنے اخلاق، روحانیت اور مساوات و اخوت سے جس کی فضا ان خانقاہوں میں قائم تھی ضرور متاثر کیا، اور اُن قوموں کو جو کشف و کرامت اور روحانیت سے خاص طور پر متاثر ہوتی ہیں اسلام میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے، پنڈوہ کی چشتی خانقاہ اور احمد آباد اور گلبرگہ کے چشتی مشائخ کے اثر سے غیر مسلموں کی ایک بڑی تعداد کا مسلمان ہونا بالکل قرینِ قیاس ہے، گیارھویں صدی میں سلسلۂ چشتیہ کے مجدد حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کو اشاعتِ اسلام کا بڑا اہتمام تھا، انھوں نے اپنے خلیفہ و جانشین شیخ نظام الدین اورنگ آبادی کو جو خطوط لکھے ہیں ان میں جابجا اس کی تاکید و ہدایت ہے، ان کے مطالعہ سے ان کی اس مسئلہ میں بے چینی اور فکر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

درآں کوشید کہ صورت اسلام وسیع گردد وذاکراں کثیر[1]	اسکی کوشش کرو کہ اسلام کا دائرہ وسیع اور اسکے حلقہ بگوش کثیر ہوں۔

دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں:۔

بہرحال کلمۃ الحق کوشید و از مشرق تا مغرب ہمہ حقیقی برکنید[2]

---

[1] مکتوبات کلیمی، مکتوب نمبر ۶، ص۶۰ [2] ایضاً نمبر ۸۰ ص۶۲

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں :۔

"شیخ نظام الدین صاحبؒ کی تبلیغی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے ہندو گرویدۂ اسلام ہو گئے بعض اپنے رشتہ داروں کے ڈر سے مسلمان ہونے کا اظہار نہیں کرتے تھے لیکن دل سے مسلمان ہو چکے تھے"

شاہ کلیم اللہ صاحب ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"و دیگر مرقوم بود بھیہ دیارام و ہندوہائے دیگر بسیارے در ربقۂ اسلام آمدہ اند، اما با مردم قبیلہ پوشیدہ می مانند"

ساتھ ہی ساتھ اس چیز کو بھی پسند نہیں کرتے تھے کہ کوئی شخص مسلمان ہونے کے بعد اپنے مسلمان ہونے کو مخفی رکھے، مبادا بعدِ موت اُسکے ساتھ وہ معاملہ کیا جائے جو غیر مسلموں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔

"برادرِ من اہتمام نمایند کہ آہستہ آہستہ ایں امرِ جلیل از بطون بظہور انجامد کہ موت در عقب است، مبادا احکامِ اسلام بعد از رحلت بجا نیارند مسلمان حقیقت را البسوانند دیارام اگر خطے می نویسد، خطے نوشتہ خواہد شد[1]"

افسوس ہے کہ کسی نے مشائخِ ہندوستان اور بالخصوص سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تبلیغی کوششوں کی تاریخ اور روئداد مرتب کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی، لیکن تمام مورخین کے نزدیک ہندوستان میں اشاعتِ اسلام کا سب سے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام و فقرائے اسلام ہیں اور ظاہر ہے کہ ان سلاسلِ تصوف میں سلسلۂ چشتیہ اور اُس کے مشائخ کو اولیت اور اہمیت حاصل ہے اور اس کام میں اُن کا حصہ نسبتاً سب سے زیادہ ہے۔

خدمت و اشاعتِ علم

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور اُن کے خلفاء اور اہلِ سلسلہ کو علم کی تحصیل و تکمیل کا جتنا اہتمام تھا اُسکا اندازہ حضرت خواجہ فرید الدینؒ

[1] مکتوب ۲۱ صـ ۴۱

کے متوسلا اور خود حضرت خواجہ نظام الدین کے شیخ سراج الدین عثمان اودھی (اخی سراج) بانیِ خانقاہ پنڈوہ کے
ساتھ روِیہ سے ہو سکتا ہے کہ انھوں نے اُنکو اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک کہ انھوں نے علم کی
تحصیل وتکمیل نہیں کرلی، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ رشد وارشاد اور درس وتدریس اور علم کی اشاعت وترویج
دونوں اس سلسلہ کی تاریخ میں ساتھ ساتھ چلتے رہے اور یہ رفاقت دورِ انحطاط تک قائم رہی حضرت خواجہؒ
کے ایک خلیفۂ اجل مولانا شمس الدین یحییٰ تھے جو اس عصر کے بہت سے علماء اور اساتذہ کے استاد تھے ۔
شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کا مشہور شعر ہے: ؎

سألتُ العلمَ من احیاکَ حقّا
فقال العلم شمس الدّین یحییٰ

میں نے علم سے پوچھا کہ تمھیں حقیقی حیات کس نے بخشی؟ اُس نے مولانا شمس الدین یحییٰؒ کا نام لیا۔

شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ کے مخصوص ارادتمندوں ومسترشدین میں قاضی عبد المقتدر کندی
(م ۷۹۱ھ) اُن کے شاگرد رشید شیخ احمد تھانیسری (م ۸۲۰ھ) اور مولانا خواجگی دہلوی (م ۸۰۹ھ)
ہندوستان کے نامور ترین علماء استاد الاساتذہ ومجددین علم میں سے ہیں۔ قاضی عبد المقتدر اور مولانا خواجگی
کے شاگرد رشید شیخ شہاب الدین احمد بن عمر دولت آبادی (م ۸۴۹ھ) فخر ہندوستان اور نادرۂ
روزگار تھے اور ملک العلماء قاضی شہاب الدین کے نام سے ہندوستان کی علمی تاریخ میں زندۂ جاوید
ہیں، اُن کی شرح کافیہ (جو شرح ہندی کے نام سے عرب وعجم میں مشہور ہوئی) کے محشیوں میں علامہ گازرونی
اور میر غیاث الدین منصور شیرازی جیسی بلند شخصیتیں ہیں، یہ وہی ہیں جنکی علالت کے موقع پر سلطان
ابراہیم شرقی نے پانی کا پیالہ بھر کر اُن پر سے تصدق کیا اور دعا کی کہ ملک العلماء میری سلطنت کی آبرو ہیں
اگر اُن کی موت مقدر رہی ہے تو اُن کے بجائے مجھے قبول کر لیا جائے ۔

اسی سلسلہ کے ایک عالم جلیل مولانا جمال الاولیاء شبلی کوردی (م ۸۷۴ھ)

جن کے نامور شاگردوں میں مولانا لطف اللہ کوروی، سید محمد ترمذی کالپوری، شیخ محمد رشید جونپوری اور شیخ لیبین بنارسی جیسے علماء کبار و شیوخ عصر تھے مولانا لطف اللہ کوروی کے شاگرد ہندوستان کے مشہور عالم مولانا احمد امیٹھوی عرف حمید احمد اور قاضی علیم اللہ کچھوندوی اور مولانا علی اصغر قنوجی تھے جنھوں نے درس و تدریس کا ہنگامہ گرم رکھا اور بڑے بڑے نامور عالم و مدرس ان کے حلقہ درس سے تیار ہو کر نکلے۔ ٹیلے والی مسجد کا شہرہ آفاق دار العلوم جس کے مسند نشین حضرت شاہ پیر محمد لکھنوی (م ۱۰۸۵ھ) تھے اسی سلسلہ سے تعلیمی روحانی نسبت رکھتا تھا خود درس نظامی (جس کی جہانگیری مسلّم ہے) کے بانی ملا نظام الدین (م ۱۱۶۱ھ) اور ان کے نامور جانشین اور اہل خاندان اس سلسلہ سے نسبت روحانی رکھتے تھے، اس کے علاوہ عام طور پر بھی مشائخ چشت کا علمی ادبی ذوق، تبحر اور علمی شغف ایک تاریخی حقیقت ہے، جو حضرت نور قطب عالم، حضرت جہانگیر اشرف سمنانی، حضرت شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی کے مکتوبات اور پنڈوہ، گلبرگہ، مانک پور، سلون وغیرہ کی خانقاہوں کی علمی سرگرمیوں اور دلچسپیوں سے عیاں ہے۔

خاتمۂ کلام قبل اسکے کہ سلسلۂ چشتیہ کی تاریخ کا یہ صفحۂ زریں ختم کیا جائے، ایک تلخ حقیقت کی طرح اس کا اظہار ضروری ہے کہ زمانہ کے مرور و انقلاب کے ساتھ اس سلسلہ اور اسکے بانیانِ کرام اور اسلافِ عظام کی خصوصیتوں میں انحطاط و زوال رونما ہوا، تصوف و روحانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر سلسلہ کا آغاز جذب قوی سے ہوا، پھر اس نے سلوک اور آخر میں رسوم کی شکل اختیار کر لی، یہاں بھی جس سلسلہ کا آغاز عشق، درد و محبت، زہد و ایثار، فقر و استغنار ریاضات و مجاہدات اور دعوت و تبلیغ سے ہوا تھا اس میں بتدریج ایسی تبدیلی ہوئی کہ آخر میں اس کے نظام کے تین نمایاں عناصر ترکیبی رہ گئے۔

(۱) وحدت الوجود کے عقیدہ میں غلو اس کی اشاعت کا انہماک اور اس کے باریک و دقیق مضامین

(۲) محافلِ سماع کی کثرت، وجد و رقص کا زور۔

(۳) اعراس کا اہتمام اور ان کی رونق و گرم بازاری جو شرعی حدود و قیود سے بے نیاز ہے۔

وہ اعمال و رسوم اور عقائد جن کی اصلاح کیلئے دینِ خالص کے یہ اولوالعزم داعی ایران و ترکستان کے دور دراز مقامات سے آئے تھے، خانقاہوں کا ایسا دستور العمل بن گئے کہ غیر مسلم آبادی کے لئے یہ ایک معمہ اور سوال بن گیا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب میں (جن کی اصلاح کے لئے یہ مبلغین اسلام بحر و بر طے کر کے تشریف لائے تھے) عملاً کیا فرق ہے؟ توحید کے لفظ کا استعمال اور دعوت توحید وجود کے معنی میں محدود ہو کر رہ گئی، سنت اور اتباع شریعت جس پر ان مشائخ نے اتنا زور دیا تھا، اہلِ ظاہر کا شعار اور حقیقت ناشناسوں کی علامت بن کر رہ گیا، شریعت و طریقت دو الگ الگ کوچے تسلیم کیے گئے جن میں نہ صرف مغایرت تھی بلکہ تضاد، مزامیر و آلاتِ سماع جن کی مشائخ متقدمین نے اتنی شدت سے ممانعت کی تھی، داخل طریق بن گئے، درد و عشق کی جنس جو طریقۂ چشتیہ کا سرمایہ تھا اس بازار میں ایسی نایاب ہوئی کہ طالبِ صادق کو حسرت سے کہتے ہوئے سنا گیا کہ۔ ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل، وہ دکان اپنی بڑھا گئے

فقر جو اس طریق کا فخر تھا، شانِ امیری اور شکوہِ خسروی سے تبدیل ہو گیا۔

اس سے بڑھ کر انقلاب اور تاریخ کا سانحہ یہ ہے کہ جن بندگان خدا کا مقصدِ حیات ہی خدا کے سب بندوں کا سر دنیا کے تمام آستانوں ________ سے اٹھا کر خدائے واحد کے آستانہ پر جھکانا اور "ماسوی" میں اٹکے ہوئے اور پھنسے ہوئے دلوں کو نکال کر ایک خدا سے اٹکانا تھا اور جن کی دعوت اور زندگی انبیاء علیہم السلام کی زندگی کی تصویر اور ان آیات کی تفسیر تھی:۔

ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتاب کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تو اس کو

والحکم والنبوۃ ثم یقول	کتاب اور دین کی فہم اور نبوت عطا فرمائے اور پھر
للناس کونوا عبادًا لی	وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ خدا تعالیٰ
من دون اللہ ولکن کونوا	کی توحید کو چھوڑ کر لیکن وہ یہ کہے گا کہ تم اللہ والے
ربانیین بما کنتم تعلمون	بن جاؤ بوجہ اس کے کہ تم کتاب الٰہی اوروں کو بھی
الکتاب وبما کنتم تدرسون	سکھاتے ہو اور بوجہ اسکے کہ خود بھی اسکو پڑھتے ہو
ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ	اور نہ وہ یہ بات بتلاوے گا کہ تم فرشتوں کو اور
والنبیین اربابًا ایأمرکم	نبیوں کو رب قرار دے لو۔ بھلا وہ تم کو کفر کی
بالکفر بعد اذ انتم مسلمون ۝	بات بتلاوے گا بعد اس کے کہ تم
(آل عمران - ع ۸)	مسلمان ہو۔

انقلابِ زمانہ سے خود اُن کی ذات مطلوب و مقصود اور خود اُن کا آستانہ مسجود و معبود بن گیا۔

مخدوم الملکؒ

شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

رحمۃ اللہ علیہ

(۶۶۱ھ ———— ۷۸۶ھ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

باب اوّل[1]

حالاتِ زندگی

ولادت سے بیعت واجازت تک

خاندان احمد نام، شرف الدین لقب، مخدوم الملک بہاری خطاب؛ والد کا نام شیخ یحییٰ تھا جو زبیر بن عبد المطلب کی اولاد میں تھے، اس طرح آپ کا خاندان ہاشمی قریشی ہے۔ آپ کے پردادا مولانا محمد تاج فقیہ اپنے زمانہ کے بڑے علماء و مشائخ میں سے تھے۔ الخلیل[1] (شام) سے نقل سکونت کرکے بہار کے قصبہ منیر[2] میں قیام پذیر ہوئے، بعض مصنفین نے آپ کو شہاب الدین غوری کا ہمعصر بتایا ہے۔

---

[1] اب یہ شہر مملکت ہاشمیہ اُردنیہ کا ایک شہر ہے جو بیت المقدس سے تقریباً ۱۵، ۱۶ میل پر واقع ہے، اس کو حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔ شرفاء اور صلحاء کی یہ قدیم بستی ہے، اپنی آب و ہوا کی لطافت اور اپنے ساکنین کی نرم خوئی، میزبانی اور حسنِ اخلاق میں مشہور رہا ہے۔

[2] اس وقت عام طور پر قصبہ منیر کے نام سے مشہور ہے، لیکن قدیم مآخذ و روایات سے معلوم ہوتا ہے (بقیہ صفحہ ۸ پر)

مولانا محمد تاج فقیہؒ کی ذات سے منیر اور اُسکے مضافات میں اسلام کی بہت اشاعت ہوئی، کچھ عرصہ آپ نے منیر میں قیام کرکے وطن کو مراجعت فرمائی اور زندگی کا بقیہ حصہ خلیل ہی میں بسر کیا۔ آپ کا خاندان بدستور منیر میں رہا۔

شیخ احمد شرف الدینؒ کے نانا شیخ شہاب الدین جگ جوتؒ سہروردی سلسلہ کے مشائخ میں تھے ۔ آبائی وطن کاشغر تھا، ہندوستان تشریف لائے اور موضع جیٹھلی میں قیام فرمایا جو پٹنہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے۔ شیخ الشیوخ حضرت شہاب الدین سہروردی کے مریدین میں سے تھے۔ زہد و ورع اور استقامت میں پایہ بلند رکھتے تھے، اور اسی وجہ سے جگ جوت (دنیا کی روشنی) کے لقب سے مشہور تھے، ان کی ایک صاحبزادی کے بطن سے شیخ احمد شرف الدینؒ اور دوسری صاحبزادی سے شیخ احمد چرم پوشؒ جیسے نامور مشائخ پیدا ہوئے۔ آپ حسینی سادات میں سے تھے، اس طرح شیخ احمد شرف الدینؒ کا سلسلہ مادری سادات میں سے ہے۔

(صـ ۱ کا بقیہ حاشیہ) اسکا اصلی تلفظ مُنیَر تھا فرہنگ ابراہیمی جس کے دوسرے نام شرف نامہ ابراہیمی اور شرف نامہ احمد منیری بھی ہیں اور جو ۸۶۲ھ اور ۸۶۰ھ کے درمیان کی تصنیف ہے، کے مقدمہ میں اُسکے مصنف ابراہیم قوام فاروقی نے اپنے ایک مصرع میں کتاب کا نام اسطرح منظوم کیا ہے۔ ؎ "شرف نامہ احمد مُنیری" یہ مصرع جب ہی موزوں ہوتا ہے جب مُنیَری پڑھا جائے۔ اس کتاب کے تذکرہ کے ذیل میں انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کو انگریزی میں بھی اسی طرح ضبط کیا گیا ہے یعنی مُنیَری (MUNYARI) -۱۲

لہ سیرۃ الشرف میں ہے کہ یہ قصبہ ۵۷۶ھ میں مسلمانوں کے ہاتھ فتح ہوا۔ مصنف نے ایک قطعۂ تاریخی نقل کیا ہے جو حسب ذیل ہے: ؎

یافت چوں بر راجۂ منیر ظفر   داد امام از دین جہانے را زہی
۵۷۶
ہست منقول از بزرگان سلف   سال آں دین محمد شد قوی

(بقیہ صـ ۱۷۹ پر)

ولادت شعبان کے آخری جمعہ ۶۶۱ھ میں قصبہ مُنیر میں آپ کی پیدائش ہوئی "شرف آگین" تاریخ ولادت ہے۔ آپ کے تین بھائی اور تھے: شیخ خلیل الدین، شیخ جلیل الدین اور شیخ حبیب الدین۔

تعلیم جب آپ کی عمر پڑھنے کے قابل ہوئی تو آپ کو مکتب میں بٹھایا گیا۔ اس زمانہ میں بہت سے ممالک اسلامیہ میں عام طور پر دستور تھا کہ درسی کتابوں کے متون لفظ بلفظ یاد کرائے جاتے تھے اور کچھ لغت کی مختصر کتابیں بھی، تاکہ الفاظ کا ذخیرہ بچپن سے محفوظ ہو جائے۔ شیخ نے اس طرز تعلیم پر اپنی بعض تحریروں میں تنقید فرمائی ہے اور قوت حافظہ اور وقت کے اس غلط استعمال پر افسوس ظاہر کیا ہے، کہ بجائے قرآن مجید کے ایسی کتابیں رٹائی جاتی ہیں جو دین کے لئے کچھ زیادہ مفید نہیں۔ معدن المعانی کے باب ششم میں فرماتے ہیں:-

در ایام خوردگی چندیں کتابہا مارا یاد گردانیدند	بچپن میں اُستادوں نے بہت سی کتابیں یاد
چنانکہ مصادر و مفتاح اللغات و جز آں در	کرائیں، مثلاً مصادر، مفتاح اللغات وغیرہ
کتابہا۔ و مفتاح اللغات جزوے بیستے	مفتاح اللغات بیس جزو کی کتاب ہوگی بقدر
خواہد بود بمقدار یک جلد یاد کرانیدند ہر بار	ایک جلد کے یاد کرائی، ہر مرتبہ زبانی سنتے
یاد تمام می شنیدند بائیست بجائے آں	تھے، اس کے بجائے قرآن مجید یاد
قرآن یاد می کرانیدند۔[1]	کرانا چاہئے تھا۔

افسوس ہے کہ تذکروں میں آپ کے ابتدائی اساتذہ کے نام اور ان کتابوں اور علوم کی تفصیل نہیں ہے

(صفحہ ۱۷۸ کا بقیہ حاشیہ) اس طرح یہ ماننا پڑتا ہے کہ فتح منیر شہاب الدین غوری کی فتح ہندوستان ۵۸۸ھ) سے قبل کا واقعہ ہے کیا مسلمان غزنویوں کے عہد ہی میں بہار و بنگال کی حدود میں پہنچ گئے تھے، اور انھوں نے جا بجا اسلامی عملداری اور قبضہ کی بنیاد ڈال دی تھی؟ تاریخی حیثیت سے یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے۔ [1] معدن المعانی مطبع شرف الاخبار ص ۴۳

جن کی آپ نے وطن میں رہ کر تحصیل کی۔ اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے منیر میں رہ کر متوسطات تک تعلیم حاصل کی اور وقت کے بڑے اساتذہ سے تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے۔

مولانا شرف الدین ابوتوامہ سے تلمذ اور سنارگاؤں کا سفر

وطن میں رہ کر علم کی تحصیل کے جو مواقع حاصل تھے، جب آپ نے اُن سے فراغت حاصل کر لی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی علمی تکمیل و ترقی کے لئے ایک دُوسرا انتظام فرمایا۔ دہلی کے اساتذہ میں سے مولانا شرف الدین ابوتوامہ جو شمس الدین التمش کے عہدِ دولت ہی سے علم و تدریس کے نظامِ شمسی کے ایک روشن ستارہ تھے۔ غالباً غیاث الدین بلبن کے عہد میں[1] رجوعِ عام اور بعض حاسد دل کی ریشہ دوانیوں کی بناء پر اشارۂ سلطانی سے ترکِ وطن پر مجبور ہوئے اور اس وقت ہندوستان کی اسلامی مملکت کے آخری سرحدی شہر سنارگاؤں[2] کا قصد فرمایا۔ راستہ میں بہار سے گذرتے ہوئے آپ نے چند روز منیر میں قیام فرمایا، جو غالباً اس وقت دہلی سے سنارگاؤں جاتے ہوئے ایک کارواں سرائے اور آباد بستی تھی، اہلِ قصبہ

---

[1] اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ مولانا شرف الدین ابوتوامہ کے منیر تشریف آوری کے وقت شیخ شرف الدین احمد کم سے کم ۱۲ سال کے تھے تو یہ سنہ ۶۷۳ھ ہوگا، اس طرح یہ زمانہ غیاث الدین بلبن کا ہے جس نے سنہ ۶۶۴ھ سے لیکر سنہ ۶۸۶ھ تک سلطنت کی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا ابوتوامہؒ نے سلطان غیاث الدین بلبن کے اشارہ سے ہجرت اختیار کی تھی۔ ع

"رموزِ مملکتِ خویش خسرواں دانند"

[2] سنارگاؤں مسلمانوں کے عہد میں مشرقی بنگال کا دارالحکومت تھا، اب یہ ایک غیر معروف مقام ہے جو کس مپرسی میں پڑا ہوا ہے اور پنام (PAINAM) کے نام سے ضلع ڈھاکہ میں شامل ہے، دریائے برہم پتر اس سے دو کوس کے فاصلہ پر بہتا ہے۔ سنارگاؤں کے اطراف میں کثیر تعداد میں ویران مسجدوں کے نشانات پائے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی زمانہ میں یہ ایک بڑا اسلامی شہر تھا، یہ اس شاہی سڑک کا منتہیٰ تھا جس کو شیر شاہ نے بنایا تھا۔ ۱۲

کو علم ہو گیا کہ دہلی کا ایک جید عالم منیر آتا ہے۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء[1] کا بیان ہے کہ شیخ مولانا شرف الدین کے تبحر علمی اور صلاح و تقویٰ سے بہت متاثر ہوئے اور فرمایا کہ: ۔ علوم دین کی تعلیم ایسے ہی جامع علم و عمل شخص سے حاصل کرنی چاہئے آپ نے اپنے والدین سے سنار گاؤں جانے کی اجازت مانگی اور ان کی اجازت سے مولانا شرف الدینؒ کی ہمرکابی اختیار کی اور سنار گاؤں تشریف لے آئے۔ شیخ خود اپنی کتاب "خوانِ پُر نعمت" کی مجلس ششم میں استاد کے متعلق اپنے تاثر اور عقیدت کا اظہار ان الفاظ میں فرماتے ہیں: ۔

مولانا شرف الدین ابو توامہؒ ایں چنیں	مولانا شرف الدین ابو توامہؒ ایسے عالم تھے
دانشمندے کہ در تمامہ ہندوستان مشارالیہ	کہ تمام ہندوستان میں ان کی طرف انگلیاں
بودند و ہیچ کس را در علم ایشاں شبیہ نبود[2]	اٹھتی تھیں اور علم میں ان کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

سنار گاؤں پہنچ کر آپ حصولِ علم میں ہمہ تن منہمک ہو گئے۔

صاحبِ مناقب الاصفیاء کا بیان ہے کہ آپ کو مطالعہ اور اسباق میں اتنا انہماک تھا اور وقت کی اتنی قدر تھی کہ طلبہ اور حاضرین کے ساتھ عام دسترخوان پر حاضر ہونا اور سب کے ساتھ کھانے میں شریک ہونا گوارا نہ تھا کہ اس میں کچھ زیادہ وقت صرف ہوتا ہے، مولانا شرف الدین ابو توامہ نے آپ کا انہماک اور طبیعت کا تقاضا دیکھ کر اس کا انتظام کر دیا کہ آپ کا کھانا آپ کی خلوت گاہ میں پہنچ جایا کرے[3]

---

[1] "مناقب الاصفیاء" مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی تصنیف ہے جو شیخ شرف الدین احمد منیریؒ کے بنی اعمام میں سے تھے۔ آپ شیخ عبدالعزیز بن مولانا محمد تاج فقیہ کے پوتے ہیں۔ اس طرح یہ کتاب شیخ شرف الدینؒ کے حالات کا قدیم ترین اور خاندانی ماخذ ہے۔ ۱۲

[2] خوانِ پُر نعمت ص ۱۵ (مطبع احمدی)

[3] مناقب الاصفیاء ۱۳۱ و ص ۱۳۲

شیخ کا یہ زمانہ شدید انہماک اور یکسوئی میں گذرا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ سنارگاؤں کے زمانۂ قیام میں وطن سے خطوط پہنچتے تھے اُن کو آپ کسی خریطہ میں ڈالتے جاتے تھے، اور اس خیال سے پڑھتے نہیں تھے کہ طبیعت میں انتشار اور تشویش پیدا ہوگی اور حصولِ مقصد میں خلل واقع ہوگا۔[1]

شیخ نے سنارگاؤں میں مولانا کی خدمت میں تمام مروجہ علوم کی تکمیل کی، علومِ دینیہ اور علومِ نافعہ کی تکمیل کے بعد فاضل استاد کی خواہش ہوئی کہ وہ اُن بعض علوم کی بھی تحصیل کرلیں جنکے اس زمانہ کے نوجوان اور حوصلہ مند طالب رہا کرتے تھے، مثلاً علم کیمیا وغیرہ۔ شیخ نے معذرت کی اور عرض کیا کہ:۔ مجھے علومِ دینیہ ہی کفایت کریں گے۔

ازدواج مولانا شرف الدین ابو توامہؒ نے اس جوہر قابل کی پوری قدردانی اور سرپرستی فرمائی اور اپنی صاحبزادی سے شیخ شرف الدین کا نکاح کرکے اُن کو اپنی دامادی میں لے لیا۔ سنارگاؤں ہی کے زمانۂ قیام میں شیخ کے بڑے صاحبزادے شیخ ذکی الدین پیدا ہوئے۔

مراجعتِ وطن بعض سوانح نگاروں کا بیان ہے کہ فراغت کے بعد جب آپ نے خطوط کا خریطہ کھولا، تو جو پہلا خط آپ کے ہاتھ آیا، اُس میں آپکے والد ماجد شیخ یحییٰ کی وفات کی اطلاع تھی۔ اس اطلاع سے ماں کا خیال آیا اور محبتِ فرزندی نے جوش کیا اور آپنے اپنے اُستاد سے وطن کو واپسی کی اجازت طلب کی اور صاحبزادہ شیخ ذکی الدین کے ساتھ منیر تشریف لائے۔[2]

شیخ یحییٰ منیریؒ کا انتقال باتفاق مورخین ۱۱ شعبان ۶۹۰ھ میں ہوا، اسلئے یہ ماننا پڑتا ہے کہ آپ کی واپسی ۶۹۰ھ کے کسی مہینہ میں ہوئی، اس سے زیادہ کی تاخیر کی گنجائش اس لئے نہیں ہے کہ شیخ نجیب الدین فردوسی نے (جن کے ہاتھ پر آپنے دہلی جاکر بیعت کی) ۶۹۱ھ میں انتقال فرمایا،

---

[1] سیرۃ الشرف ص۴۶ : نزہۃ الخواطر، جلد ۲ ص۹

[2] سیرۃ الشرف ص۵۲

اس لئے منیر واپسی اور دہلی بھیجنا، یہ سب زیادہ سے زیادہ ۶۹۰ھ کے آخر یا ۶۹۱ھ کے اوائل میں تسلیم کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں سفر کی صعوبت اور سنار گاؤں سے دہلی تک کی مسافت کو دیکھ کر اس بیان کے تسلیم کرنے میں دشواری محسوس ہوتی ہے، اور یہ واقعہ بھی غرابت سے خالی نہیں کہ آپ نے ۶۹۰ھ تک خطوط ملاحظہ نہ فرمائے ہوں، اور والد کے انتقال کے بعد ہی خریطہ کھولنے کی نوبت آئی ہو اور اتفاق سے پہلا خط ان کے انتقال کی اطلاع ہی کا ہاتھ لگا ہو لیکن خواہ مراجعتِ وطن کا محرک محض ایک خط کے اتفاقی مطالعہ کو نہ قرار دیا جائے، لیکن اتنا ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ۶۹۰ھ سے پہلے منیر واپسی نہیں ہوئی، کیونکہ اس واپسی کے موقع پر کسی تذکرہ نگار نے بھی والد سے ملاقات کا ذکر نہیں کیا۔ "مناقب الاصفیا" (جو ایک خاندانی ماخذ ہے) میں ہے :-

ازاں جا قصد منیر کرد بخدمتِ مادر آمد	وہاں سے منیر کا قصد کیا، ماں کی خدمت میں
... ... پسر را تسلیم مادر کرد و	حاضر ہوئے بچے کو اس کی دادی کے سپرد کیا،
گفت این را بجائے من دانید و	اور کہا کہ اسکو میری جگہ پر سمجھئے اور
مرا بگذارید ہر جا کہ خواہم بروم	مجھے اجازت دیجئے کہ جہاں چاہوں جاؤں،
پندارید کہ شرف الدین مُرد، بعدہٗ	یہ سمجھ لیجئے گا کہ شرف الدین مر چکا ہے،
طرفِ دہلی رفت و مشائخ دہلی را	اس کے بعد دہلی تشریف لے گئے اور مشائخ
دریافت[1]۔	دہلی کی خدمت حاضر ہوئے۔

بہر حال آپ کی بلند ہمتی، صدقِ طلب اور عشقِ الٰہی کی دبی ہوئی چنگاری نے اس کی اجازت نہ دی کہ آپ ظاہری علم کی تکمیل پر قناعت کر کے منیر میں قیام کر لیں اور علمائے ظاہری کی طرح محض درس و تدریس میں مشغول ہو جائیں۔ آپ نے کمسن صاحبزادے ذکی الدین کو اپنی والدہ صاحبہ کے حوالہ کیا اور عرض کیا کہ اس کو میری یادگار اور

---

[1] مناقب الاصفیا ص ۱۳۲ مطبع نور الآفاق کلکتہ

خاندان کا چشم و چراغ جان کر اپنے پاس رکھئے اور دل بہلائیے اور مجھے دہلی جانے کی اجازت دیجئے کہ مقصودِ حقیقی حاصل کروں۔

سفرِ دہلی و انتخابِ شیخ

بہر حال ۶۰۹ھ کے آخر یا ۶۱۰ھ کے آغاز میں آپ نے دہلی کو کوچ کیا، بڑے بھائی شیخ جلیل الدین ہمراہ تھے، اندازہ ہوتا ہے کہ تبحرِ استاد کے فیضِ تعلیم اور اپنی جودتِ طبع سے آپ میں معاصر علماء و مشائخ کو ناقدانہ اور محققانہ نظر سے دیکھنے کی عادت اور علومِ ظاہری کے معیار پر جانچنے کا مذاق پیدا ہوگیا تھا، دہلی پہونچ کر آپ نے مشائخِ وقت کے یہاں حاضری دی اور ان کو اس نظر سے دیکھا کہ کس کو اپنا خضرِ طریق بنایا جائے، لیکن جیسا کہ سوانح نگاروں کا بیان ہے بزرگانِ دہلی میں سے کوئی آپ کی نظر میں نہیں جچا۔ مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق آپ نے سب کے ہاں حاضری دینے کے بعد فرمایا:۔ "اگر شیخی اینست ماہم شیخیم" (اگر یہی پیری مریدی ہے تو ہم بھی شیخ ہیں[۱]) صرف سلطان المشائخ شیخ نظام الدینؒ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ متاثر ہوئے، حضرت کی اور آپ کی کچھ علمی گفتگو بھی ہوئی، آپ نے سوالات کے معقول جواب دیئے، حضرت خواجہؒ نے اعزاز و اکرام فرمایا اور نبات و لوز کی ایک تھال عنایت فرمائی اور فرمایا:۔

سیمرغ نیست نصیب دام ما نیست	ایک شاہین بلند پرواز ہے لیکن ہمارے
... ...	جال کی قسمت میں نہیں ہے[۲]۔

دہلی سے پانی پت آئے اور شیخ بو علی (شرف الدین) قلندر پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں بھی اپنا مقصد نہیں پایا، فرمایا:۔

شیخ است اما مغلوب حال است	شیخ ہیں لیکن مغلوب الحال، دوسروں
بہ تربیت دیگرے نمی پردازد[۳]	کی تربیت نہیں کر سکتے۔

۱؎ مناقب الاصفیاء صـ۱۳۲ ۲؎ ایضاً صـ۱۳۲ ۳؎ مناقب الاصفیاء صـ۱۳۲

شیخ نجیب الدّین فردوسیؒ

دہلی اور پانی پت سے مایوس ہو کر واپس آنے پر بڑے بھائی شیخ جلیل الدین نے خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کا تذکرہ کیا اور ان کے طریق اور مناقب بیان کئے، شیخ نے کہا کہ جو دہلی کا قطب تھا (خواجہ نظام الدین اولیاءؒ) اُس نے ہم کو بتے دیکر واپس کر دیا، اب دوسرے کے پاس جاکر کیا کریں گے؟۔ بھائی نے کہا کہ ملاقات کر لینے میں کیا حرج ہے۔ بھائی نے جب زیادہ اصرار کیا تو ان کی ملاقات کا ارادہ کر لیا اور دہلی روانہ ہوئے۔ دہلی اس شان سے پہنچے کہ منہ میں پان دبا ہوا تھا، کچھ پان رومال میں بندھے ہوئے تھے۔ جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے دولت خانہ پر پہنچے تو ایک دہشت سی طاری ہوئی۔ اور بدن پسینہ پسینہ ہو گیا۔ تعجب ہوا اور کہا کہ میں اس سے پہلے دوسرے مشائخ کے ہاں حاضر ہوا، لیکن یہ کیفیت کہیں نہیں ملی۔ جب حضرت شیخ کے ہاں پہنچے اور شیخ کی اُن پر نظر پڑی تو فرمایا کہ منہ میں پان اور رومال میں بھی پان کے بتے اور دعویٰ یہ کہ ہم بھی شیخ ہیں! یہ سنتے ہی آپ نے پان کو منہ سے نکال دیا، اور ایک رعب کی حالت میں مؤدب بیٹھ گئے۔ کچھ وقت گذر جانے کے بعد بیعت کی درخواست کی۔ خواجہؒ نے قبول فرمایا، اور داخلِ سلسلہ کر لیا[1] اور اجازت دے کر رخصت فرمایا۔

---

[1] مناقب الاصفیاء صـ۱۳۲

باب دوم

ہندوستان میں سلسلۂ فردوسیہ

اور اُس کے مشائخ کبار

خواجہ نجم الدین کبریٰ[1]

شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سہروردی صاحب عوارف المعارف و امام طریقہ سہروردیہ کے عم معظم اور شیخ طریقت خواجہ ضیاء الدین ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۵۶۳ھ) کے خلفاء کبار میں سے ایک بزرگ ابوالجناب احمد بن عمر مشہور بخواجہ نجم الدین کبریٰ رحمۃ اللہ علیہ تھے۔ خوارزم وطن تھا۔ تصوف و طریقت میں آپ مرتبہ عالی رکھتے تھے۔ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ بھی روحانی رشتہ سے اپنا بڑا بھائی سمجھ کر اور اپنے مرشد کا جانشین و قائم مقام جان کر آپ کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے۔ عوارف المعارف اچاپنے

---

[1] آپ کا لقب کبریٰ اس بنا پر ہے کہ اپنی طالب علمی کے زمانہ میں بحث و مناظرہ میں مدمقابل کو شکست دیدیتے تھے، انکا لقب الطامۃ الکبریٰ (بڑی آفت) پڑ گیا۔ کثرت استعمال سے الطامۃ محذوف ہوگیا، اور الکبریٰ رہ گیا۔ (خزینۃ الاصفیاء صفحہ ۲۵۹)

مصنف کے زمانہ کے بعد سے لیکر اس وقت تک طالبین طریقت کا دستور العمل اور حرزِ جان ہی، جب تصنیف فرمائی تو شیخ نجم الدینؒ کی خدمت میں پیش کی، آپ نے ملاحظہ فرمایا اور قبولِ عام اور بقائے دوام کی دعا فرمائی۔

حضرت شیخ نجم الدینؒ پر توحید و فنا اور عشق و محبتِ الٰہی کی کیفیت کا غلبہ تھا۔ معارف و حقائق کے بیان میں پایۂ بلند رکھتے تھے۔ مناقب الاصفیاء میں ہے:۔

سخن در توحید و معرفت و در قواعد	توحید و معرفت اور طریقت و حقیقت کے
طریقت و حقیقت بیان بدیع گفتہ،	اصول و قواعد کے بارے میں بڑی بلند باتیں اور
تصنیفات او بہ عربی و فارسی و نظم و نثر	لطیف نکتے ارشاد فرماتے۔ عربی، فارسی اور
بسیار است از جملہ تصنیفات او تبصرہ و	نظم و نثر میں انکی تصنیفات بہت ہیں، انھیں
رسالہ در بیاں طریق سلوک در بین	تصنیفات میں ایک کتاب تبصرہ اور ایک رسالہ
ہند مشہور است[1]۔	طریق سلوک کے بیان میں ہندوستان میں مشہور ہے۔

صاحبِ مناقب الاصفیاء نے آپ کے کچھ اشعار نقل کئے ہیں جن میں عشق و سرشاری کی عجیب کیفیت اور سوز و گداز اور محویت و استغراق کا عجب عالم نظر آتا ہے، یہاں صرف چند اشعار نقل کئے جاتے ہیں، ایک غزل میں فرماتے ہیں:۔ ؎

در چنیں حیرت کہ من دارم چہ گویم وصفِ خویش

آتشم خاکم نسیمم آب دریا چیستم؟

عاقلم دیوانہ ام اندر فراقم یا وصال

نیستم ہستم نہ برجایم نہ بے جا چیستم؟

---

[1] مناقب الاصفیاء صـ ۹۵

در یکے شبنم ہزاراں کوہ و صحرا این عجب

شبنم یا ساحلم یا کوہ و دریا چیستم؟

بے نشانی شد نشان و بے زبانی شد زباں

بے نشان و بے زباں گویاں و بینا چیستم؟

دوستانم نجم خوارزمی ہمیں خوانند من

والہ و مدہوش و حیراں ناچیم یا چیستم؟

دوسری غزل میں فرماتے ہیں۔ ؎

نہ از علوی خبر دارم نہ از سفلی اثر دارم — وطن جائے دگر دارم کز این جا نیست و آنجا نہ

نہ در گنج مناجاتم نہ در کوئے خراباتم — خلافِ عقل طاماتم کشیدہ رطل مستانہ

بیار آں جام جاں افزا بہ بر از خاطرم سودا — برون شو از من و از ما درآ اے یار فرزانہ

چوں آتش گرچہ چالاکم نہ از بادم نہ از خاکم — چوں آب از این و آں پاکم بگفتم سرِ مستانہ

الا اے نجم گر خواہی مسلّم ماہ تا ماہی

بسوئے حضرت شاہی قدم بردار مردانہ

۱۰ ر جمادی الاوّل ۶۱۸ھ کو خوارزم میں تاتاریوں سے مردانہ وار لڑتے ہوئے شہید ہوئے خلفاء میں شیخ مجد الدین بغدادی (مصنف مرصاد العباد کے شیخ) شیخ سعد الدین حمویا، بابا کمال جنیدی، شیخ رضی الدین علی لالہ، شیخ سیف الدین باخرزی، شیخ نجم الدین رازی، شیخ جمال الدین مبکی اور مولانا بہاء الدین خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مناقب الاصفیاء میں ہے کہ خواجہ فرید الدین عطار کو بھی آپ سے ارادت تھی۔[1]

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۹۹

ہندوستان میں اس سلسلہ کی آمد

آپ کا طریقہ طریقۂ کبرویہ کہلاتا ہے، یہ تینؔ طریقوں سے ہندوستان پہنچا۔ ایک امیر سید علیؒ بن الشہاب ہمدانی کشمیری (متوفی ۷۸۶ھ) کے ذریعہ جو شیخ شرف الدین محمود بن عبد اللہ المزدقانی کے خلیفہ تھے، ان کو شیخ علاء الدین سمنانی سے اجازت تھی اور وہ تین واسطوں سے خواجہ نجم الدین کبریٰؒ سے اجازت رکھتے ہیں۔ سیّد علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ ۷۷۳ھ یا ۷۸۱ھ میں کشمیر تشریف لائے اور ان کی تبلیغ اور مساعی جمیلہ سے کشمیر کی بیشتر آبادی مسلمان ہوئی۔ یہ سلسلہ کبرویہ ہمدانیہ کشمیر میں گیارھویں صدی تک سرسبز رہا، اس سلسلہ کے ایک بڑے شیخ مولانا یعقوب صرفی کشمیری (متوفی ۱۰۰۳ھ) تھے جو اپنے زمانہ میں حدیث و تفسیر کے ایک بڑے عالم علامہ ابن حجر ہیتمی مکّی کے تلامذہ اور امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے اساتذہ میں سے ہیں یہ سلسلہ کشمیر میں ابھی تک زندہ اور موجود رہا ہے۔

طریقہ کبرویہ کے ہندوستان پہنچنے کا دوسرا ذریعہ امیر کبیر شیخ الاسلام سید قطب الدین محمد مدنی[۱] (متوفی ۶۷۷ھ) تھے، جو خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے خلفاء میں تھے، آپ سلطان قطب الدین ایبک یا سلطان شمس الدین التمش کے زمانہ میں ہندوستان آئے، اور عرصہ تک دہلی میں شیخ الاسلامی کے منصب پر فائز رہے، پھر کڑا (مانک پور) فتح کر کے وہیں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ کے بیک واسطہ خلیفہ شیخ علاء الدین جیوری (متوفی ۷۳۴ھ) تھے، ان کے سلسلہ میں بڑے بڑے مشائخ پیدا ہوئے۔ یہ سلسلہ سلسلۂ جنیدیہ کے نام سے دکن کے بعض مقامات میں اب بھی موجود ہے۔

---

[۱] آپ کی نسل میں ہندوستان میں بڑے بڑے علماء و مشائخ و مجاہد پیدا ہوئے جن میں حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی رائے بریلوی خلیفہ حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا خواجہ احمد نصیر آبادیؒ مشہور ہیں۔ مولانا سید عبد الحیؒ مصنف "نزہۃ الخواطر" کا اسی خاندان سے تعلق ہے۔ ۱۲

سلسلۂ فردوسیہ ہندوستان میں

اسی سلسلہ کی ایک شاخ "فردوسی" کہلائی۔ حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰؒ کے ایک جلیل القدر خلیفہ خواجہ سیف الدین باخرزیؒ تھے، اُن کے خلیفہ خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ مشائخ فردوسیہ میں سب سے پہلے ہندوستان[1] آئے اور یہاں قیام اختیار فرمایا اور طریقۂ فردوسیہ کی بنیاد رکھی۔

خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ

خواجہ بدر الدینؒ کے طریقہ کی خصوصیت فنا اور اضمحلال، ترکِ ارادہ و اختیار و اخفار خوارق و کرامات ہے۔ اس وقت سلسلۂ چشتیہ کو ہندوستان میں قبولِ عام حاصل ہو رہا تھا، اور اس طریقے کی بنیاد پڑ رہی تھی جس کی قسمت میں ہندوستان کا صاحبِ ولایت بننا تھا۔

---

[1] اس وجہ تسمیہ کے سلسلہ میں ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نجم الدین کبریٰؒ کو خلافت دیتے وقت حضرت خواجہ ضیاء الدین ابو النجیبؒ نے فرمایا تھا کہ: "شما مشائخ فردوس ہستید" لیکن حضرت شیخ رکن الدین فردوسی سے پہلے فردوسی کی نسبت نظر نہیں آتی، عام طور پر اس سلسلہ کے مشائخ اور ان کا سلسلہ کبرویہ کہلاتا ہے، اس لقب کی شہرت دراصل حضرت شیخ رکن الدین فردوسی کے زمانہ سے ہوئی، اس وقت سے اس سلسلہ کے مشائخ "فردوسی" کہلائے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان سے یہی معلوم ہوتا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔ خواجہ رکن الدینؒ رہ ہندچناں برآمد کہ بعرب و عجم رسید شجرہ معظمہ پیران سلسلہ بنام او روز نمہ پیران فردوس گفتند و پیوستگان ایں شجرہ را در ہند بنام او می خوانند فردوسی می گویند لاالا لقاب تنزل من السماء ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔ (مناقب الاصفیاء صفحہ ۱۲۵)

خواجہ رکن الدینؒ ہندوستان میں اس شان سے آئے کہ عرب و عجم میں ان کا فیض پہنچا، اپنے پیرانِ طریقت کے شجرہ کا سلسلہ جاری کیا اور وہ مشائخ فردوسی کے نام سے مشہور ہوئے۔ اس شجرہ کے وابستگان ہندوستان میں اپنے سلسلہ کو اسی نام سے پکارتے ہیں اور فردوسی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ پرانا مقولہ ہے کہ لقب آسمان سے اترتے ہیں، یہ اللہ کا فضلِ خاص ہے جسکو چاہے دے۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا آفتابِ ارشاد نصف النہار پر تھا۔ خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کو ایسے ہی زمانہ اور ایسے ہی ماحول میں ایک ایسے طریقے کی بنیاد رکھنے کا کام کرنا پڑا جس کے اندر عام کشش و رجوعِ عام کا سامان کم تھا، اور جس کے مشائخ اخفاءِ حال کو اظہارِ حال پر ذوقاً ترجیح دیتے تھے۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء جو خود فردوسی ہیں، لکھتے ہیں:-

طریقۂ شطار و محبانِ حق داشت بزبانِ حال
ہمیشہ گفتے طلب علوم دین لازم گیرید و بداں
عمل کنید و عمل را خالص برائے خدا گردانید
کہ علم بے عمل سود نہ دارد و عمل بے اخلاص
ثمرہ ندارد و طالب کرامت مباشید استقامت
در عبادت مکرم بجوئید کہ الاستقامۃ کل
الکرامۃ تا مکاشف بیقین شوید و بنیاد
بنا و قواعد طریقت در ہند استوار از دو واز
متابعان او شد پیش از ان عوام و خواص،
الا من شاء اللہ مشیخی را بنا بر اظہار خوارقِ
عادت و کرامت کردہ بودند معلوم است در
عہد خواجہ قطب الدین بختیار رحمۃ اللہ علیہ
در ہند بسیار محققان اہلِ طریقت بودند چنانچہ
شیخ الاسلام شیخ بہاء الدین زکریاؒ و شیخ الاسلام
شیخ نجم الدین صغریٰ شیخ الاسلام دہلیؒ

ان کا طریقہ شطاریہ عشقیہ تھا، ہمیشہ زبانِ حال سے
فرماتے رہے، طلبِ علوم دینیہ کو لازم سمجھو اور
ان پر عمل کرو اور عمل کو خالصۃً لوجہ اللہ رکھو کہ
علم بے عمل غیر مفید اور عمل بے اخلاص بے ثمر ہے
اور کرامت کے طالب نہ رہو، بندگی میں استقامت
اصل کرامت ہے، تاکہ تم صاحبِ مکاشفات
یقینی ہو جاؤ۔ ہندوستان میں طریقۂ فردوسیہ
کی بنیاد خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ اور اُن
کے پیروؤں کے ہاتھوں سے پڑی، اس سے
پہلے عوام و خواص الا من شاء اللہ اظہارِ
خوارق و کرامت کی بنیاد پر پیری مریدی
کرتے تھے۔ معلوم ہے کہ خواجہ قطب الدین
بختیارؒ کے زمانہ میں ہندوستان میں بہت سے
محققین اہلِ طریقت تھے جیسے شیخ الاسلام
شیخ بہاء الدین زکریاؒ، شیخ الاسلام شیخ

وشیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ
صاحب این ذکر وشیخ الاسلام شیخ
معین الدین سجزی پیر خواجہ قطب الدین
مذکور رحمۃ اللہ علیہم اجمعین
اما رجوع خلق عام وخواص الامن
شاع چنانچہ بر خواجہ قطب الدین بختیارؒ
بود بر ہیچ یکے ازیں بزرگوار نبود وایں ان
سبب بود کہ خوارق عادات وکرامت
از خواجہ قطب الدین بسیار بود

نجم الدین صغریٰ (جو دہلی کے شیخ الاسلام
تھے) شیخ الاسلام خواجہ بدرالدین سمرقندی
وشیخ الاسلام شیخ معین الدین سنجری جو خواجہ
قطب الدین بختیار کے پیر تھے، اللہ تعالیٰ کی رحمتیں
ان سب بزرگوں پر ہوں، لیکن عوام وخواص
کا جو رجوعِ عام خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ
کی طرف تھا وہ ان بزرگوں میں سے کسی کی طرف نہیں
تھا، اسکا سبب یہی تھا کہ خوارق عادات اور
کرامات کا صدور حضرت خواجہ قطب الدینؒ سے بہت ہوتا تھا۔

صاحب مناقب الاصفیاء مزید ان کا مذاق ومزاج اور ان کے طریق کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: —

خواجہ بدرالدین سمرقندی از روشِ مشائخ
ہند ممتاز بود، مشائخ ہند اکثر ارباب معاملہ
بودند وبعضے اصحاب ریاضت ومجاہدات
بودند وخواجہ بدرالدین سمرقندی طریق
شطار محبانِ حق داشت . . . .
.. ..
بنیاد طریق شطار بر موت ارادیست،
سالکانِ ایں راہ مخاطب بقولہ موتوا

خواجہ بدرالدین سمرقندیؒ کی روش دوسرے
مشائخ ہندوستان کی روش سے الگ تھی،
مشائخ ہندوستان اکثر ارباب معاملہ تھے،
اور بعضے صاحبِ ریاضت ومجاہدات،
خواجہ بدرالدین سمرقندی کا طریقہ طریقۂ
شطاریہ عشقیہ تھا .. ..
اس طریقہ کا دارومدار اختیاری فنا پر اور
اس طریق کے سالکین کا عمل موتوا قبل

قبل ان تموتوا ند، سائران الی اللہ طائران	ان تموتوا پر یہ راہِ خدا ہدی کے رہ نورد
الی اللہ اند، اوّل قدم بر جاں نہند خواہاں در	اور فضائے روحانیت کے شہباز اور طائران
نظر بیارند جان در بازند و شیر مردے	تیز پرواز ہیں پہلے ہی قدم پر علائق سے گذر
باید کہ دریں راہ قدم نہد و خود را بعدم در دہد۔	جاتے ہیں اور جان پر کھیل جاتے ہیں، بڑا

شیر مرد چاہیے جو اس راہ میں قدم رکھے اور اپنے کو فانی بنا دے۔

خواجہ بدر الدین سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ صاحب سماع اور صاحب وجد و حال تھے، آپ نے غالباً ساتویں صدی کے آخر میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں وفات پائی۔ سنہ وفات کسی تذکرہ میں نہیں مل سکا۔[۲]

خواجہ رکن الدّین فردوسیؒ

خواجہ بدر الدین سمرقندیؒ کے خلیفۂ خاص خواجہ رکن الدین فردوسی تھے۔ صاحب مناقب الاصفیاء کے بیان کے مطابق انھوں نے بچپن سے اپنے شیخ کے دامن تربیت میں پرورش پائی تھی، انھیں سے علم ظاہر اور طریقت کی تعلیم حاصل کی اور انھیں سے خلافت حاصل کر کے ان کے جانشین ہوئے، انھیں کے زمانہ سے یہ سلسلہ فردوسیہ کہلایا۔ صاحب "گل فردوس" لکھتے ہیں:۔ ؎

گشت از فضل خداوند چو او فردوسی
گشتم از من طفیلش من و تو فردوسی

شیخ رکن الدین فردوسیؒ بھی صاحب وجد و حال تھے، ان کا بھی انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں

---

[۱] مناقب الاصفیاء ص ۱۲۳

[۲] خزینۃ الاصفیاء میں سنہ وفات ۷۱۶ھ دیا گیا ہے۔ مصنف نزہۃ الخواطر کی تحقیق کے مطابق یہ لائق اعتماد نہیں، ان کی وفات اس سے پیشتر ساتویں صدی میں ہو گئی تھی۔ (نزہۃ الخواطر۔ ج۔۱)

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے عہد میں ہوا۔[1]

خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ

خواجہ نجیب الدین فردوسی شیخ عماد الدین دہلوی کے صاحبزادے اور خواجہ رکن الدین فردوسی کے برادر زادہ اور خلیفہ ہیں، زندگی بھر اپنے شیخ اور عم نامدار کی خدمت میں رہے، پھر اُن کی وفات کے بعد ان کے سجادہ کو آباد رکھا اور سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور استحکام اور توحید و عشق الٰہی کی تبلیغ و اشاعتِ عام کیلئے ایک ایسے محقق مجتہد الفن الہام و ربانی طریقہ کی تربیت کی جس نے نہ صرف ان کے پیران عظام کے نام کو زندہ اور تابندہ رکھا بلکہ نصف صدی سے زائد تک مشرقی ہندوستان کو اپنے روحانی فیض اور حرارتِ عشق سے گرم و معمور رکھا، اور اپنی تحقیقاتِ عالیہ، مقاماتِ علیہ اور علومِ نادرہ کی بنا پر عین القضاۃ ہمدانیؒ خواجہ فریدالدین عطارؒ اور مولانا جلال الدین رومیؒ کی یاد تازہ کردی۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء اُن کے متعلق لکھتے ہیں:-

اختیار گم نامی داشت از شہرت و اسباب	گمنامی کو اپنے لئے پسند فرمایا تھا۔ شہرت
شہرت بری بود، او لیائی تحت قبائی	اور اسبابِ شہرت سے بری تھے، اولیائی تحت
در شان او مسلم بود	قبائی (اولیاء اللہ خلق کی نگاہوں سے ایسے مستور
مریدانِ اہل معنی داشت، مولانا	ہوتے ہیں کہ سوائے خدا کے کسی کو اُن کی خبر

---

[1] خزینۃ الاصفیاء کی تاریخ ۷۲۲ھ صحیح نہیں ہے، اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ ان کے خلیفہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ کا سنہ وفات بالاتفاق ۶۹۱ھ ہے، اور یہ بات خلاف قیاس ہے کہ وہ اپنے خلیفہ و جانشین کے بعد ۳۳ سال تک زندہ رہے ہوں، اور حضرت شیخ شرف الدین احمد نے اُن کو چھوڑ کر اُن کے خلیفہ سے بیعت کی ہو، اسلئے صاحب نزہۃ الخواطر کا یہ بیان صحیح معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا انتقال ساتویں صدی کے اخیر میں ہوا۔

عالم اندپتی[1] جامع فتاوی تتارخانی یکے
از مریدان وے بود نظمہائے با معنی دارد۔
مناقب خواجہ نجیب الدین فردوسی ہمہ
مستور بود رحمۃ اللہ علیہ[2]۔

نہیں ہوتی) ان کی شان تھی، انکے مریدین
میں بڑے بڑے عارف اور محقق تھے، مولانا
عالم اندپتی فتادی تاتارخانی کے مؤلف
اُن کے مرید تھے، بڑی عارفانہ نظمیں اُن کے
قلم سے نکلی ہیں، خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ کے تمام کمالات پردہ خفا میں تھے۔
رحمۃ اللہ علیہ

---

[1] اس سے مراد مولانا فرید الدین عالم ابن العلا حنفی اندرپتی ہیں، فتاوی تاتارخانیہ ۷۷۷ھ میں تصنیف کر کے اپنے دوست امیر کبیر تاتارخان کے نام سے موسوم کیا، فیروز شاہ کی خواہش تھی کہ اسکے نام سے موسوم ہو، مگر اس کو قبول نہیں کیا۔ وفات غالباً ۷۸۶ھ میں ہوئی۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر (جلد ثانی)
[2] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۶

باب سوم

مجاہدہ و خلوت، قیام و سکونت
اور
ارشاد و تربیت

دہلی سے واپسی مناقب الاصفیاء میں ہے کہ: خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ نے بیعت کرنے کے بعد تحریری اجازت نامہ بھی حوالہ کیا۔ شیخ شرف الدین نے عرض کیا کہ۔ مجھے تو ابھی خدمتِ والا میں کچھ روز رہنے کا بھی اتفاق نہیں ہوا، اور میں نے سلوک کی تعلیم بھی ابھی جناب سے حاصل نہیں کی، میں اس اہم ذمہ داری اور نازک کام سے کیسے عہدہ برآ ہو سکوں گا؟ خواجہ نجیب الدینؒ نے ان کو اطمینان دلایا کہ یہ معاملہ اشارۂ غیبی سے ہوا ہے، اور ان کی تربیت نبوت کی طرف سے ہوگی، اس کے بعد ان کو رخصت فرمایا اور کہا کہ :۔

"جب راستہ میں کوئی خبر سننے میں آئے تو واپس نہ ہوں"۔

چنانچہ ایک ہی دو منزل ملے کی تھی کہ حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات کی اطلاع ملی، آپنے حسبِ وصیت

سفر جاری رکھا اور منیر کی طرف روانہ ہوئے۔[1]

شورشِ عشق

آپ خواجہ نجیب الدینؒ سے رخصت ہوئے تو دل پر ایک چوٹ سی تھی، عشقِ الٰہی کی حرارت رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی، فرماتے ہیں:-

من چوں بخواجہ نجیب الدین فردوسیؒ پیوستم	میں جب خواجہ نجیب الدین فردوسیؒ سے
حزنے در دل من نہادہ شد کہ ہر روز	ملا ایک حزن اور درد میرے دل میں بیٹھ گیا
آں حزن زیادہ می شد[2]	جو دن بدن بڑھتا ہی جاتا رہا۔

جب آپ بہیا[3] پہنچے اور مور کی جھنکار سنی تو دل میں ایک ہوک اٹھی اور صبر و ضبط کا یارہ نہ رہا، گریبان چاک جنگل کی راہ لی اور روپوش ہو گئے۔ بھائیوں اور سفر کے ساتھیوں نے بہت تلاش کیا کچھ سراغ نہ ملا، آخر اجازت نامہ اور خواجہ نجیب الدینؒ کے تبرکات لے کر واپس آگئے، اور یہ سب چیزیں والدہ کے حوالہ کیں۔[4]

راجگیر کے جنگل میں

منقول ہے کہ آپ بارہ برس تک بہیا کے جنگل میں رہے، کسی کو خبر نہ ہوئی، اسکے بعد آپ راجگیر[5] کے جنگل میں بھی دیکھا گیا لیکن کسی کو ملاقات

---

[1] مناقب الاصفیا، صـ۱۳۲ و صـ۱۳۳

[2] " " صـ۱۳۳

[3] بہیا منیر سے تقریباً بیس میل مغرب ضلع شاہ آباد (آرہ) میں ہے۔ اس وقت ای۔ آئی۔ ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ [4] مناقب الاصفیا و صـ۱۳۳

[5] ڈاکٹر وہنٹر گزیٹیر میں لکھتا ہے:- راجگیر کے پہاڑ "دو قلہ" متوازی الخط کی صورت میں جنوبی و غربی سمت کو چلے گئے ہیں جن کے درمیان ایک تنگ وادی ہے جس کو جگہ جگہ نالے اور درے قطع کرتے ہیں۔ یہ پہاڑ جو کسی جگہ ہزار فٹ سے زیادہ

(بقیہ صـ۱۹۸ پر)

کی نوبت نہ آئی، یہ پہاڑ اور جنگل ہر فرقہ اور ملت کے مرتاض لوگوں کا گوشۂ عزلت رہا ہے گوتم بدھ نے بھی برسوں یہاں بیٹھ کر دھیان جمایا، جس وقت مخدوم صاحبؒ یہاں مجاہدہ اور ریاضت میں مشغول تھے اُس وقت ہندو جوگی بھی جابجا خلوت نشین تھے۔ کتابوں میں ان ہندو جوگیوں کے ساتھ آپ کے متعدد مکالمے منقول ہیں۔ دامنِ کوہ میں ایک گرم جھرنے سے متصل آپ کا حجرہ اب بھی موجود ہے، اور "مخدوم کنڈ" کے نام سے بھی ایک جھرنا مشہور ہے۔

یہ بارہ برس کا عرصہ ریاضات و مجاہدات، خلوت و مراقبہ، تحیر و سرگشتگی اور بےخودی اور سرمستی میں گذرا، جنگل کی پتیاں غذا کا کام دیتی تھیں، اس زمانہ کی ریاضتوں کے متعلق ذکر کرتے ہوئے آپ نے ایک مرتبہ اپنے مرید قاضی زاہد سے فرمایا کہ:۔ "میں نے جو ریاضتیں کی ہیں، اگر پہاڑ کرتا تو پانی ہوجاتا۔ لیکن شرف الدین کو کچھ نہ ہوا۔ آپ کے بیان کئے ہوئے ایک واقعہ اور اندازِ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ان ریاضتوں اور محنتِ شاقہ پر زیادہ مطمئن نہیں تھے۔ غسل کا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں جس میں آپنے عزیمت کے خلاف سمجھتے ہوئے شریعت کی اجازت پر عمل نہیں کیا تھا۔ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی میں غسل کرنے کی وجہ سے بیہوش ہو گئے۔ فرمایا کہ:۔ (اِس بلاضرورت مشقت) کا خلعت یہ ملا

(صـ۱۹۷ کا بقیہ حاشیہ) بلند نہیں ہیں۔ عظیم الشان چٹانوں سے مرکب اور گھنی جھاڑیوں سے مزین ہیں اور ایک خاص قدیمی دلچسپی رکھتے ہیں، کیونکہ ان پر اکثر مذہب بودھ کے آثار قدیمہ ملتے ہیں.. .. ..

جنرل کننگھم کہتے ہیں کہ:۔ چینی سیاح ہیوین سیانگ (HIVEN TSIANG) نے جو کپوٹیکا (KAPOTICA) پہاڑی کا ذکر کیا ہے وہ یہی ہے۔ گرم جھرنے یہاں بہت ہیں۔ .. ..

ڈاکٹر بچنن ہملٹن (BUCHANEN HEMILTON) کہتے ہیں کہ:۔ یہ راجگیر وہی راج گریہا ہے جو بودھ گوتما کا مسکن تھا اور قدیمی مگدھ کا پایۂ تخت تھا۔ نیا راجگیر دو ثلث مربع میل پر پرانے شہر سے واقع ہے۔
(سیرۃ الشرف باختصار صـ۶۵ و صـ۶۷)

کہ اس دن فجر کی نماز قضا ہو گئی۔[1]

بہار کی سکونت اور خانقاہ کی تعمیر

اسی زمانہ میں حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے ایک خلیفہ اور انہی کے ہمنام مولانا نظام بہار میں رہتے تھے جو مولانا نظام مولی کے نام سے مشہور تھے، اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض لوگ راجگیر کے جنگل میں گئے اور مخدوم صاحبؒ سے اُن کی ملاقات ہوئی تو اُن کو بھی ملاقات کا شوق ہوا انھوں نے اور اُن کے بعض بعض معتقدین نے جاکر ملاقات کی اور وقتاً فوقتاً جنگل میں جاکر مخدوم صاحبؒ سے ملتے رہے۔ مخدوم صاحبؒ نے ان کی طلب صادق اور اخلاص کو دیکھا تو فرمایا کہ:۔ یہ جنگل خطرناک ہے، مجھے تمھارے آنے سے فکر پیدا ہوتی ہے، تم لوگ شہر ہی میں رہو۔ میں جمعہ کے دن شہر آجایا کروں گا اور جامع مسجد میں ملاقات ہو جایا کرے گی۔ لوگوں نے یہ تجویز منظور کرلی۔ مخدوم صاحبؒ جمعہ کے دن تشریف لاتے اور ایک گھڑی مولانا نظام الدین اور اُن کے دوسرے دوستوں کے ساتھ بیٹھ کر جنگل کو واپس چلے جاتے تھے، ایک مدت اس طرح گذر گئی تو اُن معتقدین نے آپس میں مشورہ کیا کہ کوئی ایسی جگہ بنانی چاہیئے جہاں آپ جمعہ کی نماز پڑھ کر کچھ دیر استراحت فرمالیا کریں، چنانچہ بیرونِ شہر جہاں آپ کی خانقاہ واقع ہے انھوں نے دو چھپر ڈال دیئے۔ جب آپ جمعہ کی نماز سے فارغ ہوتے، اس جگہ دوستوں کے ساتھ نشست فرماتے، اور کبھی ایک دو روز ٹھہر بھی جاتے۔ اسکے بعد مولانا نظام الدین نے مجدالملک صوبہ دار بہار سے اجازت لیکر اپنے مالِ حلال میں سے ایک پختہ عمارت بنوادی۔ جب وہ عمارت تیار ہوئی تو وہاں آپ نے ایک دعوت کی جس میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے متوسلین شریک ہوئے اور انھوں نے مخدوم صاحبؒ سے سجّادہ پر بیٹھنے کی درخواست کی، آپ نے سجّادہ کو زینت بخشی، اور مولانا نظام الدینؒ اور حضرت خواجہؒ

---

[1] سیرۃ الشرف صـ۲۷

کے مریدین کی طرف منھ کر کے فرمایا کہ:-

دوستو! تمھاری نشست و برخاست نے مجھے اس ثبت خانہ میں بٹھایا۔[1]

یہ واقعہ ۷۲۱ھ اور ۷۲۴ھ کے درمیان پیش آیا۔[2] یہ سلطان غیاث الدین تغلق کا عہدِ حکومت ہے۔

۷۲۵ھ میں سلطان محمد تغلق اپنے والد کا جانشین اور سریر آرائے سلطنت ہوا، سلطان کو مشائخ و صوفیار اور اہل قلوب کو گوشۂ عزلت سے باہر لانے اور نمایاں طریقے پر خلقِ خدا کی خدمت و رہنمائی پر آمادہ کرنے کا بڑا شوق تھا، اور اس میں وہ بڑا ساعی رہا کرتا تھا۔ اسی نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیار کے خلیفۂ ارشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کو لشکرِ شاہی کی معیت پر مجبور کیا۔ حضرت خواجہ کے دوسرے خلفار مولانا فخر الدین زرادی و مولانا شمس الدین یحییٰ وغیرہ کو منبروں پر چڑھ کر تقریر کرنے اور جہاد کی ترغیب دینے پر مجبور کیا۔ شیخ قطب الدین منور ہانسوی کو اُن کے گوشۂ خلوت سے نکال کر دہلی طلب کیا۔[3] جب اُس کو پرچہ نویسوں کے ذریعہ یہ اطلاع ملی کہ مخدوم صاحب سالہاسال جنگل میں رہنے اور خلائق سے انقطاع رکھنے کے بعد شہر میں تشریف لے آئے ہیں اور لوگوں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے لگے ہیں تو اُس نے مجدالملک صوبہ دار بہار کے نام فرمان لکھا کہ شیخ کے لئے ایک خانقاہ تعمیر کی جائے اور پرگنہ راجگیر فقرار خانقاہ کے خرچ کیلئے اُن کے حوالے کیا جائے، اور اگر وہ قبول نہ کریں تو زبردستی قبول کرایا جائے، اسی کے ساتھ ایک

---

[1] مناقب الاصفیار صد ۱۳۴

[2] مولوی سید ضمیر الدین احمد مصنف "سیرۃ الشرف" نے بہت سے قرائن اور دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ مخدوم صاحب کی سکونت پذیری کا زمانہ مابین سنین ۷۲۱ھ اور ۷۲۴ھ کے تھا۔

(تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو سیرۃ الشرف صد ۸۱)

[3] تفصیل اسی کتاب میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیار کے باب ششم میں گذر چکی ہے۔ ۱۲

مصلائے بلغاری خدمت میں بھیجا۔

جب یہ فرمان شاہی مجد الملک کو پہنچا تو وہ حضرت مخدومؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ بادشاہ نے جو کچھ لکھا ہے میری کیا مجال کہ میں اسکی تعمیل کردں، لیکن اگر آپ اس کو قبول نہ فرمائیں گے تو اس کو میری حکم عدولی اور کوتاہی پر محمول کیا جائے گا اور بادشاہ کا طرزِ عمل سب کو معلوم ہے، خدا جانے میرے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ مخدوم صاحبؒ نے جب مجد الملک کی مجبوری کو ملاحظہ فرمایا اور اس کا اصرار دیکھا تو بادلِ ناخواستہ اس کو قبول فرمایا لیکن سلطان کی وفات کے بعد جب سلطان فیروز شاہ تغلق تخت نشین ہوا تو آپنے جاگیر سے قطع تعلق فرمایا[1]۔ خانقاہ کی تعمیر شروع ہوگئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہوگئی۔ سیرۃ الشرف میں ہے :۔

"خانقاہ کی تعمیر شروع ہوئی اور تھوڑے دنوں میں بن کر تیار ہوگئی۔ مجد الملک نے تمام لنگرداروں اور اربابِ تصوف اور مریدانِ شیخ نظام الدینؒ کی دعوت کی۔ شروع مجلس سے آخر تک جماعت خانہ کے صحن میں سماع ہوتا رہا، ایک مقام علیحدہ جس میں ایک حجرہ اور ایک رواق تھا، مخدوم کیلئے درست کیا گیا تھا اور وہی مصلائے بلغاری جو بادشاہ نے بھیجا تھا وہاں بچھایا گیا۔ مخدومؒ اس پر متمکن ہوئے، ایک مسافر درویش جو مجلس میں حاضر تھا اپنی جگہ سے اٹھ کر مخدوم کے حجرہ میں آیا۔ مخدومؒ اس کی جانب مخاطب ہوئے اور آپنے فرمایا کہ یہ منزل اور مقام تمہارا ہے۔ میں تو مجد الملک کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں کہ اطاعتِ اولی الامر سے چارہ نہیں ہے اور یہاں جو کچھ ہے فقیروں پر صدقہ ہے، میں تو اسلام ہی کے لائق نہیں، چہ جائیکہ مصلی کے لائق ہوتا۔"

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۵

اس فقیر نے کہا:-

"مخدومؒ تم کو خانقاہ اور مصلّٰی کی وجہ سے کون پہچانتا ہے، تم کو جو پہچانتا ہے حق کی وجہ سے پہچانتا ہے۔ ہم لوگ یہاں صرف آپ کی قوتِ باطن اور آپ کے طفیل سے آئے ہیں، یہاں آپ کی برکت سے اسلام ظاہر ہوگا اور قوت پکڑے گا۔"

مخدومؒ نے فرمایا، کہ:-

"جو فقرا کی زبان سے نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔" اور یہ مصرع پڑھا۔ ع

"آں را کہ خود سلطان بود او ہرچہ گوید آں بود"

افادہ وارشاد کم سے کم ۷۲۴ھ سے لیکر ۷۸۲ھ (جس میں آپ کی وفات ہوئی) تک نصف صدی سے زائد کا زمانہ خلق خدا کی ہدایت وارشاد اور طالبین کی تعلیم و تربیت میں گذرا، شیخ حسین معز شمس بلخی کے بقول اِس عرصہ میں ایک لاکھ سے زائد انسان آپ کے حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے، جن میں سے بعض اقوال کے مطابق کم سے کم تین سو آدمی عارف کامل اور واصل بحق ہوئے۔ متعدد ہندو فقیروں اور مرتاض جوگیوں کے قبولِ اسلام اور آپ کے ہاتھوں تکمیل و تحقیق تک پہنچنے کے واقعات بھی نقل کئے گئے ہیں۔

ارشاد و تربیت کا بہت بڑا ذریعہ اور مرکز آپ کی وہ مجلسیں تھیں جن میں مشائخ کے دستور کے مطابق ہر طبقہ کے آدمی کو حاضر ہونے اور استفادہ کرنے کی اجازت تھی، اہلِ عقیدت اور اہلِ طلب ان مجالس میں شریک ہوتے، جن لوگوں کو کوئی بات دریافت کرنی ہوتی وہ دریافت کرتے اور جواب شافی پاتے۔ ان مجالس کا کوئی مستقل و متعین موضوع اور ان کی گفتگو کوئی مسلسل درس کی حیثیت نہیں رکھتی تھی، جو کچھ اللہ تعالیٰ آپ کے دل میں ڈالتا، ارشاد فرماتے، یا کسی بات کے فرمانے کی کوئی مناسب تقریب یا تحریک پیدا ہوتی تو حسبِ حال کچھ فرماتے۔ یہ مجالس بڑے گہرے معارف و حقائق اور تصوف کے

دقیق نکات و لطائف پر مشتمل ہوتی تھیں۔ زین بدر عربی جو آپ کے ملفوظات کے جامع ہیں "معدن المعانی"
کے خطبہ میں لکھتے ہیں، کہ:۔

"در ہر مجلسے و محلے البتہ از طالبانِ صادق
و مریدانِ واثق و بندگانِ موافق کہ حاضر
بودند ہر کسے در خور حال و کار خود ایراد
سوالے از طریقت و التماس بیان از
شریعت درخواستنے اشارتے از حقیقت
و طلب اظہار رموز معرفت عرض می داشتند
بندگی مخدوم نامور و شیخ دین پرور در
مقابلہ سوال سائل جواب شافی و بیان کافی
بعبارات دلپذیر و اشاراتِ بے نظیر
ارزانی می داشت، از ہر عبارتے صد
معانی غیبی مستفاد و از ہر اشارتے ہزار
لطیفہ لاریبی مراد، از ہر معنی مفہومات
بے نہایت و از ہر لطیفہ ادراکات بے غایت،
از ہر مفہومے حالات بے شمار و از ہر ادراکے
مقامات بسیار، از ہر حالتے ذوقے کہ
آں را میزان بیان نہ سنجد و از ہر مقامے
خبرے کہ در جہان نشان نگنجد۔

ہر مجلس اور ہر موقع پر طالبِ صادق اور
مریدینِ راسخ الاعتقاد اور حاضرینِ مجلس
جو مناسبت رکھتے تھے وہ طریقت کے
بارے میں کوئی سوال یا شریعت کی کسی
تعلیم کی وضاحت کی درخواست کرتے اور
معرفت کے اسرار و رموز سننا چاہتے تھے
حضرت مخدوم ہر سائل کو جوابِ شافی
مرحمت فرماتے اور بڑے دلپذیر طریقے پر
اُس کی تشفی کرتے، آپ کے ارشادات
بڑے بڑے لطیف نکات اور بڑے
قیمتی فوائد و لطائف پر مشتمل ہوتے اور ہر
سائل اور سوال کے حسبِ حال ایسی تقریر
فرماتے کہ اس سے ایسا ذوق پیدا ہوتا
جو الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتا اور
ایسے مقامات کا پتہ چلتا جن کی
اس محدود عالمِ محسوسات میں
گنجائش نہیں۔

قطعہ

نشان این نتواں دید جز بدیدۂ پاک　　　　که آفتاب شناسی بہ بے بصر نہ رسد

بہ بیں دگر نہ ملامت بدیدگان نازاں کہ　　　　زبانِ تپ زدہ را طعنہ بر شکر نہ رسد

بعض مرتبہ دینیات یا تصوّف کی کتاب بھی مجلس میں پڑھی جاتی، مخدوم ایک ایک مسئلہ کی تشریح فرماتے، فقہ، اصول حدیث، تفسیر، تصوّف، سب پر گفتگو ہوتی، اہلِ مجلس بالخصوص اہلِ علم استفادہ کرتے۔

ارشاد و تربیت کا دوسرا ذریعہ (خصوصاً اُن لوگوں کیلئے جو کسی اور مقام پر ہوتے) آپ کے مکتوبات تھے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ (جن کے مکتوبات ایک زندۂ جاوید کارنامہ اور علوم و معارف کا بیش بہا خزانہ ہیں) شاید کسی نے اپنے قلم اور زورِ تحریر سے اور خطوط و مکتوبات کے ذریعہ اتنا عظیم الشان انقلاب انگیز اور دیرپا وسیع اصلاح و تربیت کا کام نہیں کیا، جیساکہ آپ نے، نہ صرف تصوّف کے ذخیرہ میں بلکہ علوم و معارف، نکات و لطائف کے عالمگیر ذخیرے میں مکتوبات کا یہ مجموعہ خاص امتیاز رکھتا ہے، اور اپنی تاثیر، ادب و انشا کی قوت، برجستگی اور زندگی کے لحاظ سے پورے فارسی ادبیات میں کم کتابیں اس پایہ کی ہونگی۔ ان مکتوبات نے حضرت مخدومؒ کے زمانہ میں بھی اصلاح و تربیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی اور ان خوش قسمت افراد کے علاوہ بھی جن کے نام اصالتاً یہ خطوط لکھے گئے تھے، صدہا اشخاص نے ان سے شیخ کامل و محقق کے انفاس و توجہات کا فائدہ اٹھایا۔ حضرت مخدومؒ کی وفات کے بعد ہر صدی میں ہزاروں انسانوں نے اُن سے فائدہ اٹھایا۔ خانقاہوں میں ان کا درس دیا گیا اور شیوخ کبار نے ان کی تشریح و تقریر کی، اور صدیاں گزر جانے کے بعد بھی ان میں ایسی تاثیر و زندگی موجود ہے کہ معلوم ہوتا ہے لکھنے والے نے ابھی لکھا ہے، اور ان کے الفاظ تیر و نشتر کی طرح دل کے پار ہو جاتے ہیں۔

۱۷۲

باب چہارم

صفات وخصوصیات

فنائیت

آپ کی سب سے نمایاں صفت جو آپ کا مزاج ومذاق بن گئی تھی، اور جس کے بارے میں آپ بالکل بے اختیار تھے، وہ صفت نیستی اور فنائیت ہے جو مجاہدہ وریاضت کے اعلیٰ ترین ثمرات اور سالک طریق کے بلند ترین کمالات میں سے ہے۔ آپ کے مکتوبات کے لفظ لفظ اور آپ کے ارشاد کے حرف حرف سے اس کا اظہار ہوتا ہے حضرت خواجہ نقشبندؒ نے فرمایا تھا:-

"آخرما جیبِ تمنا تہی"

سلسلۂ کبرویہ کے مشائخ کا یہ شعارِ خاص اور امام طریقہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ کی یہ میراث تھی جس کے آپ پورے طور پر وارث ہوئے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک موقع پر مشائخِ عصر جمع تھے ہر ایک نے اپنی اپنی تمنا کا اظہار کیا۔ جب آپ کی باری آئی تو فرمایا، کہ:-

"آرزوئے من آنست کہ نام من	میری آرزو یہ ہے کہ نہ اس دنیا
نہ دریں جہاں باشد و نہ	میں میرا نام ونشان رہے،

در اں جہاں[1] | اُس دُنیا میں

اس فنائیت و بے نفسی کا اظہار آپ کے اِس جملہ سے ہوتا ہے :۔

"ہمہ تلبیس شیطان ماندہ ام نہ از خود خبرے نہ از اسلام اثرے "

ایک مکتوب میں اپنے حالِ زار پر نوحہ و ماتم کی ضرورت و فضیلت کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ سراسر اپنا حال اور اپنی کیفیت کا اظہار ہے ۔ فرماتے ہیں :۔

"گفتہ عارفانست کہ حقاثم حقا کہ ہیچ	عارفین کا قول ہے کہ خدا کی قسم پھر خدا کی قسم!
آوازے نزدیک خدائے تعالیٰ محبوب تر	خداوند تعالیٰ کو اپنے آپ پر رونے کی آواز سے
از آواز نوحہ کردن بر خویشتن نیست پس	زیادہ کوئی آواز پیاری نہیں ہے پس چاہیئے
امروز شاید کہ صدیقان ایں راہ خداوندی	کہ آج اس راہ کے صدیق اور دین کے پیشوا
دین نوحہ گری از خواجہ اویس قرنی	ماتم خوانی خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ سے
رضی اللہ عنہ بیاموزند، اے برادر ہر کہ	سیکھیں ۔ اے بھائی! جو کوئی ہر لحظہ اپنے
او را ہر لحظتی بر خویشتن ماتم و نوحہ گری	آپ پر ماتم اور آہ و فغان نہیں کرتا وہ ایک
نیست ۔ بطالے است پر از غفلت	مدعی ہے جو قیامت سے غافل ہے اور ایک مردار ہے
بقیامت مرداریست پر از حسرت ، ایں چہ	جس کا دل حسرتوں سے بھرا ہوا ہے، یہ کیا جھوٹی
طمعہا و تمناست کہ امروز ہر کسے را	خواہشات ہیں کہ آج ہر سر میں ان کا سودا ہے،
افتادہ است ، جاہ و حشمت و نفاذ امر و	ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیاوی جاہ و جلال
نہی می باید و عز و ناز دنیا می باید و عزت	ہونا چاہیئے اور ہمارے احکام کے امر و نہی کا

---

[1] مناقب الاصفیا ر صـ ۱۳۶

وتماشائے علی الدوام می باید وباایں ہمہ	نفاذ ہونا چاہئے اور دنیا کی ناز و نعمت
آشنائی باحضرت خداوندی باید"	ہونی چاہیئے اور عزت اور اس کا اظہار ہونا چاہئے

اور پھر اس سب کے ساتھ خداوند تعالیٰ کیساتھ آشنائی بھی ہونی چاہئے، خدا کی قسم یہ ناممکن ہے۔

رُباعی

جاں بازکہ وصل او بمستاں ندہند	شیر از قدح شرع بمستاں ندہند
آں جاکہ ہم می ہمہ مردان تو شند	یک جرعہ ازاں بخود پرستاں ندہند[1]

ایک دوسرے مکتوب میں جس نیستی خودشکنی اور نفس دشمنی کی نصیحت فرمائی ہے وہ سراسر اپنا حال اور اپنی تصویر ہے اور یقیناً یہ مکتوب اس مرتبہ کمال پر پہنچنے کے بعد لکھا گیا ہے کہ مردانِ خدا اور کاملین طریق خود کسی مقام پر پہنچے بغیر اس مقام کی دعوت کو نفاق اور لِمَ تَقُولُونَ مَالَا تَفْعَلُونَ کا مصداق سمجھتے ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

چوں حلقہ بر در زنی و بر درآئی خاک را خاک	جبکہ تو اپنے یا اپنے مولیٰ کے دروازہ پر حلقہ زن
باید بود و از ہمہ دعوی پاک باید بود، اگر	ہے اور اس دروازہ پر آگیا ہے تو مٹی کو مٹی اور
ہزار تاج ملکانہ برسر نہی چہرہ گدائی	تمام دعاوی سے پاک صاف ہو جانا چاہیئے، اگر تو
ورنگ بے نوائی کہ خاک را اصلی است	ہزاروں تاج شاہانہ بھی اپنے سر پر رکھ لیوے
چہ کمی گردی کہ بر روئے نشیند باب	لیکن جو خاک کی اصلیت ہے یعنی "چہرہ گدائی"
برخیزد، اما رنگ روئے آب برنخیزد[2]	اور "رنگ بینوائی" اس کو تو کیا کرے گا، گرد جو

اوپر ہی اوپر بیٹھ جایا کرتی ہے پانی سے دھل جایا کرتی ہو، لیکن اصلی رنگ روپ پانی سے دُھل نہیں سکتا۔

---

[1] مکتوب یازدہم [2] مکتوب بست وہفتم ۔ ۱۲

ایک دوسرے مکتوب میں بغیر کسی اشارے وکنایہ کے صاف صاف اپنی ہی طرف منسوب کرکے اپنی بدحالی کا شکوہ اور ماتم فرماتے ہیں:۔

"ما مدبران وملومان را کہ بندگان دنیا	ہم شامت زدہ صاحب ادبار وآلودہ جو کہ
واسیر عادتیم وزنار داران راہ غفلتیم	دنیا کے بندے اور خواہش وعادت کے قیدی اور
بجز عادت پرستی کارے نہ وجز	راہ غفلت کے زنار دار ہیں، ہمارا کام عادت
غفلت گری شماری نہ راہ مردان	پرستی کے سوا کچھ نہیں اور غافلوں کے سوا کہیں
دین رفتن ودعویٰ توحید کردن از	ہمارا شمار نہیں، ہمارا مردانِ خدا کے راستہ
بے باکی ونابینائی است، جہود وترسا	پر چلنا اور توحید کا دعویٰ کرنا بیباکی اور
وکلیسا وتبخانہ را از ما ننگ است[1]"	اندھے پن کی وجہ سے ہے۔ یہودیوں اور

آتش پرستوں کو اور کلیسا اور تبخانے کو ہم سے شرم آتی ہے۔

آپ سے جو مناجات منقول ہے، وہ آپ کی دل کی کیفیت کی پوری ترجمانی اور آپ کے جذبات اور احساسات کا سچا مرقع ہے۔ فرماتے ہیں: ؎

خالقا بیچارہ راہم ترا	ہچو مورے لنگ در چاہم ترا
نے تنے نے دولتے نے حاصلے	نے نوائے نے قرارے نے دلے
دین زدستم رفت دنیا گم شدہ	صورتم وا ماندہ معنی گم شدہ
من نہ کافر نے مسلمان زادہ ام	درمیان ہر دو حیران ماندہ ام
نے مسلمانم نہ کافر چوں کنم	ماندہ سرگردان ومضطر چوں کنم

---

[1] مکتوب سی ام

یارب اشک و آہ بسیاریم ہست | گر ندارم ہیچ ایں باریم ہست
ہم تن زندانیم آلودہ شد | ہم دل محنت کشم فرسودہ شد
ماندہ ام در چاہ زندان پائے بست | در چنیں چاہم کہ گیرد جز تو دست
پاک کن از راہ صحن جان من | پس بشو از اشک من دیوان من
گرچہ بس آلودہ در راہ آمدم | عفو کن گرچہ بس از چاہ آمدم

اِس فنائیت کا تدریجی و لازمی نتیجہ یہ تھا کہ مدح و ذمِ خلائق آپ کے حق میں یکساں تھے۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں اور در حقیقت اپنا ہی واقعہ سناتے ہیں:۔

اہلِ معرفت را از مدح و ذم و قدحِ خلق چہ زیاں گہ نزدیک ایشاں مدح و قدح خلق ہر دو یکے است۔ نہ ممدوحِ خلق ممدوح است و نہ مذمومِ خلق مذموم است ممدوحِ حق ممدوح است و مذمومِ حق مذموم است۔

اہلِ عرفان کو مخلوق کی تعریف و ثنا اور ہجو و تردید سے بھلا کیا نقصان! کہ اُنکے نزدیک تو مخلوق کی ہجو و ثنا برابر ہے، اچھا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک اچھا ہے اور بُرا وہ نہیں جو مخلوق کے نزدیک بُرا ہے، بلکہ ممدوح وہی ہے جو حق تعالیٰ کا ممدوح ہے اور مذموم وہی ہے جو حق تعالےٰ کا مذموم ہے۔

کسی فارسی کے قدیم شاعر نے گویا آپ ہی کے متعلق کہا ہے ؎

گرفتارِ کمندِ خوبرویاں
نہ از مدحت خبر دارد نہ از ذم

اِس نیستی و از خود رفتگی کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ مقبولین بارگاہِ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ ہو اُسکی بناء پر آپ سے کرامات و خوارق کثرت سے سرزد ہوتے تھے، لیکن اپنے اس مزاج و حال کی وجہ سے

اظہارِ کرامت سے بڑا تنفّر تھا اور کسی ایسی چیز کو پسند نہیں کرتے تھے جس سے آپ کے مرتبہ و مقبولیت عنداللہ کا اظہار ہو۔ صاحبِ مناقب الاصفیاء لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ اکثر کار ہائے وے مبنی بر خرقِ	اگرچہ آپ کے کاموں کا دارومدار خرق
عادت و کرامت بود اما از اظہار آں	عادت اور کرامت پر تھا، لیکن آپ کرامت
کرامت بیزار بود و شکستگی و بینوائی ظاہر	کے اظہار سے بیزار تھے اور شکستگی اور بینوائی
کرد اگر کسے استمداد کارے و حاجتے	ظاہر کرتے تھے۔ اگر کوئی شخص کسی کام
خواستے حوالہ میران جلال دیوانہ	یا کسی حاجت کیلئے مدد طلب کرتا تو
کردے[1]"	اُسکو میران جلال دیوانہ کے سپرد کر دیتے۔

یہ وہ دور تھا جس میں بزرگوں کی کرامات و خوارق کا گھر گھر چرچا تھا اور عوام انھیں کو خدارسیدگی اور برگزیدگی کی علامت سمجھتے تھے۔

مناقب الاصفیاء میں ہے کہ ایک مرتبہ چند آدمی کچھ مری ہوئی مکھیاں لیکر آپ کے پاس آئے اور کہا کہ مشہور مقولہ ہے کہ:۔ "الشیخ یحیی و یمیت" شیخ زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے، آپ حکم دیجئے کہ یہ مکھیاں زندہ ہو جائیں؟ آپ نے فرمایا کہ "میں خود درماندہ ہوں، دوسرے کو کیا زندہ کردں گا۔"

علوِ اخلاق

صوفیائے کرام کے اخلاق مشکوٰۃ نبوت کے نور سے فیضیاب اور متأثر ہوتے ہیں، اسلئے ان حضرات کے اخلاق اسی ذات گرامی کے اخلاق کا پرتو تھے، جس کے متعلق قرآنی شہادت ہے کہ:۔ "انک لعلیٰ خلق عظیم"، صاحب مناقب الاصفیا

---

[1] مناقب الاصفیاء ص ۱۳۱

نے لکھا ہے کہ: اخلاق شیخ شرف الدین مانند اخلاق نبیؐ بود[1]

آپ کے نزدیک اخلاقِ نبویہؐ سے آراستہ ہونا اور سیرتِ نبویؐ کے سانچہ میں ڈھلنا جتنا ضروری تھا، اس کا اندازہ آپ کے مکتوبات کے ان اقتباسات سے ہوگا۔ درحقیقت یہ خود آپ کا حال تھا جس کو ایک اصول کے طور پر بیان فرمایا جارہا ہے:۔

"و ایں اخلاق است کہ در طریقت	اور دراصل اخلاق یہی ہے جو کہ طریقت
شعار ارباب علوم گشتہ کہ در ہمہ احوال	میں اہلِ علم کا شعار بن گیا ہے کہ وہ اپنے
اقتدا بشریعت دارند و اخلاق خویش را	احوال میں شریعت کی پیروی کرتے ہیں اور
بر محک سنت امتحان کنند و ہر کہ	اخلاق کو سنت کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں اور
در شریعت محقق نباشد وے را از	جو کوئی شریعت کی تحقیق نہیں کرلیتا اُسے
طریقت ہیچ فائدہ نبود"[2]	طریقت (تصوف) سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

ہر کہ بمتابعت شرع راسخ تر نیکو خوی تر	جو کوئی شریعت کی پیروی میں جتنا زیادہ
... و ہر کہ نیکو خوی تر بر درگاہ خداوند عزیز تر	راسخ ہے، اتنا ہی خوش خلق زیادہ ہے، اور جو جتنا
چوں خلق نیکو میراث آدم است و تحفہ	خوش خلق زیادہ ہے، بارگاہِ خداوند تعالیٰ کا
خداوند عالم است کہ بدو دادہ است،	محبوب زیادہ ہے جبکہ اچھا اخلاق آدم
لابد ہیچ پیرایہ و زینت نباشد مومن را	علیہ السلام کی میراث اور خداوند عالم کا عطا
نیکو تر از خلق نیک و اصل خلق نیکو امتثال	کردہ تحفہ ہے، پس لازماً مومن کیلئے اچھے اخلاق

---

[1] مناقب الاصفیا ص۱۳۷ [2] مکتوب پنجاہ و نہم۔

فرمان خداوند است و متابعت شرع رسول	بڑھ کر کوئی اور اچھا طریقہ اور زیب و زینت
وے صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کہ	کی خبر نہیں ہے اور اچھے اخلاق کی حقیقت
حرکات و افعال سید کائنات علیہ	خداوند تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور اُسکے
افضل الصلوات و السلام	رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی پیروی
ہمہ پسندیدہ بودہ است و ہر کہ متابعت	کرنا ہے کیونکہ سید کائنات علیہ افضل الصلوات
وے دارد باید کہ در معیشت چناں	والسلام کے تمام افعال و حرکات ہمیشہ
زندگانی کند کہ او کردہ است [۱]"	(خلق و خالق کے نزدیک) پسندیدہ رہے

ہیں۔ اور جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتا ہے اُسے چاہیئے کہ اپنی زندگی اس طرح گذارے جس طرح آپؐ نے گزاری۔

آپ کے حالات اور آپ کی سیرت بتاتی ہے کہ آپ نے ان اخلاق میں بھی کامل اتباعِ نبویؐ کی پوری پوری کوشش کی، اور آپ کے اخلاق، خلقِ خدا کے ساتھ برتاؤ، اس کے حال پر رحمت و شفقت، مخلوق کے عیوب کی پردہ پوشی، اور بندگانِ خدا کی دلجوئی و دلداری میں آپ صاحبِ خُلقِ عظیم کے ایک متبع اور اخلاقِ نبویؐ کا ایک نمونہ تھے۔

رحمت و شفقت آپ بڑے نرم دل، بندگانِ خدا کے حق میں بڑے کریم و شفیق دوست پرور اور دشمن نواز تھے۔ عارف اور مردِ خدا کا مقام و طریقِ زندگی بیان کرتے ہوئے آپ نے جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کی سچّی تصویر ہے۔ فرماتے ہیں:۔

رحمت و شفقت او بہ ہمہ تا بد خورد	اس کی رحمت و شفقت کا آفتاب ہر ایک پر

---

[۱] مکتوب پنجاہ و نہم ۔۱۲

بخلق دہد، خود نپوشد بخلق پوشاند، بر خم
مردمان ننگرد و بجفائے ایشاں نہ بیند،
شفیع ظالم خود بود جفا را بوفا پیش آید،
دشنام را بدعا و ثنا مقابلہ کند، ایں دانی
از چیست؟ از بہر آں کہ وے محفوظ
است از ساحت دل وے جز باد راحت
بر خلق نوزد، او در شفقت چوں آفتاب بود
بر دشمن ہمچناں تابد کہ بر دوست، در تواضع
چوں زمین بود ہمہ خلق پائے بروے نہند،
اورا با کس خصومت نہ، دست تصرف وے
از خلق کوتاہ بود، ہمہ خلق عیال وے بود
او عیال کس نہ بود، در سخاوت چوں دریا
بود دشمن را ہمچناں بخشد کہ دوست را،
عین رحمت شدہ بر کافۂ خلق شرق
وغرب، زیرا کہ آزاد بود ہر چہ بیند
از یکجا بیند، دیدہ اش دیدۂ جمع بود
و ہر جزو وے از اجزائے وے . وے را
ہمچنیں خلعتے پوشانند و ہر کہ بدیں
صفت نبود اورا در طریقت ہیچ

پچکتا ہے، خود نہیں کھاتا، لوگوں کو کھلاتا
ہے خود نہیں پہنتا لوگوں کو پہناتا ہے لوگوں سے
اُسے جو تکلیف پہنچتی ہے اُس کی طرف نگاہ
نہیں کرتا اور اُن کے ظلم کو نہیں دیکھتا،
اپنے پر ظلم کرنے والے کا شفیع ہوتا ہے جفا
کا بدلہ وفا سے دیتا ہے، گالی کا جواب
دعا و ثنا سے دیتا ہے، تو جانتا ہے کہ یہ سب
کچھ کیوں کرتا ہے؟ اسلئے کہ وہ محفوظ ہے،
اُسکے دل کی فضا سے سوائے بادِ راحت
کے خلق پر کوئی ہوا نہیں چلتی ہے، وہ شفقت
میں آفتاب کی طرح ہوتا ہے کہ جس طرح دوست
پر چمکتا ہے اُسی طرح دشمن پر چمکتا ہے۔
تواضع میں زمین کی طرح ہوتا ہے کہ تمام
مخلوق اُس پر پاؤں رکھتی ہے، وہ کسی
کے ساتھ جھگڑا نہیں کرتی، مخلوق پر
دست درازی کرنے سے اُس کا ہاتھ کوتاہ
ہوتا ہے، تمام مخلوق اُسکی عیال ہوتی ہے
لیکن وہ کسی کا عیال نہیں ہوتا، سخاوت میں دریا
کی طرح ہوتا ہے، دشمن کو اُسی قدر نوازتا ہے،

قدمے نبود"[1] جس قدر دوست کو، مشرق و مغرب کی

جملہ مخلوقات پر رحمت ہی رحمت بن کر برستا ہے، کیونکہ وہ آزاد ہوتا ہے،
جو کچھ دیکھتا ہے (یعنی تمام مخلوق کو اُسی ذات پاک سے منسوب سمجھتا
ہے) اُس کی آنکھ "اہل جمع" کی آنکھ ہوتی ہے، اسکے وجود کے اجزار
میں سے ہر ایک جزو کو اسی طرح خلعت پہنایا جاتا ہے، اور جو ان
اوصاف سے موصوف ہو اُس کو طریقت میں کوئی مرتبہ و مقام
حاصل نہیں ہوتا۔

اس رحمت و شفقت کا نتیجہ تھا کہ کسی بندۂ خدا کا دل توڑنا آپ کے مشرب میں گناہ تھا۔ صوفیہ صافیہ کا قدیم زمانہ سے شیخ سعدیؒ کے اس مقولہ پر عمل رہا ہے کہ :۔ "آزردن دلِ دوستان جہل است و کفارۂ یمین سہل"

ایک مرتبہ آپ نفل کا روزہ رکھے ہوئے تھے، ایک شخص بڑے اہتمام سے آپ کی خدمت میں ایک تحفہ لایا اور کہا کہ میں بڑے شوق سے یہ آپ کی خدمت میں لایا ہوں کہ آپ تناول فرمائیں۔ آپ نے اسی وقت تناول فرمالیا اور فرمایا :

"روزہ توڑنے کی قضا ہے، لیکن دل توڑنے کی قضا نہیں"

اس کا یہ بھی نتیجہ تھا کہ حتی الامکان پردہ پوشی سے کام لیتے اور اگر کسی کے متعلق کسی گناہ یا کوتاہی کی اطلاع ملتی تو اس کی تاویل فرماتے۔

مناقب الاصفیار میں ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آگے بڑھ کر امامت کی اور آپ نے

---

[1] مکتوب بست و چہارم۔

اسکے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے بعد کسی نے آپ سے عرض کیا کہ: "یہ شخص شراب خوار ہے"، آپ نے فرمایا کہ "ہر وقت نہیں پیتا"۔ لوگوں نے کہا کہ ہر وقت پیتا ہے"۔ فرمایا: "رمضان میں نہیں پیتا ہوگا[۱]۔

دنیا سے بے لوثی اور بے تعلقی

معرفتِ حقیقی اور عشقِ کامل کا نتیجہ قدرتی طور پر دنیا سے دوری، اس سے بے رغبتی اور خشک دامنی ہے۔ آپ نے اپنے ایک مکتوب میں دو شعر لکھے ہیں وہ بالکل اپنا ہی حال ہے۔ ؎

من پاکباز عشقم تخم غرض نکارم — پشت و پناہ فقرم پشت طمع ندارم
نہ بند خلق باشم نہ از کسے ہراسم — مرغ کشادہ بالم برگِ قفس ندارم

آپ نے مجد الملک کے پاسِ خاطر سے اور اُس کو محمد تغلق کے عتاب سے بچانے کے لئے خانقاہ کیلئے جو جاگیر بادل ناخواستہ قبول فرمالی تھی وہ فقیر دوست اور کریم النفس بادشاہ فیروز تغلق کے عہد میں واپس کردی، اور اگر سیرۃ الشرف کی وہ روایت صحیح ہے جو "مونس القلوب" کے حوالہ سے لکھی گئی ہے تو دہلی تشریف لیجاکر پروانۂ جاگیر بادشاہ کے حوالہ کردیا، اسکے بعد خانقاہ کی تعمیر و توسیع سے کوئی تعلق اور دلچسپی نہیں رکھی۔ اگر کوئی اس کا مشورہ دیتا تو طبع عالی پر گراں گذرتا، صاحب گنج لایخفیٰ لکھتے ہیں کہ:

"شیخ حمید الدینؒ مخدوم کے دوست تھے، خلوتوں میں آپکے ساتھ رہتے تھے، ایک بار آدھی رات گذرے مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے، شبِ ماہ تھی، مخدوم باہر نکل آئے اور صحن میں دیوار کے قریب بیٹھ گئے، شیخ حمید الدین بھی ایک ساعت بیٹھے رہے، تھوڑی دیر بعد بولے کہ اگر یہ چبوترہ کچھ بڑھ جائے تو صحن مصفا نظر آئے، مخدوم اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے کہ میں نے

---

(۱) مناقب الاصفیاء صـ۱۴۱ (غالباً یہ واقعہ رمضان کا ہوگا) ۱۲

جاتا تھا کہ اِس نیم شب میں امورِ دینی میں کچھ مشکل پیش آئی ہوگی، اُس کے حل کے لئے آپ تشریف لائے ہیں، لیکن اَب میں دیکھتا ہوں کہ میں بر سرِ غلط تھا، آپ فرماتے ہیں کہ چبوترہ بڑھاؤ، یہ کہتے کہ اس بتخانہ کو چُون کر ویران کردد"[1]

علوئے ہمّت

آپ کا ایک بڑا امتیاز اور ترقیات و کمالات کا راز آپ کی جبلّی بلند ہمتی اور علوِ حوصلہ ہے جو آپ کے حالاتِ زندگی اور مکتوبات کی سطر سطر سے ظاہر ہوتا ہے، آپ نے اپنے اہلِ تعلق اور احباب و خدّام کو ہمیشہ علوِ حوصلہ اور وسعتِ قلب کی تاکید کی ہے، یقیناً اس پر سب سے زیادہ عمل آپ ہی کا ہوگا، ایک خط میں بڑے ولولہ انگیز طریقہ پر علوِ ہمّت کی تعلیم دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

"ہر چند تو پستی ہمت بلند دار، اے	تو کتنا ہی پست سہی، ہمّت کو بلند رکھ،
برادر، ہمتِ مرداں ہیچ چیزے فرود	بھائی! مردوں کی ہمت کسی چیز کے
نیاید، آسمان و زمین، عرش و کرسی	ساتھ کبھی پست نہیں ہوتی، ان کی
بہشت و دوزخ بار ہمت ایشاں	ہمّت کے بوجھ کو آسمان و زمین،
نکشند این است کہ گفت"	عرش و کرسی اور بہشت و دوزخ نہیں اُٹھا سکتے

اسی واسطے کہا گیا ہے ـــــ مثنوی

نے در غمِ دوزخ و بہشت اند	ایں طائفہ را چنیں سرشتند
چو چنگ در حضرت خدائے زدہ	ہر چہ آں نیست کہ پشت پائے زدہ
تا بجاروب لا نروبی راہ	کے رسی در سرائے اِلّا اللہ

---

[1] سیرۃ الشرف ص۱۲۸

"ہمت این مردان فضائے پاک وصحرائے
باوسعت بے خس وخاشاک خواہند در وے
پرواز کنند و ہیچ فضائے پاک تراز فضائے
پاک ربوبیت نیست و ہیچ صحرائے باوسعت
تراز صحرائے وحدانیت نیست ہمت ایشاں
گرد کعبہ و بیت المقدس نگردد و با آسمان
و زمین طواف نکند، سبحان اللہ عزوجل
عجب کارے است مردے در جائے خود
نشستہ و پائے در دامن کشیدہ و سر بر
زانو نہادہ و سر او از کون و مکان در گذشتہ
و زہے ہمت کہ آں را جز در آب و خاک
نیابی ازیں جا گفتہ است:"

ان مردانِ خدا کی ہمت ایسی پاک فضا اور
ایسے وسیع صحرا کی طالب ہے جس میں خس و خاشاک
کا نام و نشان نہیں، تا کہ یہ لوگ اس میں پرواز
کریں، اور کوئی فضا "فضائے ربوبیت"
سے زیادہ پاک اور کوئی صحرا "صحرائے
وحدانیت" سے زیادہ وسیع نہیں ہے،
مردوں کی ہمت کعبہ اور بیت المقدس کے
گرد نہیں گھومتی، اور آسمان و زمین کا طواف
نہیں کرتی، سبحان اللہ! کیا ہی عجیب کام
ہے، ایک مرد اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے،
پاؤں کو دامن میں سمیٹے ہوئے اور سر کو
زانو پر رکھے ہوئے درانحالیکہ اس کا

"سر" (ہمت) کون و مکان سے بھی آگے گذر گیا ہے، کیا
ہی مبارک ہمت ہے کہ تو اس کو سوائے پانی اور مٹی (یعنی آدم)
کے اور کہیں نہ پائے گا، اسی لئے کسی نے کہا ہے ؎

حقا کہ بزہ نیاوردی گرد
چرخ فلک اے پسر کمانم [1]

صاحب سیرۃ الشرف نے صحیح لکھا ہے:—

---

[1] مکتوب چہارم۔

"آپ کی آنکھ ہمیشہ نایافتہ پر لگی رہتی تھی، کیونکہ یافتہ آپ کو ادنیٰ شئے دکھائی دیتی تھی، اور وسعت حوصلہ اور بلند ہمت کی وجہ سے ہر دم وہر آن اعلیٰ ترین پیش نظر رہتا تھا۔"

دوسروں پر بھی اسی وسعتِ حوصلہ اور بلندی ہمت کی فرمائش کی:۔

"فی المثل اگر ہر دو عالم را بر درِ تو آرند
وگویند ہمہ ترا ست ہر تصرف کہ خواہی بکن ہوشیار
باش از آنچہ فوق الدنیا والآخرۃ ہست
محجوب نگردی و قطع طریق نشود ہمہ گوئید عارفاں
گفتہ اند۔"

اگر بالفرض دونوں جہانوں کو تیرے دروازہ
پر لے آئیں اور کہہ دیں کہ "یہ سب تیری ملکیت ہے،
جس طرح چاہے اس میں تصرف کر" پھر بھی
ہوشیار رہ۔ ایسا نہ ہو کہ جو کچھ دنیا و آخرت
سے مافوق ہر وہ پردہ میں ہوجائے اور اُس
تک پہنچنے کا راستہ قطع ہوجائے تو بھی وہی کہہ جو عارفوں نے کہا ہے۔

دنیاست بلاخانہ وعقبیٰ ہوس آباد ؎
ما حاصل ایں ہر دو بیک جو نستانیم

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"ہر آئینہ چوں حوصلہ وسیع بود در وِ ہمہ بگنجد و اگر تنگ بود نہ گنجد بروں
افتد ایں نکتہ دریں باب (اے طلب) اصلی تو لیست۔"

تجرید وتفرید

اہل تفرید و تجرید انقطاع عن الخلق اور اُنس مع الحق کے اُس مقام۔۔۔۔۔۔ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں کسی نامحرم کا پہنچنا یا اُس کی بلندیوں کا ادراک کرنا عامیوں کے لئے مشکل ہے، اسلئے جب تک وہ خود ہی اپنا حال نہ بتائیں یا اس منزل کا نشان نہ دیں اس کا سراغ لگنا مشکل ہے، پھر چونکہ ان مردانِ خدا کو خلوت در انجمن اور سفر در وطن کی دولت حاصل

ہوتی ہے اور "دست بکار و دل بیار" کی تصویر ہوتے ہیں۔ منصب ارشاد و تربیت کی ذمہ داریاں اور اتباعِ نبوی کی شان ان کو ہمیشہ خلائق کے درمیان رکھتی ہے اسلئے اور کبھی اُن کے اصل مقام سے ناآشنائی پیدا ہوتی ہے۔ تجرید و تفرید کون سا مقام ہے، اور جو لوگ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں، اُن کی کیا کیفیت ہوتی ہے، اس کو خود اُن ہی کی زبان سے سُنئے، کس جوش بلاغت کے ساتھ اور کس سرشاری و سرمستی کی کیفیت میں بیان کرتے ہیں:۔

"تجرید از علائق و خلائق بود و تفرید از خود	"تجرید" تمام تعلقات اور مخلوقات سے
در دل غبارے نہ بر پشت بارے نہ با کس	الگ ہونا ہے اور "تفرید" اپنے آپ کو
شمارے، نہ در سینہ بازارے نہ با ہیچ	چھوڑنے کا نام ہے کہ نہ دل میں کوئی "غبار"
مخلوق کارے نہ ہمتش از زدہ عرش	ہو اور نہ پیٹھ پر کوئی بوجھ ہو، نہ کسی کے ساتھ
برگذشتہ و از کونین رمیدہ و بامراد	کوئی حساب و کتاب ہو اور نہ سینہ میں
آرمیدہ و با وجود کونین بے دوست خوشی نہ	(دنیاوی تفکرات) کا کوئی بازار ہو، نہ کسی
و بے وجود عالمین با دوست ناخوشی نہ	مخلوق سے کسی قسم کا کوئی کام ہو، اسکی
عزیزے گفتہ است لا وحشۃ	ہمت کا (شاہباز) عرش سے آگے گذر گیا ہو
مع اللہ ولا راحۃ مع غیر اللہ	اور دونوں جہانوں سے گذر کر اپنے مطلوب سے
چنانکہ گفتہ اند ہر کہ از خداوند محجوب است	ہمکنار ہو، دونوں جہانوں کے ہوتے ہوئے
در عین بلا و رنج است اگر چہ کلید	بغیر دوست کے کوئی خوشی نہ ہو اور دونوں
خزائن ممالک در دست دارد و ہر زندہ	جہانوں کی عدم موجودگی میں دوست کیساتھ
پوشے و گدائے کہ او را با خداوند خود	ہوتے ہوئے کوئی ناخوشی نہ ہو، ایک عزیز
کار لیست بادشاہ دو جہان است	نے خوب کہا ہے:" اللہ کے ساتھ ہوتے ہوئے

ہر چند نان شب ندارد۔[1] کوئی وحشت نہیں ہے، اور غیر اللہ کے

ساتھ ہوتے ہوئے کوئی راحت نہیں ہے۔" چنانچہ کہا گیا ہے کہ جو کوئی

خدا تعالیٰ سے محجوب (دور) ہے وہ عین مصیبت و رنج میں پڑا ہوا ہے

اگرچہ کئی ملکوں کے خزانوں کی کنجیوں کا مالک ہو، اور ہر دلق پوش اور

گدا، کہ اُس کا خدا سے تعلق ہو وہ دونوں جہانوں کا بادشاہ ہے، اگرچہ

رات کا کھانا بھی اُسے میسر نہ ہو۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

" دوستان بے وجود با وجود اند و بیگانگان	دوست بغیر وجود کے بھی موجود ہیں اور بیگانے
با وجود بے وجود اند و لیکن شرط آنست	موجود ہوتے ہوئے بھی غیر موجود ہیں، لیکن
کہ از ہمہ عالم بگریزی و در برخود برآئی و	شرط یہ ہے کہ تو تمام عالم سے بھاگے اور
دل را از خود برداری و دست از خود بشوئی	اپنے آپ میں آئے، دل کو اپنے سے اٹھا کر اپنے
چنانکہ اصحاب کہف کردہ اند و از دل خود	آپ سے ہاتھ دھو ڈالے جیسا کہ اصحاب کہف
کہف سازی و در دل برآئی و چہار تکبیر	نے کیا ہے، اپنے ہی دل کی کہف (غار) بنائے اور
برخود بگوئی و سگ نفس را از دل خود بیروں	اپنے ہی دل میں آکر اپنے پر چار تکبیر کہہ دیوے
کنی تا ترا بر خلق جلوہ کنند چنانکہ اصحاب	اور اپنے نفس کے کتے کو اپنے دل سے باہر
کہف را کردند لو اطلعت علیہم لولیت	نکال دے تاکہ تجھے مخلوقات پر ظاہر کریں جیسا کہ
منہم فرارا ولملئت منہم رعبا۔"[1]	اصحاب کہف کو ظاہر کیا گیا (قرآن شریف میں یہ آیت ہے)

---

[1] مکتوب شصت و دوم۔ ۱۲

اگر تو اُن کے حال سے مطلع ہو جائے تو تُو پیچھے کو بھاگ آئے اور تیرا
دل اُن کے رعب سے بھر جائے، اگر تو اُن کو جھانک کر دیکھے۔"

امر بالمعروف اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر

لیکن تجرید و تفرید کے اس بلند مقام کے باوجود جس میں دل میں غبار اور کسی مخلوق سے سروکار کی بھی گنجائش نہیں آپ کو خلقِ خدا کے حال پر رحمت و شفقت اور مسلمانوں کے حالات و معاملات کی فکر اور اس سے تعلقِ خاطر رہتا تھا، اور صرف اسی لئے آپ شاہانِ وقت سے کبھی کبھی خط و کتابت فرماتے، اور ان کو عدل گستری اور دادگری اور مظلوموں کی حفاظت و حمایت کی طرف متوجہ کرتے، ایک مرتبہ خواجہ عابد ظفرآبادی کا مال تلف ہو گیا تو آپ نے سلطان الشرق فیروز شاہ کو ایک خط تحریر فرمایا، اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحابِ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی چند حکایتوں اور احادیث نقل کرنے کے بعد جو ظالموں اور مظلوموں کے متعلق ہیں تحریر فرمایا:۔

بحمد اللہ کہ امروز آں ذات معظم و مکرم	اللہ کا شکر ہے کہ آج وہ معظم و مکرم ذات
است کہ پناہ مظلوماں و درماندگان است	جو کہ مظلوموں اور بیچاروں کا آسرا ہے اور
و عدل و انصاف ازاں درگاہ در عالم	عدل و انصاف اُسکی بارگاہ سے دنیا میں
پدید آمدہ است بدیں سعادت سیدہ	ظاہر ہوا ہے، اس سعادت تک پہنچ گئی ہو
کہ پیغمبر علیہ السلام فرمودہ است عدل	جسکے متعلق پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا ہے
یک ساعت بہتر از شصت سال عبادت[1]"	کہ "ایک گھڑی کا عدل ساٹھ سال کی عبادت سے بہتر ہے"

آپ نے علومِ دینیہ کی تحصیل اور تعلیم کی تکمیل سنار گاؤں میں کی تھی، اسلئے قدرتاً آپ کو بنگالہ اور وہاں کے

---

[1] سیرۃ الاشرف صفحہ ۱۴۱ (قلمی)

حالات سے خاص دلچسپی تھی، اور وہاں کے مسلمانوں کے حالات کی فکر و اہتمام رہا کرتا تھا۔ مولانا مظفر بلخی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک مکتوب میں جو سلطان غیاث الدین شاہ بنگالہ کے نام ہے تحریر فرماتے ہیں:۔

"شیخ شرف الحق والدین اقدس سرہ العزیز	شیخ شرف الحق والدین قدس سرہ العزیز کو
بندہ ہمہ وقت می دید کہ درباب این ملک	بندہ ہر وقت اس ملک کے بارے میں بیحد
عین عنایت داشت خدائے تعالیٰ را	عنایت و نوازش فرماتے ہوئے دیکھتا تھا اور
عین عنایت بایں زمین، و برین ملک بود	(دراصل) خداوند تعالیٰ کی اس سرزمین پر
و ہست کہ شیخ شرف الدین را کہ لشکر	اور اس ملک پر نوازش تھی کہ شیخ شرف الدین
الٰہی بود بر سر ایں زمین داشتہ۔"	کو جو کہ "لشکر الٰہی" تھی، اس زمین پر آباد رکھا۔

اتباع سنّت

اس راہ کے سالکین اپنے کرامات و مقامات میں جس قدر ترقی کرتے ہیں اُن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت اور آپکے اتباعِ کامل کی اہمیت و ضرورت کا انکشاف اور زیادہ ہوجاتا ہے، اور اُن کے لئے یہ بات بدیہی بن جاتی ہے کہ وصول اور مقبولیت آپکے اتباعِ کامل اور سنّت و شریعت میں فنائیت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس بارے میں آپ کا جو عقیدہ اور یقین تھا اسکی توضیح کے لئے یہ مکتوب کافی ہے:۔

"قال اللہ تعالیٰ قل ان کنتم	اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ کہہ دیجئے (اے رسول
تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ	صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اگر تم اللہ کو دوست
موید ایں حروف است دریں معنی عزیزے	رکھتے ہو تو میرا اتباع کرو، اللہ بھی تم کو
می گوید"	دوست رکھے گا، اس معنی کی تائید کرتا

ہے، اس بارے میں ایک عزیز کہتا ہے۔

۱؎ سیرۃ الشرف ص ۱۲۵

(مثنوی)

او دلیل تو بس، تو راہ مجوئے | او زبان تو بس، تو یاوہ مگوئے
ہر چہ او گفت گفت مطلق دان | ہر چہ او کرد کردہ حق دان
خاک او باش بادشاہی کن | آن او باش ہر چہ خواہی کن
ہر کہ چوں خاک نیست بر در او | گر فرشتہ است خاک بر سر او

"ازیں جا معلوم می شود کہ بعضے نااہل و فضول بگمان فاسد بہوا و جہل خود در راہ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) نمی روند لاجرم ازیں حدیث بوئے نصیب ایشاں نہ رفتن بے راہبر محال است کہ گفتہ است

اس سے معلوم ہوا کہ بعض نا اہل اور فضول لوگ جو اپنے گمان فاسد اور جہالت و ہوس کی وجہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار نہیں کرتے، اس "حدیث" کے معنی کی بو سے بے نصیب رہتے ہیں، راہبر کے بغیر سیدھا راستہ چلنا محال ہے، اسی لئے کہا گیا ہے

(رباعی)

کور ہرگز کے تو اندر رفت راہ راست | بے عصا کش کور را رفتن خطاست
راہ دور است و پر آفت اے پسر | راہ رو را می بباید راہ بر[1]

اس اصول پر آپ کا جس شدت سے عمل اور اتباع سنت کا جس قدر اہتمام تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ عین وفات کے دن جبکہ آپ کی عمر ایک سو اکیس[۱۲۱] سال کی تھی اور ضعف و ناطاقتی اپنی آخری حد کو پہنچ گئی تھی، آپ نے جو آخری وضو کیا تو اس میں اتباعِ سنت اور عمل بالعزیمت کا پورا

---

[1] مکتوب پانزدہم

اہتمام کیا۔ شیخ زین بدر عربی "وفات نامہ" میں لکھتے ہیں :۔

پیراہن جسم مبارک سے اتار کر وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین چڑھا کر مسواک مانگی، اور بسم اللہ بآواز بلند پڑھ کر وضو شروع کیا، آپ ہر محل اور ہر فعل میں ادعیہ معمولہ پڑھتے جاتے تھے، دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوئے مگر منھ دھونا سہو ہو گیا۔ شیخ خلیل نے یاد دلایا، آپنے از سر نو وضو کیا، تسمیہ اور ادعیہ جس طور پہ کہ آتے ہیں ہر محل میں باحتیاط تمام پڑھتے تھے، اور حاضرین تعجب کرتے تھے کہ اس حال میں بھی اس قدر احتیاط ہے، قاضی زاہد نے داہنا پاؤں دھونے میں ہاتھ بڑھا کر مدد کرنی چاہی آپ نے روک کر فرمایا کہ ٹھہرو، اور اپنے سے وضو کیا، پھر کنگھی طلب کی اور ریش مبارک میں شانہ کیا اور جا نماز مانگی اور دو رکعت نماز پڑھی[1]"

اتباع سنّت کے اہتمام کے ساتھ قدرتاً آپ بدعات سے مجتنب اور نفور تھے، بدعت سے احتیاط اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ ایک موقع پر فرمایا کہ :۔

"این وو درہم جائے کہ سنّت و بدعت	یہاں اور جہاں کہیں بھی سنّت اور بدعت
پیش می آید ترک سنّت اولیٰ است	دونوں سامنے آجائیں اُسوقت سنّت کا
از اتیان بدعت، کہ بہ اتیان سنّت	چھوڑ دینا اولیٰ ہے بدعت کے ارتکاب سے
اتیان بدعت است[2]"	کہ سنّت پر عمل کرنے سے بدعت کا ارتکاب ہوتا ہے۔

---

[1] وفات نامہ از شیخ زین بدر عربی - ۱۲

[2] خوان پر نعمت مجلس سوم، اِس باب (چہارم) کے فارسی اقتباسات کا ترجمہ محب عزیز صوفی محمد حسین صاحب ایم۔ اے کے قلم سے ہے جس کے لئے مصنف ان کا ممنون ہے - ۱۲

وفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین منیری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی اور ان کے کمالات و مقامات کے متعلق جو کچھ ان کے معاصر تذکرہ نویسوں نے آنے والی نسلوں کے لئے قلمبند کیا وہ اگرچہ خود بہت ناکافی اور تشنۂ تفصیل ہے اور ان متفرق و منتشر حالات سے ان کی عظمت کا صحیح تصور نہیں ہو سکتا لیکن یہ حالات بھی اگر خدانخواستہ مفقود ہو جاتے اور صرف ان کی وفات کا حال جو ان کے خلیفۂ خاص اور واقعہ کے شاہد عینی شیخ زین بدر عربی نے تفصیل کے ساتھ قلمبند کیا ہے محفوظ رہ جاتا تو ان کی عظمت و مرتبت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ تاریخ اسلام میں متعدد اکابر و ائمہ کی وفات کا واقعہ اور دنیا سے رخصت ہونے اور موت کے استقبال کی کیفیت کا حال اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اس سے نہ صرف ان حضرات کی عظمت، تعلق مع اللہ اور ایمان و یقین کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ اس سے اسلام کی صداقت بھی عیاں ہوتی ہے، کسی امت کے اکابر اور کسی مذہب کے پیشواؤں کی آخری زندگی کے واقعات اور ان کے دم واپسیں کے حالات اس قدر موثر، یقین افروز اور ولولہ انگیز تاریخ میں نظر سے نہیں گذرے جیسے مستند تاریخ نے ان اکابر اسلام کے محفوظ کئے ہیں۔

حضرت مخدوم منیری کی وفات کے جو حالات یہاں نقل کئے جاتے ہیں اُن سے اُن کی بے نظیر استقامت، جذبۂ اتباعِ شریعت، امت محمدیہ کی فکر، اس کے لئے دلسوزی، اہلِ اسلام سے محبت اور انکی خیر خواہی اور زندگی کی نازک ترین ساعت میں بھی ان کا خیال اور ان کے لئے دعا، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید اور یقین و اعتماد کے ساتھ ہی اسکی بے نیازی اور کبریائی کا ڈر، سلامتی، ایمان و حسن عاقبت کی فکر اور اہتمام بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ابن یمین نے جس طرح دنیا سے جانے اور جس حضوری و مشاہدہ، مسرت و تبسم کیساتھ محبوب حقیقی کے پیام و قاصد کا استقبال کرنے کا نقشہ کھینچا تھا۔ وہ حضرت مخدوم کے وقتِ وفات کی سچی تصویر ہے ؎

منگر کہ دل ابن یمین پر خوں شد بنگر کہ ازیں سرائے فانی چوں شد

مصحف بکف و پا برہ و دیدہ بدوست با پیک اجل خندہ زناں بیروں شد

شیخ زین بدر عربی فرماتے ہیں :-

"چہار شنبہ کا دن تھا اور ۵ شوال ۷۸۲ھ کی تاریخ میں جانہ خدمت ہوا، نماز فجر کے بعد اس نئے حجرہ میں جس کو ملک الشرق نظام الدین خواجہ ملک نے تعمیر کیا تھا، سجادہ پر تکیہ سے سہارا لگائے بیٹھے تھے۔ شیخ جلیل الدین حقیقی بھائی اور خادم خاص اور بعض دوسرے احباب اور خادم جو متواتر کئی راتوں سے آپ کی خدمت کیلئے جاگتے رہے تھے جن میں سے قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین (جو خواجہ مینا کے بھانجے تھے) مولانا ابراہیم، مولانا آموں قاضی میاں، ہلال و عقیق اور دوسرے عزیز حاضر تھے، آپنے زبان مبارک سے فرمایا :- لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پھر حاضرین کی طرف رُخ کرکے فرمایا :- تم بھی کہو۔

لوگوں نے تعمیلِ ارشاد کی، اور سب نے لاحول ولاقوۃ الّا باللہ العظیم پڑھا اور
پھر آپ نے مسکراتے ہوئے تعجب کے طور پر فرمایا: سبحان اللہ! وہ ملعون اس وقت بھی
مسئلۂ توحید میں لغزش دینا چاہتا ہے، خدا کا فضل و کرم ہے، اس کی طرف کیا توجہ
ہو سکتی ہے؟ پھر آپ نے لاحول ولا قوۃ الا باللہ العظیم پڑھنا شروع کیا اور
حاضرین سے بھی فرمایا تم بھی پڑھو۔ اس کے بعد آپ اپنے ادعیہ و وظائف میں مشغول
ہو گئے۔ چاشت کے وقت اُن سے فارغ ہوئے۔ کچھ دیر کے بعد اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں
مشغول ہوئے با آواز بلند الحمد للہ الحمد للہ کہنے لگے۔ فرماتے تھے خدا نے کرم فرمایا
المنۃ للہ المنۃ للہ کئی بار دل کی خوشی اور اندرونی فرحت کے ساتھ اسی کو بار بار دہراتے
رہے۔ فرماتے جاتے تھے: ۔الحمد للہ الحمد للہ ۔ المنۃ للہ المنۃ للہ۔
بعد ازاں مخدومؒ حجرہ سے صحنِ حجرہ میں تشریف لائے اور تکیہ کا سہارا لیا، تھوڑی دیر کے
بعد دستِ مبارک پھیلائے جیسے مصافحہ فرمانا چاہتے ہوں، آپ نے قاضی شمس الدین کا ہاتھ
اپنے ہاتھ میں لے لیا اور دیر تک لئے رہے، پھر ان کا ہاتھ چھوڑ دیا، خدام کو رخصت کرنے کا
آغاز انھیں سے ہوا، پھر قاضی زاہد کا ہاتھ پکڑ کر سینۂ مبارک پر رکھا اور فرمایا ہم وہی
ہیں، ہم وہی ہیں۔ پھر فرمایا: ۔ ہم وہی دیوانے ہیں، ہم وہی دیوانے ہیں، پھر تواضع
اور خاکساری کی خاص کیفیت طاری ہوئی اور فرمایا: نہیں! بلکہ ہم اُن دیوانوں
کی جوتیوں کی خاک ہیں، پھر حاضرین میں سے ہر ایک کی طرف اشارہ فرمایا اور ہر ایک
کے ہاتھ داڑھی کو بوسہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے اُمیدوار رہنے کی
تاکید فرمائی اور بلند آواز سے پڑھا: ۔ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ
یغفر الذنوب جمیعا۔ پھر یہ شعر پڑھا ۔

خدایا رحمتت دریائے عام است

ازاں جا قطرۂ بر ما تمام است

اس کے بعد حاضرین کی طرف رخ کر کے فرمایا، کل تم سے سوال کریں تو کہنا لاتقنطوا من رحمۃ اللہ لائے ہیں، اگر مجھ سے بھی پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، اس کے بعد کلمۂ شہادت بلند آواز سے پڑھنا شروع کیا: اشہد ان لا الٰہ الا اللہ واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہٗ۔ یہ الفاظ بھی ادا کئے۔ رضیت باللہ ربًا وبالاسلام دینا وبمحمد صلی اللہ علیہ وسلم نبیًا وبالقرآن امامًا وبالکعبۃ قبلۃ وبالمومنین اخوانا وبالجنۃ ثوابا وبالنار عذابا (میں اللہ کو رب مانتا ہوں، اسلام کو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی، قرآن کو پیشوا، کعبہ کو قبلہ، اہلِ ایمان کو اپنا بھائی جنت کو اللہ کا انعام اور دوزخ کو اللہ کا عذاب تسلیم کرتا ہوں اور اس عقیدہ پر مطمئن ہوں)۔

اس کے بعد آپ نے مولانا تقی الدین اودھی کی طرف متوجہ ہو کر اپنا ہاتھ پھیلایا اور فرمایا: عاقبت بخیر ہو۔ اور ان کے حال پر بڑی عنایت و مہربانی فرمائی۔ پھر زبانِ مبارک سے فرمایا:۔ آموں!۔ مولانا آموں حجرہ کے اندر تھے، وہ سن کر لبیک کہتے ہوئے دوڑتے ہوئے آئے، آپ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور چہرۂ مبارک پر ملنے لگے، فرمایا:۔ تم نے بڑی خدمت کی، تمھیں نہیں چھوڑوں گا، خاطر جمع رکھو، ایک ہی جگہ رہینگے، اگر قیامت کے دن پوچھیں کہ کیا لائے؟ تو کہنا لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعًا، اگر مجھ سے پوچھیں گے تو میں بھی یہی کہوں گا، دوستوں سے کہو خاطر جمع رکھیں، اگر میری آبرو رہے گی تو میں کسی کو نہ چھوڑوں گا۔ اس کے بعد ملال

اور عتیق کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:۔ تم نے ہمکو بہت خوش رکھا، ہماری بڑی خدمت کی، جیسے ہم تم سے خوش رہے ہیں تم بھی خوش رہو گے اور ہمیشہ خوش رہو گے تین مرتبہ اپنا ہاتھ میاں ہلال کی پیٹھ پر رکھا اور فرمایا بامُراد رہو گے۔ اس وقت آپ کے دونوں پاؤں میاں ہلال کی گود میں تھے، اور ان کے حال پر بڑی عنایت تھی۔

اس عرصہ میں مولانا شہاب الدین ناگوری آئے، آپنے کئی بار ان کے سر، چہرہ داڑھی اور دستار کو بوسہ دیا۔ آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے، اور الحمد للہ، الحمد للہ کہتے جاتے تھے۔ آپنے ہاتھ نیچے کرلیا اور درود پڑھنے لگے۔ مولانا شہاب الدین کی بھی آپکے چہرۂ مبارک پر نظر تھی اور درود پڑھ رہے تھے۔ اس کے بعد آپنے مولانا شہاب الدین خواہرزادہ خواجہ معین کا نام لیا اور فرمایا میری بڑی خدمت کی، مجھ سے بہت اتحاد تھا، بڑی خوبی کے ساتھ میری صحبت اٹھائی، عاقبت بخیر ہو اس وقت مولانا شہاب الدین نے مولانا مظفر بلخی اور مولانا نصیر الدین جونپوری کا نام لیا اور فرمایا کہ ان دونوں کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ آپنے بہت خوش ہوکر مسکراتے ہوئے اور اپنی تمام انگلیوں سے سینۂ مبارک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔ مظفر میری جان ہے میرا محبوب ہے، مولانا نصیر الدین بھی اسی طرح ہیں خلافت اور مقتدائی کیلئے جو شرائط و اوصاف ضروری ہیں وہ ان دونوں میں موجود ہیں میں نے جو کچھ کہا اس سے ان غریبوں کو فتنۂ خلق سے محفوظ رکھنا مقصود تھا۔[1] اس موقع پر مولانا شہاب الدین نے[2] ...... پیش کیا اور عرض کیا:۔ مخدوم اسے قبول فرمائیں؟ فرمایا:۔ میں نے قبول

---

[1] یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ یہ کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ ۱۲ [2] یہاں پر جو عبارت ہے وہ سمجھ میں نہیں آئی۔ ۱۲

کیا، یہ کیا ہے میں نے تمھارا سارا گھر قبول کیا۔ اس کے بعد ان کو کلاہ عطا ہوئی،
انھوں نے تجدیدِ بیعت کی درخواست کی، آپ نے قبول فرمایا۔

اس دوران میں قاضی مینا حاضرِ خدمت ہوئے، میاں ہلال نے تعارف کرایا
اور عرض کیا: یہ قاضی مینا ہیں؟ فرمایا: قاضی مینا، قاضی مینا! قاضی مینا نے کہا :-
حضرت حاضر ہوں! اور ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے اُن کا ہاتھ اپنے چہرہ و ریش مبارک
اور رخسار پر پھیرا اور فرمایا :- خدا کی تم پر رحمت ہو، با ایمان رہو اور با ایمان
دنیا سے جاؤ۔ از راہِ شفقت یہ بھی فرمایا کہ: مینا ہمارے ہیں۔ اس دوران میں
مولانا ابراہیم آئے، آپ نے اپنا دایاں ہاتھ اُن کی داڑھی پر پھیرا اور فرمایا کہ تم نے میری
اچھی خدمت کی اور پورا ساتھ دیا، باآبرو رہو گے۔ مولانا ابراہیم نے عرض کیا :-
مخدوم.... مجھ سے راضی ہیں؟ فرمایا:- ہم سب سے راضی ہیں۔ تمھیں بھی ہم سے راضی ہونا چاہیے،
جو کچھ ہے میری طرف سے ہے۔ اسکے بعد قاضی شمس الدین کے بھائی قاضی نور الدین حاضر ہوئے
آپ نے نور الدین کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی شفقت کیسے ساتھ اُن کی داڑھی، چہرہ، رخسار
اور ہاتھ کو کئی بار بوسہ دیا، آپ آہ آہ کرتے جاتے تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا کہ: تم ہماری
صحبت میں بہت رہے ہو اور ہماری بڑی خدمت کی ہے، انشاء اللہ کل ایک ہی
جگہ رہیں گے، اس کے بعد مولانا نظام الدین کو بھی حاضر ہوئے۔ فرمایا:- غریب اپنا وطن
چھوڑ کر ہمارے جوار میں آگیا تھا۔ یہ کہہ کر کلاہِ مبارک سر سے اتار کر ان کو
عطا فرمائی، اور حُسنِ عاقبت کی دعا فرمائی اور فرمایا حق تعالیٰ تمھیں مقصود تک

---

[۱] یہاں پر مطبوعہ اور قلمی نسخہ میں صبح البیاض کا لفظ ہے، شاید اسکے معنی یہ ہوں کہ آج صبح کے وقت ۱۲

پہنچائے۔ پھر سب حاضرین کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا:۔ دوستو! جاؤ اپنے دین و ایمان کا غم کھاؤ اور اسی میں مشغول رہو۔!

اس کے بعد کاتبِ سطور زین بدر عربی نے دستِ مبارک کو بوسہ دیا اپنی آنکھ، سر اور بدن پر پھیرا۔ ارشاد ہوا:۔ کون ہے؟ میں نے عرض کیا:۔ گدائے آستانہ توجہ کرتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مجھے از سرِ نو غلامی میں قبول فرمایا جائے؟۔ فرمایا:۔ جاؤ تم کو بھی قبول کیا، تمہارے گھر اور تمام اہلِ خاندان کو قبول کیا۔ خاطر جمع رکھو، اگر میری آبرو رہی تو کسی کو بھی چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں نے عرض کیا: مخدوم تو مخدوم ہیں، مخدوم کے غلاموں کی بھی آبرو ہے۔ فرمایا:۔ امیدیں تو بہت ہیں۔

قاضی شمس الدین آئے اور حضرت مخدومؒ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔ مولانا شہاب الدین ہلال وعقیق نے عرض کیا کہ:۔ مخدوم! قاضی شمس الدین کے باب میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ فرمایا۔ قاضی شمس الدین کے بارے میں کیا کہوں، قاضی شمس الدین میرا فرزند ہے، کئی جگہ میں اسکو فرزند لکھ چکا ہوں، خط میں مَیں نے اسکو برادرم بھی لکھا ہے، ان کو علمِ درویشی کے اظہار کی اجازت ہو چکی۔ انہیں کی خاطر اتنے کہنے اور لکھنے کی نوبت آئی، ورنہ کون لکھتا؟

اس کے بعد برادر و خادمِ خاص شیخ خلیل الدین نے جو پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے، آپ کا ہاتھ پکڑ لیا، آپ نے ان کی طرف رخ کیا اور فرمایا:۔ خلیل! خاطر جمع رکھو، تم کو علماء و درویش چھوڑینگے نہیں، ملک نظام الدین خواجہ ملک آئے گا اسکو میرا سلام و دعا پہنچانا، میری طرف سے بہت معذرت کرنا اور کہنا کہ میں تم سے راضی ہوں، اور راضی جا رہا ہوں، تم بھی راضی رہنا ـــــــــ فرمایا کہ جب تک ملک نظام الدین ہے تم کو نہ چھوڑے گا۔

شیخ خلیل الدین بہت متاثر تھے، آنکھوں میں آنسو تھے، حضرت مخدوم نے جب ان کی دل شکستگی دیکھی تو بڑی شفقت سے فرمایا: خاطر جمع رکھو اور دل کو مضبوط رکھو۔ اسکے بعد فرمایا: کون ہے؟ ہلال نے عرض کیا کہ:۔ مولانا محمود صوفی ہیں۔ آپنے بڑے گہرے افسوس کے ساتھ فرمایا کہ: بیچارہ غریب ہے، مجھے اس کی بڑی فکر ہے، بیچارے کا کوئی نہیں، اس کے بعد ان کیلئے حُسنِ عاقبت کی دعا فرمائی۔ اسکے بعد قاضی خاں خلیل حاضر خدمت ہوئے۔ فرمایا: بیچارہ قاضی ہمارا پرانا دوست ہے ہماری صحبت میں بہت رہا ہے اللہ تعالیٰ اسکو جزا دے اور عاقبت بخیر کرے، اس کے فرزند بھی ہمارے دوست ہیں، سب کی عاقبت بخیر ہو اور حق تعالیٰ دوزخ سے رہائی دے۔

اس کے بعد خواجہ معز الدین مشرف بہ خدمت ہوئے۔ فرمایا:۔ عاقبت بخیر ہو۔ پھر مولانا فضل اللہ نے قدمبوسی کی، فرمایا:۔ بھلے بھلے اللہ عاقبت بخیر کرے۔ فتوح باورچی روتا ہوا آیا اور قدموں میں گر گیا۔ فرمایا: بیچارہ فتو حاجیسا کچھ تھا میرا ہی تھا، اس کے حق میں بھی دعائے حُسنِ عاقبت فرمائی۔ اسکے بعد مولانا شہاب الدین نے شرفِ قدمبوسی حاصل کیا، ہلال نے تعارف کرایا کہ مولانا شہاب الدین حاجی رکن الدین کے بھائی ہیں۔ فرمایا:۔ انجام بخیر ہو، ایمان کا غم کھاؤ اور رحمتِ حق کے امیدوار ہو کر پڑھو لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا۔

کچھ دیر کے بعد نماز ظہر کے قریب سید ظہیر الدین اپنے چچازاد بھائی کے ساتھ حاضرِ خدمت ہوئے، آپنے سید ظہیر الدین کو بغل میں لے لیا اور بڑے لطف و شفقت کے ساتھ فرمایا:۔ میں جو عاقبت، عاقبت کہتا تھا یہی عاقبت ہے، اسکے بعد تین مرتبہ اُن کو بغل میں لیا اور آخری بار یہ آیت پڑھی:۔ لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر

الذنوب جمیعا اور حاضرین کو رحمت و مغفرت خداوندی کا امیدوار بنایا، اسکے بعد وہاں سے اٹھے اور حجرہ میں تشریف لے گئے اور سید ظہیر الدین کے ساتھ کچھ دیر بیٹھے اور ان سے کچھ دیر باتیں فرمائیں، اس کے بعد سلطان شاہ پرگنہ دار راجگیر اپنے بیٹے کے ساتھ حاضر خدمت ہوا اور ایک روغن کا سرپارچ پیش کیا، ارشاد ہوا کہ مولانا نظام الدین بھی لائے تھے، پھر شربت اور پان دے کر معذرت کی، اس کے بعد خلیل کے بھائی منور نے عرض کیا کہ توبہ و بیعت کرنا چاہتا ہوں؛ فرمایا:- آؤ! اس کی جانب ہاتھ بڑھا کر توبہ و بیعت سے مشرف فرمایا، پھر قلینچی طلب کی، قلینچی سے بال تراشے اور کلاہ پہنائی اور فرمایا:- جاؤ دوگانہ ادا کرو — اس طرح اس کے بیٹے نے بھی بیعت کی۔ اس کو بھی یہی حکم ہوا۔

اسی اثنا، میں قاضی عالم احمد مفتی مولانا نظام الدین مفتی کے بھائی جو مریدان خاص میں سے ہیں آئے اور ادب کے ساتھ آپ کے سامنے بیٹھ گئے، اسی درمیان میں ملک حسام الدین کے بھائی امیر شہاب الدین اپنے لڑکے کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے اور آکر بیٹھ گئے، آپ کی نظر مبارک لڑکے پر پڑی - آپ نے فرمایا: پانچ آیتیں پڑھ سکتے ہو؟ حاضرین نے عرض کیا ابھی چھوٹا ہے، سید ظہیر الدین مفتی کا لڑکا بھی حاضر تھا میاں ہلال نے جب یہ دیکھا کہ آپ کو اس وقت کلام ربانی سننے کا ذوق ہے انھوں نے اس لڑکے کو بلایا اور پانچ آیتیں پڑھنے کی ہدایت کی، سید ظہیر الدین نے بھی جب یہ محسوس کیا کہ طبیعت مبارک پر قرآن مجید سننے کا تقاضا ہے تو اپنے لڑکے کو اشارہ کیا کہ قرآن مجید کی پانچ آیتیں پڑھو، لڑکا سامنے آیا اور مؤدب بیٹھ گیا، اس نے سورۂ فتح کے آخری رکوع کی آیتیں محمد رسول اللہ والذین معہ پڑھنی شروع کیں، حضرت مخدوم جو تکیہ کے سہارے آرام فرما رہے تھے اٹھ بیٹھے اور معمول قدیم کے مطابق باادب

دوزانو بیٹھ گئے اور بڑی توجہ سے قرآن مجید سننے لگے، لڑکا جب لیغیظ بھم الکفار
پر پہنچا تو مرعوب ہوگیا اور اس سے پڑھا نہ جاسکا، آپ نے اس کو آگے کے لفظ کی تلقین
فرمائی، جب لڑکے نے قرات ختم کی تو آپ نے فرمایا کہ:۔ اچھا پڑھتا ہے اور خوب ادا کرتا
ہے لیکن مرعوب ہوجاتا ہے، اس موقع پر آپ نے ایک مغربی درویش کا ذکر کیا کہ کبھی اسکی طبیعت
حاضر ہوتی تھی اور قرآن مجید سننے کا ذوق ہوتا تھا اور کبھی طبیعت حاضر نہیں ہوتی تھی اور قرآن مجید
سننے کا ذوق نہیں ہوتا تھا۔

اس کے بعد قاضی عالم کو شربت اور پان دینے کو ارشاد ہوا، اور معذرت فرمائی۔ آپ
نے پیراہن جسم سے اتارنا چاہا اور وضو کے لئے پانی طلب فرمایا اور آستین سمیٹی، مسواک
طلب فرمائی، آواز سے بسم اللہ پڑھی اور وضو شروع فرمایا اور ہر موقع کی ادعیہ پڑھیں،
کہنیوں تک ہاتھ دھوئے، منھ دھونا بھول گئے، شیخ فریدالدین نے یاد دلایا کہ منھ
دھونا رہ گیا، آپ نے ازسر نو وضو کرنا شروع کیا اور بسم اللہ اور وضو کی دعائیں جس طرح
آئی ہیں بڑی احتیاط کے ساتھ پڑھتے تھے۔ مفتی سید ظہیرالدینؒ اور حاضرین مجلس دیکھتے
تھے اور تعجب کرتے تھے اور آپس میں کہتے تھے ایسی حالت میں یہ احتیاط؟ قاضی زاہد
کے پاؤں دھونے میں مدد کرنی چاہی، حضرت مخدومؒ نے اُن کو روک دیا اور فرمایا: کھڑے
رہو! اسکے بعد خود سے وضو پورا کیا، وضو مکمل کرنے کے بعد کنگھی طلب فرمائی اور داڑھی
میں کنگھی کی۔ اسکے بعد مصلّٰی طلب فرمایا، نماز شروع کی اور دو رکعت میں سلام پھیرا، تکان
ہونے کی وجہ سے کچھ دیر آرام فرمایا، شیخ خلیل الدین نے عرض کیا کہ: حضرت سلامت
حجرہ میں تشریف لے چلیں، ٹھنڈک کا وقت ہوگیا ہے۔ آپ کھڑے ہوئے، جوتیاں پہنیں
اور حجرہ کی طرف چلے، آپ کا ایک ہاتھ مولانا زاہد کے کاندھوں پر تھا، دوسرا مولانا شہاب الدین

کاندھوں پر، حجرہ میں آپ ایک شیر کی کھال پر لیٹ گئے۔ میاں منور نے بیعت توبہ کی تمنا
کی، آپنے ان کی طرف ہاتھ بڑھادیا اور ان کو توبہ و بیعت سے مشرف کیا، اور ان کے سر کے بال
دونوں جانب سے تھوڑے تھوڑے تراشے، ان کو کلاہ پہنائی اور فرمایا جاؤ دوگانہ ادا کرو
یہ آخری بیعت توبہ تھی جو آپنے کرائی۔ اس موقع پر ایک عورت اپنے دو لڑکوں کے ساتھ حاضر
ہوئی اور شرف قدمبوسی حاصل کیا۔ نماز عصر کے بعد، مغرب کی نماز کے نزدیک خدام نے
عرض کیا کہ :۔ حضرت چارپائی پر آرام فرمائیں، آپ چارپائی پر تشریف لے گئے اور آرام فرمایا۔
نماز مغرب کے بعد شیخ جلیل الدین، قاضی شمس الدین، مولانا شہاب الدین، قاضی
نور الدین، بلال اور عقیق اور دوسرے احباب و خدام جو خدمت میں حاضر تھے، چارپائی
کے چاروں طرف بیٹھے ہوئے تھے، حضرت مخدومؒ نے کچھ دیر کے بعد باواز بلند بسم اللہ
کہنی شروع کی، کئی بار بسم اللہ کہنے کے بعد زور زور سے پڑھا لا الہ الا انت سبحانک
انی کنت من الظلمین، اسکے بعد بلند آواز کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھا،
پھر کلمۂ شہادت اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد
ان محمدًا عبدہ ورسولہ اس کے بعد فرمایا :۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ
العلی العظیم پھر کچھ دیر تک کلمہ شہادت زبان پر جاری رہا، پھر کئی بار فرمایا: بسم اللہ
الرحمٰن الرحیم، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اسکے بعد
بڑے اہتمام اور دل کی بڑی قوت اور ذوق و شوق سے محمد محمد
محمد اللھم صل علیٰ محمد وعلیٰ ال محمد الخ پھر یہ آیت
پڑھی :۔ ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء کی تا آخر
رضینا باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا

صَلَّی اللّٰہ علیہ وسلّم نبیا الخ اسکے بعد تین مرتبہ کلمہ طیبہ کا ورد فرمایا پھر آسمان کی طرف ہاتھ بلند کئے اور بڑے ذوق وشوق کے ساتھ جیسے کوئی مناجات اور دعا کرتا ہے، فرمایا:- اللّٰھُمَّ اصلح امّۃ محمّدٌ اللّٰھُمَّ ارحم اُمّۃ محمّدٌ اللّٰھُمَّ اغفر لامّۃ محمّدٌ اللّٰھُمَّ تجاوز عن امّۃ محمّدٌ اللّٰھُمَّ اعتق امّۃ محمّدٌ اللّٰھُمَّ انصر من نصر دین محمّدٌ اللّٰھُمَّ فرّج عن امّۃ محمّدٌ فرجا عاجلا اللّٰھُمَّ اخذل من خذل دین محمّدٌ برحمتک یا ارحم الرّاحمین، ان الفاظ پر آواز بند ہوگئی، اس وقت زبان مبارک پر یہ الفاظ جاری تھے:- لَا خوفٌ علیھم ولَا ھُمْ یحزنون، لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اسکے بعد ایکبار بسم اللّٰہ الرحمٰن الرّحیم کہا اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ یہ واقعہ شب پنجشنبہ ۶ر شوال ۸۶۸ھ عشا کی نماز کے وقت کا ہے، اگلے روز پنجشنبہ کے دن نماز چاشت کے وقت تدفین عمل میں آئی۔[1]

نماز جنازہ و تدفین

نماز جنازہ حضرت شیخ اشرف جہانگیر سمنانیؒ نے پڑھائی جو انتقال کے بعد پہنچے تھے۔ "لطائف اشرفی[2]" میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے خود

---

[1] از رسالہ وفات نامہ از شیخ زین بدر عربیؒ۔ مطبع مفید عام آگرہ ۱۳۲۱ھ

[2] لطائف اشرفی حضرت نظام الدین یمنی الملقب بہ نظام حاجی غریب الیمنیؒ کی مرتب کی ہوئی ہے جو حضرت اشرف جہانگیرؒ کے مرید تھے اور آپ کی صحبت میں بیس سال رہے تھے، یہ حضرت اشرف جہانگیرؒ کی سوانح حیات بھی ہے اور آپ کی تعلیمات کا مجموعہ بھی۔ ۱۲

وصیت اور پیشگوئی فرمانے اور حضرت شیخ اشرف جہانگیر کے وہاں پہنچنے اور حسبِ وصیت نماز پڑھانے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم صاحب کی وصیت و اطلاع کے مطابق جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھدیا گیا تھا اور ان کا انتظار تھا۔ شیخ اشرف جہانگیرؒ دہلی سے بنگالہ، سلسلہ چشتیہ کے مشہور بزرگ حضرت شیخ علاء الدین علاء الحق لاہوری پنڈویؒ کی خدمت میں تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں۔ بہار شریف عین اس وقت پہنچے جب حضرت مخدومؒ کا جنازہ تیار کر کے راستہ پر رکھ دیا گیا تھا اور امام کا انتظار تھا، آپ نے نماز جنازہ پڑھائی اور قبر میں اتارا۔[1]

قبر کچی ہے اور اُس پر کوئی گنبد نہیں ہے۔ سوریوں کے عہدِ سلطنت میں اُس کے گرد پیش مکانات، مسجد اور حوض و فوارہ بنا، لیکن بخیال اتباعِ شریعت جس کا حضرت مخدومؒ کو بڑا خیال تھا، قبر اپنی حالتِ اصلی پر چھوڑ دی گئی۔[2]

اولاد و اعقاب

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:۔

"مخدوم کی صلبی اولاد کا سلسلہ اس وقت ایک پوتی سے جاری ہے، آپکے صاحبزادہ شاہ زکی الدین نے آپ کی حیات ہی میں ایک لڑکی بادگار نام چھوڑ کر قضا کی، اس لڑکی کا بیاہ سیّد وحید الدین رضوی خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسیؒ سے ہوا، اس کد خدائی سے ایک لڑکی طاہرا نام پیدا ہوئی جو شہاب الدین علوی طوسی سے بیاہی گئی، ان کے دو بیٹے شیخ علیم الدین و شیخ امام الدین ہوئے، ایک زمانہ کے بعد جب فرزندان حسین بلخیؒ نوشۂ توحید

---

[1] لطائف اشرفی مطبوعہ نصرت المطابع دہلی ۱۲۹۵ھ صد ۹۴

[2] سیرت الشرف۔

نے خلع خلافت کیا تو مجاوران درگاہ نے حضرت بارکہ کی اولاد کو لاکر سجادۂ خلافت خانقاہ پر متمکن کیا، ان میں سے پہلے بزرگ، جو سجادہ پر بیٹھے وہ شاہ بیکھ تھے۔"

مخدوم صاحبؒ کے بھائیوں سے خاندانی سلسلہ چلا اور ان کی اولاد اب بھی منیر اور صوبۂ بہار میں موجود ہے۔

ممتاز مریدین و خلفاء

صاحب سیرۃ الشرف لکھتے ہیں:۔ مخدومؒ کے مریدوں کی فہرست نہایت طویل ہے۔ نوشہ توحید ان کی تعداد لاکھ سے زیادہ بتاتے ہیں، یہ تعداد مبالغہ سے خالی نہیں معلوم ہوتی، بایں ہمہ اتنا ضرور کہا جائیگا کہ کثیر تھی، اور اس میں مسترشدین و تلامذہ بھی شریک ہیں۔ مخدومؒ کے نیز مستفیدوں میں یہ تھے:۔

"مولانا مظفر بلخی، ملک زادہ فضل اللہ، مولانا نصیر الدین جونپوری، مولانا نظام الدین دردو نخساری، شیخ عمر، قطب الدین، فخر الدین، شیخ سلیمان، خواجگی خواجہ احمد، امام تاج الدین، حسین معز بلخی الملقب بہ نوشہ توحید، مولانا قمر الدین، ابو القاسم، مولانا ابو الحسن، قاضی شرف الدین، قاضی منہاج الدین دردو نخساری، مولانا تقی الدین اودھی، مولانا شہاب الدین ناگوری، شیخ خلیل الدین، مولانا رفیع الدین، مولانا آدم حافظ، زین بدر عربی، قاضی صدر الدین، شمس الدین خوارزمی، شیخ معز الدین، مولانا کریم الدین، خواجہ حافظ

۱؎ سیرۃ الشرف قلمی ص۱۵۱ ۲؎ صاحب سیرۃ الشرف کو مغالطہ ہوا ہے کہ یہ وہ شمس الدین خوارزمی ہیں جو سلطان غیاث الدین بلبن کے عہد میں شمس الملک کے خطاب سے ملقب ہوکر منصب صدارت پر مامور ہوئے تھے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے اسلئے کہ شمس الملک مستوفی الممالک مولانا شمس الدین خوارزمی جو عہد بلبنی میں منصب صدارت پر فائز تھے آٹھویں صدی ہجری شروع ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ انھیں کے شاگرد تھے، یا تو صاحب سیرۃ الشرف کو نام میں مغالطہ ہوا ہے یا حضرت مخدومؒ سے جن کو شرف استفادہ حاصل تھا وہ کوئی دوسرے شمس الدین خوارزمی تھے۔

جلال الدین، خواجہ حمید الدین سوداگر، شیخ مبارک، زکریا غریب، قاضی خاں، نجم الدین شاعر
قاضی بدر الدین ظفرآبادی، مولانا لطف الدین، احمد سفید باف، شیخ ذکی الدین، مولانا نظام الدین
خال زادۂ مخدوم، مولانا احمد آموں، مولانا زین الدین، شیخ شعیب، سید شہاب الدین، عم
حالفی، حاجی رکن الدین، مولانا اوحد الدین خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، سید جلال الدین
خواہر زادہ شیخ نجیب الدین فردوسی، شیخ رستم و شیخ وجہ الدین و شیخ وحید الدین دہرسیاں
(شیخ نظام الدین اولیاؒ) مولانا حسام الدین امام ہیبت خانی وغیرہم[۱]"

تصنیفات

حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا شمار کثیر التصنیف بزرگوں میں ہے، لیکن آپ کی بہت سی تصنیفات اور رسائل امتدادِ زمانہ اور لوگوں کی غفلت سے ضائع ہو گئے اور ان میں سے بہت سی کتابوں کے نام بھی سیر و سوانح میں محفوظ نہیں رہے، جو کتابیں ملتی ہیں یا تصنیفات میں ان کے نام نظر آتے ہیں وہ یہ ہیں:۔

راحت القلوب، اَجوبہ، فوائد رکنی، ارشاد الطالبین، ارشاد السالکین، رسالہ مکیہ، معدن المعانی، لطائف المعانی، اشارات مخ المعانی، خوانِ پُر نعمت، تحفۂ غیبی، رسالہ در طلب طالباں، ملفوظات، زادِ سفر، عقائد شرفی، فوائد مریدین، بحر المعانی، صفر المظفر، کنز المعانی، گنج لا یفنیٰ، مونس المریدین، شرح آداب المریدین[۲]"

لیکن آپ کی سب سے بڑی یادگار اور آپ کے علوِ مرتبت اور مقامِ تحقیق و اجتہاد کا سب سے بڑا مظہر آپ کے "مکتوبات" ہیں، اور "مکتوبات سہ صدی" وغیرہ کے نام سے ملتے ہیں۔

---

[۱] سیرۃ الشرف ص۱۱۵ و ص۱۱۶۔

[۲] سیرۃ الشرف و نزہۃ الخواطر وغیرہ ۱۲۔

باب ششم

"مکتوبات"

مکتوبات اور اُن کا علمی و ادبی پایہ

حضرت مخدومؒ کی زندہ یادگار اور اُن کے علوم و کمالات کا آئینہ ان کے مکتوبات کا وہ نادر مجموعہ ہے، جو نہ صرف اس عصر کی تصنیفات میں، بلکہ معارف حقائق کے پورے اسلامی ذخیرہ میں خاص امتیاز رکھتا ہے۔ علم کی گہرائی، تحقیقات کی ندرت، مشکلات کی عقدہ کشائی، ذاتی تجربات، اذواقِ صحیحہ، مجتہدانہ علم و نظر، کتاب و سنّت کے صحیح و عمیق فہم، مقامِ نبوت کی حرمت و عظمت کے بیان، شریعت کی حمایت اور وجد انگیز نکات اور شرعی لطائف کے اعتبار سے (ہمارے محدود علم میں) پورے اسلامی کتب خانہ میں حضرت مخدومؒ کے مکاتیب اور مکتوبات امام ربانیؒ کی نظیر نظر نہیں آتی، ان کے مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُمتِ محمدیہ کے محققین و عارفین کے علم و فکر کی رسائی کن بلندیوں تک ہے، اور انھوں نے معرفتِ الٰہی، ایمان و یقین، مشاہدہ و ادراک، تصفیۂ قلب و تزکیۂ نفس، روح کی لطافت و ذکاوت، اخلاق کی تاریکیوں اور نفسِ انسانی کی کمزوریوں اور غلطیوں کے دریافت میں کہاں تک ترقیات و فتوحات حاصل کیں اور اُن کی ذکاوت اور قوتِ فکریہ کے طائرِ بلند پرواز نے کن کن بلند شاخوں پر اپنا نشیمن بنایا،

اور کن کن فضاؤں میں پرواز کی۔

علوم و معارف کے علاوہ یہ مکاتیب زورِ قلم، قوتِ بیان اور حسنِ انشا کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور "ادبِ عالی" میں شمار کئے جائیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں اور علم و ادب کے بارے میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف اُن شخصیتوں کو ادیب، صاحبِ اسلوب اور انشا پرداز تسلیم کیا گیا ہے اور انھیں کی تحریر اور نتائجِ فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے جنھوں نے ادب و انشا کو ایک پیشہ یا ذریعۂ اظہارِ کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں سرکار دربار سے متعلق تھے اور کوئی تحریری خدمت اُن کے سپرد تھی یا جنھوں نے انشا میں صناعی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشا پرداز صاحبِ اسلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبد الحمید الکاتب، ابو اسحٰق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابو بکر خوارزمی، ابو القاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی، زندگی اور روح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام غزالی، ابن جوزی، ابن شداد، شیخ محی الدین بن عربی، ابو حیان توحیدی، ابن قیم، ابن خلدون کہیں بڑھ کر انشا پرداز کہلانے کے مستحق ہیں، اور ان کی تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشا، خیالات و جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دلآویز نمونے ہیں، لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انھوں نے کبھی ادب و انشا کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہارِ کمال کا ذریعہ نہیں بنایا اور ان کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ ایک ہی مصنف دو کتابیں لکھتا ہے، ایک تمام تر تکلف اور تصنع سے بھری ہوئی ہوتی ہے اور دوسری سادہ اور بے تکلف، اسکے زمانہ کی سوسائٹی اور ادبی حلقے پہلی تصنیف کی داد تحسین کی صداؤں سے گونج جاتے ہیں، اور شاید وہ مصنف خود بھی اسی کتاب کو حاصلِ زندگی اور سرمایۂ ناز و افتخار سمجھتا ہے، لیکن حقیقت پسند زمانہ اور انقلابِ روزگار اپنا صحیح فیصلہ صادر کرتا ہے، پر تکلف تصنیف کتبخانوں

کی زینت ہو کر رہ جاتی ہے اور دوسری کتاب کو بقائے دوام کا خلعت عطا ہوتا ہے اور گلشن بے خزاں کی طرح سدا بہار بن جاتی ہے۔ ابن جوزی کی مایۂ ناز تصنیف جس کا انھوں نے بڑے فخر کے ساتھ "المدہش" (حیرت میں ڈال دینے والی کتاب) نام رکھا تھا پردۂ خفا میں ہے لیکن ان کی بے تکلف کتاب "صید الخاطر" جس میں انھوں نے نہایت سادہ طریقہ پر اپنی زندگی کے تجربات اور روزمرہ کے تاثرات قلمبند کئے تھے، اور جس کو وہ شاید خاطر میں بھی نہ لاتے ہوں، آج مقبول عام اور ادب کے طالب علموں کا مرکز توجہ بنی ہوئی ہے۔

ہندوستان کے فارسی ادب کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو یہاں کے ادب و انشا پر ظہوری، ابو الفضل اور نعمت خان عالی چھائے ہوئے نظر آتے ہیں، حالانکہ اگر انشا کے لئے جذبات و حقائق کے مؤثر اظہار کو معیار قرار دیا جائے تو ان کی تحریروں کا بڑا حصہ جن میں لفاظی، صنائع و بدائع اور لفظی رعایتوں کا زور ہے، اپنی قیمت کھو دیتا ہے اور بہت تھوڑا حصہ ادب و انشا کے فطری معیار پر پورا اترتا ہے۔ ان کے مقابلہ میں ایسی بہت سی تصنیفات لائق اعتنا ٹھہرتی ہیں جن کو عام طور پر مورخین ادب اور خوگر تقلید ناقدین نے ہمیشہ نظر انداز کیا۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ، شیخ احمد فاروقیؒ کے "مکتوبات" کا بڑا حصہ، عالمگیر کے "رقعات"، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی "ازالۃ الخفا" اور شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی "تحفۂ اثنا عشریہ" کے بہت سے ٹکڑے فارسی ادب و انشا کا کامیاب نمونہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زبان میں ادب کا جو دائرہ کسی پیش رو نے کھینچ دیا اسکے حدود اربعہ سے باہر نکلنے، دوسرے علوم و فنون کے ذخیرہ کو کھنگالنے اور نئے ادبی شاہکاروں کو دریافت کرنے کی درد سری عام طور پر گوارا نہیں کی گئی اور اس طرح صدیوں تک ان ادبی جواہرات پر خاک پڑی رہی۔

ادب و انشا کے سلسلہ میں عام مورخ و نقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کر دیتے ہیں کہ تحریر کی قوت، کلام کی تاثیر اور قبول عام و بقائے دوام کے لئے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، کسی حقیقت کے اظہار کے لئے اس کی بے چینی اور بے قراری ہے۔

ایسے کسی شخص کو جو اِس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کیلئے مضطرب و بیقرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوقِ سلیم بھی عطا ہو، الفاظ و اسالیبِ بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم و ادب، عقل و استدلال اور حُسنِ بیان کے ساتھ سوزِ دروں اور خونِ جگر بھی شامل ہو تو اسکی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سینکڑوں برس گذر جانے کے بعد بھی اسکی تازگی و زندگی اور اسکی تاثیر و قوتِ تسخیر قائم رہتی ہے۔

تحریر و تقریر کو بہتر و کامیاب بنانے کے لئے جتنی عناصر اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں ناقدینِ ادب نے ان سب کا تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور قابلِ فراموش عنصر یا عامل صاحبِ کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب و انشا کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اسکو دو قسموں پر تقسیم کرنا بیجا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں یا اظہارِ خیال جو اندرونی تقاضے اور داعیہ اور کسی طاقتور عقیدہ یا الیقین کے ماتحت وجود میں آئیں اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، کوئی دنیاوی منفعت یا کسی صاحبِ اقتدار یا صاحبِ ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہلِ حکومت اور اہلِ ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحبِ ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو، ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا، "پہلا ادب" "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے، اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اسکا موضوع دینی اور اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا

ہے، ہزاروں آدمیوں کے دل میں اس کے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، اسکے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد و تحسین اور عارضی سُرور و خوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا، اس کی زندگی اور عمر محدود و مختصر ہوتی ہے، پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے، دوسرے ادب میں تصنّع اور اہتمام - ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے، اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟ اس نے جواب دیا "اسلئے کہ وہ اپنے لئے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لیے۔"

ناقدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب و شاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار و معاون عنصر تسلیم کیا ہے اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے کہ لبِ جو، کنارِ دریا، گوشۂ چمن، فصلِ بہار، نسیمِ سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور ان کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے اور ان میں بہت سے لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں، اس طرح یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی کہ رُوح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہلِ دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت اور قوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت و سرمستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لئے وہ کسی خارجی مدد اور مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، اُن کی خوشی و سرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ اُن کے دل میں ہوتا ہے۔ خواجہ میر دردؔ نے جو خود صاحبِ دل اور صاحبِ درد تھے، اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جایئے کس واسطے اے دردؔ میخانے کے بیچ ؎

کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین و مشاہدہ، دعوت کے غلبہ، اہلِ عصر و اہلِ تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزلِ مقصود پر پہنچانے کے جذبہ، اخلاص و دردمندی، رُوح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اس سب کے

ذوقِ سلیم اور زبان پر قدرت نے حضرت شیخ شرف الدینؒ کو ایک بلند مقام عطا کیا ہے اور انھوں نے اپنے خیالات و جذبات کے اظہار کیلئے ایک مستقل اسلوب پیدا کر لیا ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے' ان کے مکتوبات نہ صرف فارسی ادبیات بلکہ اسلامی ادبیات میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں اور معارف و حقائق، دعوت و اصلاح کے وسیع ذخیرے میں کم چیزیں ایسی ہوں گی جو اپنی ادبیت اور قوت و تاثیر میں ان کی نظیر ہوں۔

مکتوبات کے مجموعے اور ان کے مکتوب الیہ

مکتوبات کا سب سے مشہور اور متداول مجموعہ وہ ہے جو قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ[۱] کے نام کے مکاتیب کا مجموعہ ہے۔ اس مجموعے میں ۱۰۰ مکاتیب ہیں، کہیں "مکتوبات حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہٗ" کے نام سے چھپا ہے، اور کہیں "سہ صدی مکتوبات" کے نام سے اور کہیں "مکتوبات صدی" کے نام سے۔ اس کے مرتب حضرت مخدومؒ کے معتمدِ خاص شیخ زین بدر عربی ہیں، وہ اس مجموعہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:۔

> بندۂ ضعیف زین بدر عربی کہتا ہے کہ قاضی شمس الدین حاکم قصبہ چوسہ نے جو حضرتؒ کے ایک مرید ہیں، بار بار اس مضمون کے عریضے ارسالِ خدمت کئے کہ یہ غریب موانع کی کی بنا پر حضرت مخدومؒ کی مجلس میں حاضری اور شرفِ صحبت سے (جو علوم و معارف کے حصول کا ذریعہ ہے) محروم ہے، اور حضرت مخدومؒ سے دور ایک مقام پر پڑا ہے، اس کی درخواست ہو کہ علمِ سلوک کے ہر باب میں بندہ کے فہم و استعداد کے مطابق کچھ حیزِ تحریر میں لے آیا جائے، تاکہ یہ دُور افتادہ اس سے استفادہ کر سکے۔

---

[۱] چوسہ حضرت مخدوم صاحب کے عہد میں ایک مرکزی اور معروف مقام تھا، اس زمانہ میں ضلع شاہ آباد کمشنری پٹنہ کا ایک غیر مشہور دیہات ہے ۱۲

یہ درخواست جو بڑے اخلاص و الحاح سے کی گئی تھی منظور ہوئی، اور حضرت مخدومؒ نے مراتب و مقاماتِ سالکین اور احوال و معاملاتِ مریدین کے سلسلہ میں بقدرِ ضرورت کچھ قلمبند فرمادیا، اور اس طرح توبہ و ارادت، توحید و معرفت، عشق و محبت، گردش و روش، کشش و کوشش، بندگی و عبودیت، تجرید و تفرید، سلامتی و ملامتی، پیری و مریدی کے بہت سے ضروری اور مفید مضامین و ہدایات، سلف کی حکایات اور ان کے احوال و اعمال کا بہت سا ذخیرہ تحریر میں آگیا۔ یہ خطوط ۷۴۷ھ کے مختلف مہینوں میں بہار سے قصبۂ چوسہ بھیجے جاتے رہے، خدام و حاضرینِ خانقاہ نے ان مکتوبات کی نقل رکھ لی، اور ان کو مرتب کرلیا، تاکہ اصحابِ توفیق، طالبینِ صادق اور بعد میں آنے والوں کے کام آئیں ؎

قاضی سر نشانہ شد و خود جہانیاں	سرمایہ ہا برند ہمہ زین نقود غیب
یارب ازیں نقودِ سرہ دار لقی بہ بخش	مارا کہ قلب و ناسرہ ہستیم پر زعیب

ایک دوسرا مختصر مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے علیحدہ بھی شائع ہوا ہے، اور "سہ صدی مکتوبات" (شائع کردہ کتب خانہ اسلامی پنجاب، لاہور) کے مجموعہ میں بھی شامل ہے، یہ ان مکتوبات کا باقی ماندہ حصہ ہے جو شیخ مظفر کے نام ان کے عرائض کے جواب میں لکھے گئے، اور ان میں زیادہ تر راہِ سلوک میں پیش آنے والی مشکلات کا حل اور اس راہ کی ترقیات و کیفیات کا بیان ہے اور ان سے شیخ مظفر کے علوِ استعداد اور انعاماتِ الٰہیہ کا اندازہ ہوتا ہے۔ شیخ مظفر نے وصیت کی تھی کہ یہ مکاتیب انھیں کے ساتھ دفن کردیئے جائیں، اتفاقاً کچھ مکاتیب پر بعض خدام کی نظر پڑگئی اور انھوں نے اس کی نقل لے لی۔ یہ مجموعہ "مکتوباتِ جوابی" کے نام سے موسوم ہے، اس مجموعہ میں اٹھائیس ۲۸ مکاتیب ہیں۔

مکتوبات کا ایک تیسرا مجموعہ وہ ہے جس میں ایک سو ترپن ۱۵۳ مکتوبات ہیں اور مختلف اشخاص

کے نام ہیں، یہ مکتوبات جمادی الاولیٰ ۷۶۹ھ اور رمضان المبارک ۷۶۹ھ کے درمیان لکھے گئے ہیں

خاص خاص مکتوب الیہم کے نام یہ ہیں:۔

شیخ عمر ساکن قصبہ انگی، قاضی شمس الدین، قاضی زاہد، مولانا کمال الدین سنتوسی۔ مولانا صدرالدین، مولانا ضیاءالدین، مولانا محمود سنگانی۔ شیخ محمد ظفرآبادی المعروف بدیوآ، ملک المامر املک مفرح، مولانا نظام الدین۔ دادر ملک داماد سلطان محمد۔ مولانا نصیر الدین امین خان۔ ملک خضر۔ شیخ قطب الدین۔ شیخ سلیمان۔ سلطان الشرق فیروزشاہ۔

مضامین کا ماخذ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات کے مطالعہ سے پڑھنے والے کو صاف احساس ہوتا ہے کہ یہ بلند علوم، یہ نادر نکات اور تحقیقات لکھنے والے کی صرف ذہانت، وفورِ علم اور غور و مطالعہ کا نتیجہ نہیں، بلکہ یہ اس کے ذاتی تجربات اور اس کے ذوق ویقین کا نتیجہ ہیں۔ خدا کے علوئے بارگاہ، شانِ بے نیازی، اس کی داوری و کبریائی، جلال و جمال، مومن کے خوف و رجا، عارفین و واصلین بارگاہ کے ناز و گداز، سرور و اندوہ، دریائے رحمت کی طغیانی، توبہ و انابت الی اللہ کی ضرورت پر جو کچھ لکھا گیا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ کوئی محرم راز و آشنائے حقیقت لکھ رہا ہے۔

اسی طرح مرتبۂ انسانیت کی رفعت و بلندی، قلب انسانی کی عظمت و وسعت، محبت کی قدر و قیمت انسان کی بلند پروازی، دور رسی، مشکل پسندی اور عنقا طلبی، علو ہمت اور قوت طلب کے متعلق جو طاقتور مکتوبات لکھے گئے ہیں وہ اعلیٰ ترین تحریرات میں شامل ہونے کے قابل ہیں۔

نفس کے مغالطوں، شیطان کے فریب، اخلاقِ رذیلہ اور سلوک کی گھاٹیوں کے متعلق جو کچھ ارشاد ہوا ہے، وہ سب طویل تجربے، وسیع علم اور واقفیت پر مبنی ہے۔

اہلِ طریقت کی جن غلطیوں پر متنبہ کیا گیا ہے اور شریعت کی ضرورت، تکالیف شرعیہ کے

ہمیشہ باقی رہنے، نبوت کی ولایت پر ترجیح اور مقام نبوت کی عظمت کے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے اس کی قدر و قیمت اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے اس عصر اور ماحول کا جاننا ضروری ہے جس میں یہ مکتوبات لکھے گئے ہیں۔

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت ان مکتوبات کے کچھ نمونے اور اقتباسات پیش کرینگے جو لوگ تفصیل اور استیعاب کے خواہشمند ہیں وہ اصل مکتوبات کی طرف رجوع کریں۔

* * * * *

بابِ ہفتم
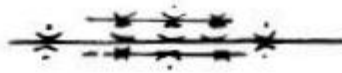
"مقامِ کبریا"

بے نیازئ سُلطانِ عالم

ایک مکتوب میں شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی کو بیان کرتے ہیں کہ کسی کو اس سے چون و چرا کی گنجائش اور یارائے سوال نہیں، لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ۔ وہ جس کو چاہے دولت ایمان اور خلعتِ قبول سے نوازے اور جس کو چاہے راندۂ درگاہ اور مطرود بارگاہ بنا دے، جس کو چاہے خاک سے افلاک پر پہنچا دے اور جس کو چاہے افلاک سے خاک پر گرا دے۔

"اگر کوئی چرا چنیں است" ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ (یہ اللہ کا فضل ہے جس کو چاہے اس سے نوازے) اگر تم کہو کہ ایسا کیوں ہے؟ تو جواب دیا جائے گا۔ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ۔

"کسے با خداوند تواند کہ گوید چرا یکے را	کس کی مجال ہے کہ خدا سے یہ کہہ سکے کہ
ایں دولت دادی و یکے را ندادی چنانکہ	کیوں فلاں کو یہ دولت دی، فلاں کو نہیں
بادشاہے را شاید یکے را منصب وزارت دہد	دی، جیسا کہ ایک بادشاہ (اعلم شہود میں)

ودیگرے را دربانی دستوربانی بخشیں اگر
دولتے در دین بکسے دہد خواہد از خراباتش
بیروں آرد و خواہد از خیابان بولاہنگا و کناسان
وترہ فروشان وظالمان وحرامخواران، گرا
زہرۂ آن کہ گوید اھولاء من اللہ
علیھم من بیننا۔ فضیل عیاض را
اگرچہ راہ زن است بیارید کہ خواندۂ
ماست، بلعم باعور را کہ چہار صد سال
بر سر سجادہ بود از درگاہ ما برانید کہ راندۂ
ماست، ما عمر را کہ بت پرستی داد دمی خواہیم
عزازیل را کہ ہفتصد ہزار سال عبادت دارد
نمی خواہیم کہ گوید چرا؟ لا یسئل عما یفعل۔

ایک کو منصب وزارت سے سرفراز کرتا ہے
دوسرے کو دربانی و کناسی پر مقرر کرتا ہے۔
اسی طرح جب وہ کسی کو دین کی دولت عطا
فرماتا ہے تو کبھی اس کو خرابات سے اٹھا لاتا ہے،
کبھی بے حیثیت لوگوں، خاکروبوں کنجڑوں،
ظالموں اور حرامخوروں کے گروہ سے نکال
لاتا ہے، کس کا جگر ہے کہ کہے :۔
اھولاء من اللہ علیھم من بیننا
(کیا اللہ کو ہمارے درمیان انھیں پر احسان
کرنا تھا) حکم ہوتا ہے کہ فضیل بن عیاض کو
اگرچہ وہ راہزن ہے لاؤ وہ ہمیں مطلوب ہے،
بلعم باعور کو جو چار سو برس تک مصلے
سے نہیں ہٹا ہماری درگاہ سے باہر لے جاؤ کہ وہ ہمارے یہاں کا نکالا
ہوا ہے، ہم عمر کو جو بت پرستی میں مشغول ہے، چاہتے ہیں، عزازیل کو جو سات ہزار
سال سے عبادت میں مشغول ہے، نہیں چاہتے ہیں، کس کی مجال ہے کہ
کہے کیوں ——— (بیت) ؎

گرگ از رمہ بُرد آنچہ مرادِ دل او بود
گو بادیہ پیمائی ہمی مردِ شبانرا

اگر نظر لطف افگند ہمہ عیب ما ہنر است
اگر مہربانی کی نظر ڈالے تو ہمارے سب عیب ہنر ہیں

وہمہ نقصان با کمال وہمہ زشتی با جمال'	ہمارے تمام نقص کمال اور ہمارے تمام بدیہی
اے برادر مشتے خاک بود در عین مذلت	حسن و جمال۔ اے برادر! ایک مٹھی بھر خاک
در راہے افتادہ و پاکوب اقدام شدہ	تھی جو ذلت و خواری کی حالت میں راستہ میں
نظر لطف در آمد و گفت :۔ اِنّی جَاعِلٌ	پڑی، اور پاؤں کے نیچے آ رہی تھی، لطف و
فی الاَرضِ خلیفۃ"[1]	نوازش کی ایک نظر پڑی اور صدا آئی:۔ اِنّی

جاعل فی الارض خلیفۃ

ایک دوسرے مکتوب میں اس شانِ بے نیازی کو دوسرے انداز میں بیان کرتے ہیں:

"چشم بکشا و حسرت آدم بیں، و فریادِ نوح	چشم عبرت کھولو، آدمؑ کی حسرت دیکھو، نوحؑ
بشنو و بے کامی خلیل بیں، و حدیثِ مصیبت	کی فریاد سنو، ابراہیم خلیل اللہ کی ناکامی اور
یعقوب شنو، چاہ زندان یوسف ماہ رو	یعقوب پیغمبر کی مصیبت کی داستان پر کان دھرو،
بیں، و آرہ بر فرق زکریا نگر، و تیغ بر گردن	کوئیں میں یوسف ماہ رو کو دیکھو، حضرت
یحییٰ بیں، جگرِ سوختہ و دلِ کباب گشتہ	زکریاؑ کے سر پر آرہ اور حضرت یحییٰؑ کی گردن
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و صحبہ	پر تلوار ملاحظہ کرو، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم و علیہم اجمعین بہ بیں و برخواں' کُلُّ	و آلہٖ وسلم کی سوزشِ جگر و بیتابی دل پر غور کرو،
شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ"[2]	اور پڑھو۔ کُلُّ شَیْئٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ۔

ایک جگہ بارگاہِ الٰہی کی بلندی کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اے برادر بحقیقت بداں کہ بایں بضاعت	میرے بھائی اچھی طرح سمجھ لو کہ ان کھوٹے سکوں

---

[1] مکتوب سی ام۔ [2] مکتوب سی و ہشتم

ناسرہ مرا وترا دریں حضرت اٰہ نیست لقمۂ	کے ساتھ ہماری تمہاری اس دربارِ عالی میں
کہ حوصلہ باز را آفریدہ اند در حوصلہ کنجشکاں	رسائی نہیں جو لقمہ باز و شاہین کے معدہ کے
کجا گنجد قبائے کہ بربالائے صاحب دولتاں	لئے پیدا کیا گیا ہو وہ کنجشک اور چھوٹی چڑیوں
دوختہ اند برقدِ بے دولتاں راست کجا آید[1]	کے معدہ میں کہاں سما سکتا ہے؟ وہ قبا

جو صاحبِ اقبال و دولت کے جسم کے اندازہ سے سی گئی ہو، ہم
بے دولتوں کے حقیر قد و قامت پر کہاں راست آسکتی ہے؟

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف الٰہی کا کوئی جھونکا چلتا ہے اور ارادہ الٰہی کا کوئی اشارہ ہوتا ہے تو خاک کو کیمیا بنتے اور مطرود و مردود کو مقبول بارگاہ ہوتے دیر نہیں لگتی، یہ بات جہاں بہت ڈرنے کی ہے، وہاں بڑی اُمید و حوصلہ کی بھی ہے فرماتے ہیں:۔

"ایں دولت بفضل است نہ باستحقاق،	یہ دولت فضلِ الٰہی پر منحصر ہے نہ کہ استحقاق پر،
باللہ العظیم اگر باستحقاق بودے نصیب	خدائے عظیم کی قسم اگر معاملہ استحقاق پر ہوتا تو
من وتو ذرہ نیامدے لکن علت از میان	میرے اور تمہارے حصہ میں ایک ذرہ بھی نہ آتا
برداشتند تا چنانکہ پاکان اُمیدوارند،	لیکن علت کو درمیان سے اٹھالیا، یہاں تک
بے باکان و ناپاکان ہزار چنداں مدارند،	کہ اب جس طرح پاک نفوس اس دولت کے امیدوار
آں سر مزبلہ کہ آشیاں سگان است روا بود	ہیں، بے باک و ناپاک ہزار چند امیدوار ہیں
کہ صدر ملوک گردد لیکن اسباب درمیان	وہ مزبلہ (گھورا) جو کتوں کی نشستگاہ
است، اگر می خواہی کہ بجائے رسی گردی لابد	ہے ہو سکتا ہے کہ بادشاہوں کی نشست

---

[1] مکتوب چہل و یکم

ازانجا کہ نہاد شوریدہ و آلودہ ٔ نست پیشتر باید شد و قدمے چند باید زد و از شریعت زاد و راحلہ واز حقیقت بدرقہ[1] ''

بن جائے لیکن حکمتِ الٰہی نے اس کے کچھ اسباب بھی مقرر کر دیئے ہیں، اگر تمھیں منظور ہے کہ کسی مقام پر پہنچو یا کوئی چیز بن جاؤ چونکہ تمہاری نہاد شوریدہ اور آلودہ ہے مردانہ وار قدم اٹھانے پڑینگے اور شریعت سے زاد و راحلہ اور حقیقت سے بدرقہ لینا پڑیگا۔

ایک دوسرے مکتوب میں اسی مضمون کو اس طرح بیان کرتے ہیں :-

''وفضل بے علت یکے را می نوازد و عدلِ بے علت دیگرے رامی گدازد، عمر رضؓ در بتخانہ مقبول و عبداللہ بن اُبی کعب در مسجد مخذول رحمت بر جانش باد کہ گفت :'

فضل بے علت ایک کو نوازتا ہے اور عدل بے علت دوسرے کو گھلاتا ہے، عمر رضؓ بتخانہ سے نکال کر مقبول بنائے جاتے ہیں، اور عبداللہ بن اُبی مسجد میں مخذول رہتاہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے (بیت) ؎

آنرا کہ ہمی سوزی می دانی ساخت

دانرا کہ ہمی سازی می دانی سوخت

اے برادر مرا و ترا کار با جبارے و قہارے افتادہ است کہ اگر ہشت بہشت را عینِ دوزخ گرداند و دوزخ را عین بہشت، واز کعبہ کلیسا بر آرد واز بتکدہ کعبہ سازد

میرے بھائی ہمیں تمھیں ایک جبار و قہار سے واسطہ ہے، اگر ہشت بہشت کو عین دوزخ قرار دیدے اور دوزخ کو عین بہشت بنادے، کعبہ سے کلیسا بر آمد کرے اور بتکدہ کو

---

[1] مکتوب پنجاہم (۵۰)

در قدرتِ او ہر دو یکے است، ہیچ زہرہ نماندہ است کہ آب نشدہ است خوف آنست کہ دمبدم و لحظہ بلحظہ می لرزی و می ترسی نباید کہ دست رد بے علت از پردۂ غیب پیدا شود و قہریست اورا بے علت و لطفے است اورا بے علت، از لطف آلودۂ طلبند تا آبِ مغفرت بشویند تا پاکی لطف از دل پیدا آید قہرش پائے طلبند تا رویش بدود ہجراں سیاہ کنند تا پاکی سلطان قہر از اسباب ظاہر گردد، گاہ از زیر دامن شقی نبی بیروں آرد و گاہ از زیر دامن نبی شقی پیدا آورد، گاہ سگے را در صف اولیاء نشاند و گاہ ولی را در طویلہ سگاں بندد و لکن چوں قبول خواہد کرد رد نکند و چوں رد خواہد کرد بہ ہیچ چیز قبول نکنند[1]۔

کعبہ بنا دے، اس کی قدرت و قوت کے سامنے سب ایک ہیں، کس کا زہرہ ہے کہ آب نہ ہوا ہو، خوف یہ ہے کہ دمبدم و لحظہ بلحظہ لرزاں و ترساں رہو، کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا دستِ قدرت بے علت پردۂ غیب سے نمودار ہو، اس کا قہر بھی بے علت ہے، اور اس کا لطف بھی بے علت ہے، اپنے لطف و مہربانی سے ایک آلودہ (معاصی) کو طلب کرتا ہے تاکہ اس کو آبِ مغفرت سے دھوئے، تاکہ لطف کی پاکی دل سے ظاہر ہو، اس کا قہر کبھی کسی پاک کو طلب کرتا ہے تاکہ ہجر کے دھوئیں سے اس کا چہرہ سیاہ کرے، تاکہ سلطانِ قہر کا اسباب سے بے نیاز ہونا ثابت ہو جائے، کبھی کسی شقی کے دامن کے نیچے سے نبی کو باہر لاتا ہے اور کبھی کسی نبی کے دامن کے نیچے سے شقی کو پیدا کرتا ہے، کسی کتے کو اولیاء کی صف میں بٹھاتا ہے، اور کبھی ولی کو کتوں کے طویلہ میں

---

[1] مکتوب پنجاہ و ہفتم (۵۷)۔

باندھ دیتا ہے لیکن جب وہ کسی کو قبول کر لیتا ہے تو اس کو رد نہیں
کرتا اور جب کسی کو رد کر دیتا ہے تو پھر کسی کے بدلہ میں قبول نہیں کرتا۔

ایک دوسرے مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

"نظر بر قدرت و فضل او باید داشت اگر
خواہد ہزار ہزار کلیسا و بتخانہ را کعبہ و بیت المقدس
گرداند و ہزار ہزار عاصی و فاسق را حبیب اللہ
و خلیل اللہ خطاب کند و علت در میان نہ
و اگر خواہد بیک لحظہ ہزار ہزار کافر را مومن
گرداند و ہزار ہزار مشرک و بت پرست را
موحد گرداند و مہلتے در میان نہ و ہزار ہزار
لعنتی را رحمتی و ہزار ہزار خراباتی را مناجاتی،
کس را زہرہ چون و چرا نہ۔"

نظر قدرت اور فضل پر رکھنی چاہئیے، اگر چاہے،
ہزار ہزار کلیسا اور بتخانہ کو کعبہ اور بیت المقدس
بنا دے اور ہزار ہزار عاصیوں اور فاسقوں کو
حبیب اللہ اور خلیل اللہ کا خطاب دے
علت درمیان میں نہیں ہے، اگر چاہے ایک
لحظہ میں ہزاروں کافروں کو مومن بنا دے، اور
ہزار ہزار مشرک اور بت پرستوں کو موحد
کر دے، اسکے لئے کسی مہلت کی ضرورت
نہیں، ہزار ہزار لعنتیوں کو رحمتی اور ہزار
ہزار خراباتیوں کو مناجاتی بنا دے، کسی کو چون و چرا کا زہرہ نہیں ہے ؎

ہست سلطانی مسلّم مر ترا
نیست کس را زہرۂ چون و چرا

بسا پیرے مناجاتی کہ از مرکب فرو ماند — بسا رندِ خراباتی کہ زین بر شیر نر بندد[1]

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

---

[1] مکتوب شصت و دوم (۶۲)

خود آں کند کہ خواستہ است نہ ہلاک کس ببیند	جو چاہتا ہے کرتا ہے، نہ کسی کی ہلاکت
ونہ نجاتِ کس، یکے در بادیہ بہ تشنگی جان می دا د	کی پرواہ ہے، نہ کسی کی نجات کی، ایک صحرا میں
و می گفت چندیں دریا ہا آب و من بہ تشنگی	پیاس سے جان دیتا ہے اور کہتا ہے کہ پانی کے
جان می دہم از غیب ندا شنید کہ ہزار ہزار صدیق	اتنے دریا بہہ رہے ہیں اور میں پیاس سے
را در بادیہ خونخوار آریم و بہ تیغ مشیت خون	جان دے رہا ہوں، غیب سے صدا آتی ہے کہ
ہمہ را ہلاک کنیم تا زاغے چند را از کلہ و دیدہ	کہ ہزاروں صدیقین کو ہم خونخوار جنگل میں لاتے
ایشاں قوت سازیم و اگر معترضے زبان	ہیں اور اپنی تیغ مشیت سے سب کو ہلاک
اعتراض بر خواست ما بگشاید ایں مہر سیاست	کر دیتے ہیں تاکہ کچھ زاغ و زغن ان کے کلہ اور
بر زبان او نہیم کہ لا یسئل عما یفعل	دیدہ سے اپنی روزی حاصل کریں، اگر
زاغ زاغ ما صدیق صدیق ما فضول	کوئی معترض زبان اعتراض کھولتا ہے تو ہم
درمیان کیست؟[1]	اس کی زبان پر یہ کہہ کر مہر لگا دیتے ہیں

کہ:۔ لا یسئل عما یفعل۔ پرندے بھی ہمارے ہیں اور صدیق

بھی ہمارے، بیچ میں سوال و اعتراض کرنے والا کون — ؟۔

ایک دوسرے مکتوب میں یہ مضمون بیان کرتے ہوئے کہ کسی کو اپنے انجام کی خبر اور یہ معلوم نہیں کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا اور یہ کہ دونوں طرح کے معاملوں کا امکان ہے اور دونوں کے بیشمار واقعات، ایسا پُر اثر مکتوب تحریر فرماتے ہیں جس کو پڑھ کر آدمی کا پتہ پانی ہو جاتا ہے:۔

"اے برادر راہ ناایمن است و منزل بس دور	میرے بھائی راستہ غیر محفوظ ہے، منزل دور

---

[1] مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶)

و محبوب و مطلوب نامتناہی و تا بے ضعیف و	محبوب و مطلوب نامتناہی، جسم ضعیف، دل
دلے بیچارہ و جانے عاشق و سرے مشتاق؟"	بیچارہ جان عاشق، سر مشتاق ــــ

بیت ــ ؎ شاعر کہتا ہے:ــــ

جز جاں و جگر نیست شکار خور تو

زانست کہ ہر سرے ندارد سر تو

"بس خرمن طاعت کہ بوقت نزع وقدمنا	کتنے خرمن طاعت ہیں جو نزع کے وقت
الیٰ ما عملوا بباد بے نیازی بر دہند	وقدمنا الیٰ ما عملوا من عمل
و بس سینۂ آباداں کہ در حالت سکرات موت	فجعلناہ ھباءً منثورا کی بے نیازی
وبدا لھم من اللہ ما لم یکونوا	کی آندھی کی نذر ہو جاتے ہیں، اور کتنے آباد
یحتسبون خراب کنند بس روئے	سینے ہیں جن کو سکرات موت میں وبدا
کہ در لحد از قبلہ بگردانند، بس آشنا را کہ	لھم من اللہ ما لم یکونوا
در شب نخستین بیگانہ خوانند یکے را گویند	یحتسبون کا فرمانِ سلطانی ویران
نم کنومۃ العروس، دیگرے را گویند	کر دیتا ہے، کتنے چہرے ہیں جن کو لحد میں
نم کنومۃ المنحوس، ردے می آید	قبلہ سے پھیر دیتے ہیں، کتنے آشنا ہیں جن کو
کہ بہ ہیچ طاعت باز نگردد"	پہلی ہی شب میں بیگانہ کہہ دیتے ہیں، کتنے

ہیں جن سے کہا جاتا ہے "نم کنومۃ العروس" اور دوسرے

سے ارشاد ہوتا ہے "نم کنومۃ المنحوس" کبھی ایسا رد کرتے

ہیں، جو کسی طاعت پر بھی واپس نہیں لیتے۔ شعر ؎

من لم یکن للوصال اھلا فکل احسانہ ذنوب

"وتبو لے می آید کہ از ہیچ معصیت نیندیشد" شعر ؎

اور کبھی ایسا قبول کرتے ہیں کہ پھر کسی معصیت کی پرواہ نہیں ہوتی۔

فی وجھہ شافع یمحوا ساءتہ

من القلوب ویأتی بالمعاذیر

"خلیل را از بتخانہ آزر بیں ویخرج
الحی من المیت می خواں و کنعان را
در سرائے نوح بنگر و یخرج المیت من الحی میداں
اثبات آدم بہ بیں کہ زیانِ زلت محو نگرد و محو ابلیس بیں
کہ اثبات طاعت سود نداشت چنانکہ
لهم البشریٰ خوانندگان راہمراہ است
لا بشریٰ یومئذ للمجرمین
راندگانِ راہ در راہ است چنانکہ
سیماھم فی وجوھھم من اثر
السجود بیان است یعرف المجرمون
بسیماھم نشان است"

خلیل اللہؑ کو بتخانہ سے نکلتا ہوا دیکھو
اور یخرج الحی من المیت پڑھو
کنعان کو نوحؑ کے گھر سے باہر آتا ہوا دیکھو
اور یخرج المیت من الحی کو یاد کرو، آدمؑ
کے نقش کو ایسا دوام بخشا کہ لغزش کا نقصان
بھی اسکو مٹا نہ سکا، ابلیس کو حرفِ
غلط کی طرح ایسا مٹایا کہ بڑی طاعتوں
کے حق نے بھی اُس کو کچھ فائدہ نہ پہنچایا،
جس طرح کسی کے لئے لھم البشریٰ
کی بشارت ہے، اسی طرح راندگانِ درگاہ
کے لئے لا بشریٰ یومئذ للمجرمین
کا اعلان بھی، جیسے کہیں سیماھم فی وجوھھم من
اثر السجود ہے، ایسے ہی یُعرف المجرمون
بسیماھم بھی۔

شاعر نے ٹھیک کہا ہے

(رباعی)

غافل منشین زخویش چوں بیخبرے — حاصل کن ازیں جہانِ فانی ہنرے

خود بنشیند غبار و شک برخیزد — کاسپ است بزیر رانت یا لاشہ خرے

تا توانی با دل شکستہ باش و خراب[1]" — جہاں تک ہو سکے دل شکستہ رکھو اور ویران

ایک دوسرے مکتوب میں یہ بتاتے ہیں کہ شہنشاہِ مطلق کے صفات و معاملاتِ جمال و جلال قہاری و غفاری دونوں اپنا اپنا عمل کرتے ہیں، اور یہ دونوں صفتیں اپنے عمل میں ایسی آزاد ہیں اور عالم میں اُن کے ایسے تصرفات ہیں کہ مومن کے لئے خوف و رجا (اُمید و بیم) کے درمیان رہنے کے سوا چارہ نہیں، ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی شان فعّالٌ لما یرید کی تشریح کرتے ہوئے اور اسکی مثالیں دیتے ہوئے اپنے اس نورِ قلم اور اس یقین و وثوق کے ساتھ جو انھیں کا حصہ ہے، لکھتے ہیں:۔

"گاہ لطفِ بے علت می گوید کہ درآئی کہ — کبھی لطفِ بے علت کہتا ہے کہ اندر آجا کہ

ایں جا اگر در قدم سگے توتیائے دیدۂ دوستاں — یہاں کتے کے پاؤں کی گرد کو کبھی دوستوں

می سازند و بہ تشریف وکلبہم باسط — کی آنکھ کا توتیا بناتے ہیں، اور وکلبہم

ذراعیہ بالوصید در کلام مجید — باسط ذراعیہ بالوصید کہہ کر

خود تا قیامت می نوازند گاہ قہرِ بے علت — قیامت تک کے لئے کتے کا مرتبہ بڑھاتے

ندا می کند الحذر الحذر اینجا معلم ملکوت — ہیں اور کبھی قہر بے علت آواز دیتا

را کہ ہفصد ہزار سال معتکفِ درگاہ بود — ہے کہ خبردار خبردار یہاں معلم الملکوت

لباس ملکی از سرش بر می کشند و داغ — کے سر سے جو سات لاکھ سال معتکف

وان علیک لعنتی بر پیشانی آدمی — درگاہ رہا ہے لباس ملکی اُتار کر دان

---

[1] مکتوب ہفتاد و ہفتم (۷۷)۔

نہند گاہ عمرے را کہ بیگانہ بود در کلیسا از
پیش بت بر می دارند و می گویند انا الملک
شئتَ ام ابیتَ وانت لی
شئتَ ام ابیتَ، گاہ بلعم بن باعور
را کہ یگانہ بود و اسم اعظم خلعت داشت
از مسجد بیروں می کنند و در طویلۂ سگاں
می بندند و می گویند فمثلہ کمثل
الکلب ان تحمل علیہ یلہث
گاہ ہزار آسیاء بلا و رِحا رُغنا بر دل و
جگر مرید می رانند و گاہ ہزار ساکنان حظائر
قدس را براستقبال می فرستند و بلطف
می خوانند، گاہ کوہے می بخشند، گاہ
کاہے نگزارند، گاہ در صدر بہشت
نشانند، گاہ بیرون کنند و بر در نگذارند
ایں جا عقل و علم نگونسار اند، ایں جا
پیر و مرید نقش بر دیوار اند، ایں جا
"فعّال لما یرید" است ایں جا
یفعل اللہ ما یشاء و یحکم
ما یرید" است"[1]

علیک لعنتی کا داغ اسکی پیشانی پر لگا
دیتے ہیں، کبھی عمر کو جو بتکدہ میں بیگانہ تھا بت کے
سامنے سے ہٹا کر اپنے پاس بلا کر کہتے ہیں
میں تمھارا ہوں چاہو یا نہ چاہو اور تم میرے ہو
چاہو یا نہ چاہو، اور کبھی بلعم بن باعور کو جو یگانہ
تھا اور اسم اعظم کے خلعت سے سرفراز تھا مسجد سے
باہر کھینچ کر کتوں کے طویلہ میں باندھ
دیتے ہیں اور کہتے ہیں فمثلہ
کمثل الکلب ان تحمل علیہ
یلہث (اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی
ہے کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تب بھی ہانپے
اور اگر اس کو اسکے حال پر چھوڑ دے تب بھی
ہانپے) کبھی ہزار بلاؤں اور تکلیفوں کی
چکیاں طالب کے دل و جگر پر چلاتے ہیں،
کبھی کبھی ہزار در ہزار ساکنین حظیرۃ القدس
کو اسکے استقبال کیلئے بھیجتے ہیں اور
بڑی مہربانی اور دلنوازی کے ساتھ اسکو
اپنے پاس بلاتے ہیں، کبھی کبھی پورا پورا پہاڑ
بخش دیتے ہیں اور کبھی ایک تنکہ بھی نہیں

[1] مکتوب ہفتاد و ہشتم (۷۸)۔

بجھوڑتے، کبھی بہشت کے صدر مقام پر بٹھاتے ہیں اور کبھی
ایسا باہر نکالتے ہیں کہ دروازہ پر بھی نہیں چھوڑتے، یہاں عقل و علم
سرنگون ہیں اور پیر و مرید نقش بر دیوار، یہاں "فعّال لما یُرید"
کا ظہور ہے، اور یفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید کی تجلّی۔

دریائے رحمت کا جوش

اللہ تعالیٰ کی شانِ بے نیازی و استغنا، اختیارِ مطلق، قدرتِ کاملہ اور جباری و قہاری کے متعلق اوپر ایسے اقتباسات گذر چکے ہیں کہ ان کو پڑھ کر انسان پر ایک لرزہ طاری ہو جاتا ہے اور کچھ عجب نہیں کہ ایک مخلص اور صاحبِ یقین کی زبان سے جس کو اللہ تعالیٰ نے تعبیر و تحریر کی پوری قوت عطا فرمائی ہے، پڑھنے والے پر مایوسی کی کیفیت طاری ہو جائے اور اس کو اپنا کہیں ٹھکانا نظر نہ آئے۔ علمائے ربّانی اور نائبین رسولِ البشیر و نذیر کا نمونہ ہوتے ہیں اور وہ بندگانِ خدا کو خدا کی رحمت سے مایوس نہیں کرتے، بلکہ ان کا حوصلہ بڑھاتے ہیں اور عمل و کوشش پر آمادہ کرتے ہیں کہ یہی انبیاء کی بعثت اور ان کے نائبین کی دعوت اور جد و جہد کا مقصود ہے۔ جلال کے ساتھ جمال، قہاری کے ساتھ غفاری کی شان بھی اسی وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور رحمتی وسعت کل شیئٍ اور قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرّحیم کی تفصیل اسی بلاغت اور خطابت کے ساتھ فرماتے ہیں۔

جس بلیغ و پُرزور قلم نے آفتابِ قہر کی تابش و سوزش اور شہنشاہِ مطلق کی بے نیازی اور بے پرواہی کو بیان کیا تھا، اب وہ اُسی زور اور بلاغت کے ساتھ دریائے رحمت کی طغیانی اور خدائے کریم ارحم الراحمین کی آمرزش و بخشش اور نکتہ نوازی کا نقشہ کھینچتا ہے، اور اس طرح دعوت میں توازن پیدا ہوتا ہے جو انبیاء کرام۔

کا ورثہ اور اُن کے نائبینِ برحق کا حصّہ ہے، فرماتے ہیں:۔

"اے برادر چوں دریائے رحمت حق موج کرامت و مغفرت زند جملہ زلات و معاصی منعدم و لاشی گردد ہمہ عیب رنگ ہنر گیرد زیراکہ زلت و معصیت لم یکن است و رحمت لم یزل است لم یکن بالم یزل کے برابر تواند شد او را با ایں خاک کار برحمت است واگر نہ ایں سیاہ گلیم وجود با ایں ذرۂ خاک ناپاک مارا کے زہرہ بودے کہ قدم بر حاشیہ بساط مالک الملک نہادے، اے بسا خراباتی دودے؟ حدیث شیطان در روئے مالیدہ و درخت روزگارش در مزبلۂ شہوات بالیدہ ناگاہ علی الفتوح رسول مقبول پدید آمدہ گفتہ الحبیب یقرئک السلام و یقول لی معک کلام"۔[1]

میرے بھائی جب اللہ تعالیٰ کے دریائے رحمت میں کرامت و مغفرت کی موج اٹھتی ہے تو تمام لغزشیں اور معاصی معدوم و فنا ہو جاتے ہیں، اور سب عیب ہنر بن جاتے ہیں اس لئے کہ زلت و معصیت حادث اور فانی ہے اور رحمتِ حق لم یزلی، حادث و فانی ابدی اور لم یزلی کا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس مشت خاک کا سارا دار و مدار رحمت ہی پر ہے، ورنہ ہمارے اس وجود کی یہ سیاہ گلیم اور ہماری اس خاک ناپاک کا کیا حوصلہ تھا کہ مالک الملک کے حاشیۂ بساط پر قدم رکھتی، کتنے اہلِ خرابات ہیں جن کے چہرے پر شیطان نے سیاہی مل دی ہے اور جن کی قسمت کا درخت خواہشات نفسانی کے مزبلہ میں اگا ہے، ناگاہ قبولیت حق کا قاصد نمودار ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ محبوبِ حقیقی تم کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔

---

[1] مکتوب پنجاہ و ششم (۵۶)

صلائے عام وہ اپنے مکتوب الیہ کا حوصلہ بڑھاتے ہیں، اور اصلاح حال، ترقی اور خدا کی رحمت کا ایسا شوق دلاتے ہیں کہ گویا مائدۂ شاہی چنا ہوا ہے اور ساری دنیا کو صلائے عام ہے اور میخانۂ رحمت جوش پر ہے، یہاں محروم رہنے کا کوئی سوال نہیں، اور یہ کہ مطلوب خود طالب کو سہارا دینے والا اور اپنی طرف کھینچنے والا ہے، ورنہ کہاں یہ ظلوم وجہول، حادث وفانی انسان، کہاں وہ ملک قدوس لیس کمثلہ شیئ۔ ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست
بر کریماں کارہا دشوار نیست

ود درِ کرم باز است و مائدہ کشیدہ	دروازۂ کرم کھلا ہوا ہے اور دسترخوان
بشتاب وخود را دریاب، اے برادر از آنجا	لگا ہوا ہے جلدی کرو اور اپنے کو پالو اے بھائی
کہ بشر است طلب او چہ تواند بود اما کرم	بشر کیا بشر کی طلب کیا، لیکن کرم بے نہایت
فیاض نہ خواجہ را می گذارد و نہ غلام را	نہ آقا کو چھوڑتا ہے نہ غلام کو، نہ غنی کو نہ فقیر کو
و نہ تونگر را و نہ درویش را، چوں آفتاب	جس طرح کہ آفتاب عب اپنے برج سے طلوع کرتا
از برج خویش طالع گردد اگر اہل عالم	ہے اگر اہلِ عالم کمرِ ہمت باندھ لیں کہ اسکے
کمر طلب درمیان بندند تا ذرہ از نور	نور کا ایک ذرہ اپنے ہاتھ میں لے لیں اس پر وہ
او بدست آرند نتوانند ولکن او خود	قادر نہیں لیکن وہ خود اپنی سخاوت و فیض عام
بحکم کرم جبلی کہ در کوشک سلطانان و	کی بنا پر جس طرح کوشک سلطانی پر اور سرائے
سرائے خواجگان بتابد در کلبۂ گدایان	امرا پر چمکتا ہے، اسی طرح فقیروں اور بے نواؤں کے
و زاویۂ اندوہ درویشان نیز بتابد	کلبۂ احزان کو بھی روشن کرتا ہے، تم
خاک و آب را بمیں این دولت رابیں کہ	خاک و آب کو مت دیکھو اس دولت و اقبال کو

یحبھم ویحبونہ ودیگر۔ اللہ	دیکھو کہ یحبھم ویحبونہ ارشاد
ولی الذین آمنوا ودیگر سقاھم	ہے، ایک جگہ فرماتا ہے اللہ ولی الذین
ربھم ملک مقرب را ایں تشریف وخلعت	آمنوا، دوسری جگہ فرماتا ہے وسقاھم
کہ ترا ہست نیست فرشتگان مقرب و	ربھم، مقرب فرشتے کو بھی یہ عزت وخلعت
معصوم ہستند وپاکان ومقدسان ومسیحان	حاصل نہیں جو تم کو حاصل ہے، ملائکہ مقرب
ورو حانیان ہستند ولیکن خود کار آب و	ہیں، معصوم ہیں، پاک ہیں، مقدس ہیں،
گل دیگر است"	بڑی تسبیح وتقدیس کرنے والے اور بڑے دھائی
....	ہیں لیکن آب و گل کا معاملہ ہی دوسرا ہے۔

کریم نکتہ نواز

رحمت کی اس وسعت اور خود رحیم کی دستگیری، چارہ سازی اور نکتہ نوازی کی بنا پر وہ بڑے سے بڑے عاصی اور آلودۂ معاصی کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ رجوع وانابت سے کام لے اور صدق دل سے توبہ کر کے اپنی قسمت اور اپنی حقیقت میں بڑی سے بڑی تبدیلی پیدا کر لے، وہ اس موقع پر گناہگاروں اور ان بے قیمت چیزوں کو یاد دلاتے ہیں جن کی دیکھتے دیکھتے قسمت بدل گئی اور وہ بے قیمت سے بیش قیمت بن گئیں۔ گناہ کتنے زیادہ ہوں خدا کی رحمت ان سے کہیں وسیع اور کہیں قوی اور غالب ہے۔ سودا کتنا ہی عیب دار و ناقص ہو جب نقاد خریدار نے خرید لیا تو پھر اس میں کیا عیب رہ جاتا ہے، اور کسی کا کیا منہ ہے کہ اس میں عیب نکالے۔ فرماتے ہیں:۔

"اے برادر ہر چند آلودہ وملوثی چنگ	اے بھائی تم کتنے ہی آلودہ وملوث ہو دامن
بتوبہ زن و اُمیدوار باش کہ از سحرۂ	توبہ تھام لو اور اُمیدوار رحمت بنے رہو
فرعون آلودہ ترنۂ، واز سگ اصحاب	کہ تم نہ ساحران فرعون سے آلودہ تر ہو اور
کہف ملوث ترنۂ واز سنگ طور سینا	نہ اصحاب کہف کے کتے سے زیادہ گندے

جماد ترنہ، وانہ چوب حنّانہ بے قیمت ترنہ	نہ طور سینا کے پتھر سے زیادہ جماد، اور
غلام را اگرچہ از حبش آرند چہ زیاں آرد	نہ ستونِ حنّانہ[1] سے بڑھکر بے قیمت، غلام
چوں خواجہ اش کافور نام ہند چوں	کو اگر حبش سے پکڑ کر لاتے ہیں تو کیا عیب
ملائکہ گفتند کہ یارا بفساد ایشاں طاقت	کی بات ہے جبکہ اس کا آقا اس کو کافور
نیست ندا آمد آرے اگر بر درِ شما فرستم	لقب دیتا ہے، جب ملائکہ نے عرض کیا کہ
رد کنید و اگر بر دستِ شما بفروشم مخرید	ہم کو اس مشتِ خاک کے فساد کی طاقت نہیں
می ترسید کہ معصیت ایشان از رحمت ما	آواز آئی کہ اگر ہم اس کو تمہارے دروازے
زیادت آید؟ یا می ترسید کہ آلودگیِ ایشاں	بھیجیں رد کر دینا، اگر تمہارے ہاتھ
بر کمال قدوسی مالوثی آرد؟ ایں مشتے	بیچیں تو مت خریدنا، تم ڈرتے ہو کہ ان
خاکپا نند کہ در حضرت ما مقبول آنند	انسانوں کی معصیت ہماری رحمت سے
چوں قبول ما آمد معصیت و لوث ایشاں	زیادہ ہو گئی؟ یا اس سے ڈرتے ہو کہ ان کی
را چہ زیاں کند۔	آلودگی ہمارے کمالِ قدوسیت پر داغ ڈال

دے گی، یہ مشتِ خاک ہیں جو ہماری بارگاہ میں مقبول ہیں —
اور ہمیں قبول ہیں، انکی معصیت و آلودگی سے کیا نقصان؟

شاعر نے خوب کہا ہے —— ؎

سراسر ما ہمہ علیم بدبدی و خریدی تو ۔۔۔ نہ ہے کالائے پر عیب و نہ ہے لطفِ خریداری[2]

---

[1] "ستونِ حنّانہ" مسجد نبوی کا وہ چوبیں ستون تھا جس کے سہارے کھڑے ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ جب منبرِ نبوی بن گیا، اور آپ نے اس پر ایستادہ ہو کر خطبہ دینا شروع فرمایا تو درد فراق سے لکڑی کے اس ستون کی چرچراہٹ کی آواز سنی گئی۔ ۱۲ [2] مکتوب دوم (۲)

توبہ کی تاثیر

توبہ سے انسان کی حالت میں جو تغیر اور اس کو جو ترقی اور کمال حاصل ہوتا ہے توبہ کی کیفیت اور اس کی شرائط بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"توبہ این بود و مرید بحقیقت این جا تائب
گردد، و این را گردش خوانند یعنی از حال
پلیدی و آلودگی بحال پاکی، بگشت کلیسا
بود مسجد گشت، بتخانہ بود صومعہ گشت، دیو
بود آدمی گشت، خاک بود زر گشت،
شبِ تار بود روزِ روشن گشت آں گاہ
بر دل مرید آفتاب ایماں طالع شود
و اسلام جمال خود بدو نماید و بر سر
کوئے معرفت راہ یابد"[1]

توبہ اس طرح ہوتی ہے اور مرید اس موقع
پر تائب ہوتا ہے اس کو گردش کہتے ہیں،
یعنی پلیدی اور آلودگی کی حالت سے پاکی
کی حالت میں وہ تبدیل ہو گیا، کلیسا تھا مسجد
ہو گیا، بتخانہ تھا عبادت گاہ بن گیا، سرکش
تھا انسان بن گیا، مٹی تھا سونا بن گیا،
اندھیری رات تھی روزِ روشن ہو گیا، اس
وقت مومن کے دل پر ایمان کا آفتاب طلوع
کرتا ہے اور اسلام اپنا جمال دکھاتا ہے،
اور کوئے معرفت کی وہ راہ پاتا ہے۔

---

[1] مکتوب بست و نہم (۲۹)

باب ہشتم

مرتبۂ انسانیت

ایک انقلاب انگیز دعوت

کتاب کے مؤثر ترین حصّوں میں سے ایک حصّہ وہ ہے جو انسان کے مقام اور مرتبۂ قلبِ انسانی کی وسعت و رفعت، انسان کی صلاحیتوں اس کی ترقی کے امکانات، اور محبت کی قدر و قیمت کے متعلق لکھا گیا ہے۔

اِس موضوع پر نظم میں حکیم سنائیؒ، خواجہ فریدالدین عطارؒ اور مولانا رومؒ نے بہت کچھ فرمایا ہے، لیکن نثر میں حضرت مخدوم الملک بہاریؒ کے مکتوبات سے زیادہ طاقتور، بلیغ اور مؤثر تحریر نظر سے نہیں گزری۔ ان کو پڑھکر انسان کے دل میں اعتماد و حوصلہ، جرات و ہمت، اُمید و رجا، ترقی و پرواز اور ان انتہائی کمالات تک پہنچنے کی اُمنگ پیدا ہوتی ہے جو انسان کے لئے مقدر ہیں اور اُس یاس و نااُمیدی کم حوصلگی و بے اعتمادی، افسردگی و شرمندگی کا ازالہ ہوتا ہے جو "خودشکنی" "خودانکاری" کے بعض کوتاہ اندیش مبلّغوں نے پیدا کردی تھی اور جس کے نتیجے میں انسانیت ننگ و عار اور ایک ناقابلِ اصلاح فطری عیب اور ناقابلِ تلافی تقصیر بن گئی تھی، اور در و دیوار سے یہ صدا آنے لگی تھی ع

وجودک ذنب لایقاس بہ ذنب[1]

---

[1] اے انسان تیرا وجود ہی ایک ایسا گناہ ہے جس کے برابر کوئی گناہ نہیں۔

اور یہ سمجھا جانے لگا تھا کہ انسان کی ترقیات میں خود انسانیت سب سے بڑھ کر سدِّ راہ اور ایک سنگِ گراں ہے جس کو راستہ سے ہٹانا انسان کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے، انسان اپنے کو "مسجودِ ملائکہ" سمجھنے کے بجائے فرشتوں پر رشک کرنے لگا تھا، اور اس ناسوتی فطرت اور خصائص انسانیت سے منحرف اور باغی ہو کر اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کرنے اور فرشتوں کی تقلید کرنے کا خواہشمند نظر آتا تھا۔

اس فضا میں حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے ایک نامانوس آواز بلند کی اور اس جوش اور بلاغت کے ساتھ انسانیت کی بلندی اور انسان کی رفعت و محبوبیت اور اس کے خلیفۃ اللہ ہونے کا اعلان کیا اور اس مضمون کو اپنے مکتوبات میں اتنی بار دہرایا اور مختلف اسالیب اور طریقوں سے اُس کو بیان کیا کہ اگر اس کو یکجا جمع کر دیا جائے تو اس موضوع پر ایک ایسا ادبی ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے جس کو پڑھ کر انسان کا دل حوصلوں اور امنگوں سے معمور ہو جاتا ہے اور انسان کے قلبِ افسردہ اور تنِ مردہ میں زندگی کی روح دوڑ جاتی ہے اور اسکو اپنی انسانیت پر ناز ہونے لگتا ہے۔

خالق کی نظرِ خاص

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ موجودات و مصنوعات تو بہت تھے اور ایک سے ایک بڑھ چڑھ کر، لیکن محبوبیت و خلافت کی خلعتِ فاخرہ ضعیف البنیان انسان ہی کے جسم پر راست آنے والی تھی، وہ بیشک ملائکہ کی طرح معصوم نہیں، اس سے گناہوں کا صدور مستبعد نہیں لیکن خالق کی نظرِ عنایت سب کی تلافی کے لئے کافی ہے اور یہ وہ پاسنگ ہے کہ ترازو کے جس پلڑے پر رکھ دیا جائے وہ پلڑا جھک جائے گا۔ فرماتے ہیں :۔

"موجودات بسیار بودند و مصنوعات بیشمار لیکن با ہیچ موجودے ایں کار نبود	موجودات بہت اور مصنوعات بیشمار تھے، لیکن کسی ہستی کے ساتھ وہ معاملہ نہیں تھا

کہ آب و گل چوں رب العزت خواست کہ نقطۂ	جو اس مٹی پانی کے مجموعہ کے ساتھ تھا،
خاکی را لباس وجود پوشاند و بر سریر خلافت	جب رب العزت کو منظور ہوا کہ اس خاکی پتلے
بنشاند ملائکۂ ملکوت گفتند" اتجعل	کو وجود کا لباس پہنائے اور خلافت کے تخت پر
فیھا من یفسد فیھا" لطف قدیم	بٹھائے۔ ملائکہ ملکوت نے عرض کیا کہ:۔" آپ
جواب داد "لیس فی الحب مشورۃ" عشق و	زمین میں ایک ایسی ہستی کو خلیفہ بنا کر بھیجنا
تدبیر بہم جمع نشوند تسبیح و تہلیل شما را چہ	چاہتے ہیں جو اس میں فساد برپا کریگی" لطف
خطر اگر قبول ما نبود ایشاں را از گناہ	قدیم نے جواب دیا" محبت میں مشورہ نہیں ہوتا
چہ ضرر، چوں ساقی لطف ما قدح عفو در دست	اور عشق و تدبیر جمع نہیں ہوتے"۔ تمہاری
ایشاں نہد" فاولٰئک یبدل اللہ	تسبیح و تہلیل کی کیا قیمت ہے، اگر ہمیں قبول نہ
سیّاٰتھم حسنات"، بلے شما راست	ہو اور ان کو گناہوں سے کیا نقصان اگر ہمارے
روید و ایشاں ہر گونہ روند لیکن چوں ما ایشاں	لطف و عنایت کا ساقی عفو و معافی کا پیمانہ ان کے
را خواستیم بساطِ رحمت گستردیم اگر بر جبیں	ہاتھ پر رکھدے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کی
خطے از معصیت پدید آید محبت ما آں را	برائیوں کو بھلائیوں میں تبدیل کر دے گا،
بلطف بردارد شما آں می بینید کہ سر و کار	ہاں تم ہمیشہ سیدھے راستے میں چلنے والے ہو اور
ایشاں با ماست در معاملت آں نمی بینید	وہ ہر طرف چلیں گے، لیکن جب ہم نے ان کو
کہ سر و کار ما با ایشان است در محبت	چاہا تو رحمت کا فرش ان کے لئے بچھایا، اگر ان
چنانکہ قائلے گفتہ است۔ شعر ؎	کی پیشانی پر گناہ کوئی لکیر ڈال دے گا ہماری
واذا الحبیب اتی بذنب واحد	مہربانی اس کو مٹا دے گی۔ تم یہ تو دیکھتے ہو
جاءت محاسنہ بالف شفیع[1]	کہ معاملات میں ہم ان کے مطلوب ہیں اور

[1] مکتوب سی و ہشتم ۔ ۱۲

یہ نہیں دیکھتے کہ محبت میں وہ ہمارے مطلوب ہیں۔ کسی
شاعر نے خوب کہا ہے ؎

کہ محبوب سے ایک گناہ سرزد ہوتا ہے تو اس کے محاسن ہزار
سفارشی لاکر کھڑا کر دیتے ہیں

امانت محبت | ایک دوسری جگہ انسان کی محبوبیت اور اختصاص کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مخلوقات دیگر را با محبت کار نبود کہ
ہمت بلند نداشتند آں کار ملائکہ کہ
راست بینی از آں است کہ با ایشاں
حدیث محبت نرفتہ است و ایں زیر و زبرے
کہ در راہ آدمیاں می بینی از آن است
کہ با ایشاں حدیث محبت رفت کہ
"یحبھم و یحبونہ" پس ہر کرا
شمۂ محبت بمشام او رسیدہ است گو
دل از سلامت بردارد و خود را وداع
کند کہ "المحبۃ لا تبقی ولا تذر"

بیت ؎

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنہ بسلامت و بساماں بودم

دوسری مخلوقات کو محبت سے کوئی سروکار نہ تھا
کہ وہ ہمت بلند نہیں رکھتی تھیں، ملائکہ کے
کام میں جو تم کو یکسانی اور یک رنگی نظر آتی ہے
وہ اس وجہ سے ہے کہ وہ حدیث محبت کے
مخاطب نہیں، اور یہ جو آدمیوں کے راستے
میں نشیب و فراز آتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ
ان کے ساتھ محبت کا معاملہ ہے، پس جس کے
مشام جاں تک محبت کی خوشبو پہنچی اس کو
چاہیئے کہ سلامتی کو سلام کرے اور خود کو
وداع کہ محبت کسی چیز کی روادار نہیں

شاعر نے کہا ہے ؎

عشق تو مرا چنیں خراباتی کرد
ورنہ بسلامت و بساماں بودم

چوں نوبت در دولت آدم درآمد خروشے	جب آدم کی قسمت و اقبال کا ستارہ بلند
وجوشے در مملکت افتاد گفتند چہ افتاد	ہوا تو کائنات میں ایک تلاطم برپا ہوا کہنے
کہ چندیں ہزار سال تسبیح و تہلیل ما را باد	والوں نے کہا کہ اتنے ہزار سال کی ہماری تسبیح
بر دادند و آدم خاکی را بر کشیدند برما گزیدند	و تہلیل کو نظر انداز کر دیا اور خاک کے پتلے
ندا شنیدند کہ شما بصورت خاک منگرید بداں	آدم کو سرفراز کیا گیا اور ہم پر ترجیح دی
ودیعت پاک نگرید کہ یحبھم و یحبونہ	گئی۔ آواز آئی کہ: ۔تم اس خاکی صورت
آتش محبت در دلہا را ایشاں زدہ است۔"[1]	کو مت دیکھو، اس پاک جوہر کو دیکھو جو اُن کے

اندر ودیعت ہے۔" یحبھم و یحبونہ ۔ محبت کی آگ

ان کے دلوں میں لگائی گئی ہے۔

ایک دوسرے مکتوب میں اِس خصوصیت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ۔

"خدائے عز و جل راہژدہ ہزار عالم است	اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے لیکن
ایں جملہ ازیں حدیث فارغ اندو حظے	یہ سب مخلوقات حدیثِ سوز و محبت سے
و نصیبے ندارند الا آدمی کہ ایں کرامت	بے تعلق ہیں اور ان کو اس کا کوئی حصہ نہیں ملا،
ہیچ نوع از انواع موجودات دیگر	یہ دولت تو آدمی ہی کے حصہ میں آئی ...
راندادند ازیں جاست کہ گفت	موجودات کی دوسری اقسام میں سے کسی قسم کو بھی
آنکہ گفت ۔"	یہ شرف عطا نہ ہوا، اسی لئے کسی کہنے والے
بیت ؎	نے کہا ہے ؎
پنا ہے بلندی و پستی توئی	پنا ہے بلندی و پستی توئی
ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی[2]	ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)   [2] مکتوب پنجاہ و نہم (۵۹)

حاصلِ وجود ایک دوسرے مکتوب میں آب و گل کی اس قسمت و عزت کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ انسان حاصلِ وجود اور اس پورے نظامِ خلق و تکوین کا مقصود ہے اور اس کو محبوبیت و اختصاص حاصل ہے۔ فرماتے ہیں :۔

"اے برادر دولت آب و خاک نہ اندک است	میرے بھائی مٹی پانی کا اقبال کچھ کم نہیں
و کار آدمؑ و آدمیاں نہ مختصر، عرش و کرسی و	اور آدمؑ اور آدمیوں کا مرتبہ معمولی نہیں،
لوح و قلم و آسمان و زمین ہمہ بہ طفیل	عرش و کرسی لوح و قلم آسمان و زمین سب
او ست، استاد ابو علی رحمۃ اللہ علیہ گفت	انسان ہی کے طفیل میں ہیں۔ استاد ابو علی
اگر آدم را خلیفہ گفت و خلیل را "اتخذ	دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے
اللہ ابراھیم خلیلا" گفت و	آدمؑ کو اپنا خلیفہ کہا، حضرت ابراہیمؑ کو
موسیٰ را واصطنعتک لنفسی"	خلیل اللہ کا لقب دیا، واتخذ اللہ
گفت و ما را یحبھم و یحبونہ گفت،	ابراھیم خلیلا اور حضرت موسیٰؑ
گفتہ اند اگر ایں حدیث را با دلہا	کیلئے ارشاد ہوا کہ میں نے تم کو اپنے لئے منتخب کیا،
مناسبت نبودے دل خود دل نبودے	اور مومنین کے متعلق ارشاد ہے :۔
و اگر خورشید محبت بر جانہائے آدم و	"یحبھم و یحبونہ" لوگوں نے کہا ہے
آدمیان نتافتے کار آدم چوں موجودات	کہ اگر اس حدیثِ محبت کو دلوں سے مناسبت نہ
دیگر بودے"	ہوتی تو دل دل کہلانے کا مستحق نہ ہوتا اور

اگر آفتابِ محبت آدمؑ و اولادِ آدم کے جان و دل پر ضیا پاشی نہ کرتا تو آدمؑ کا معاملہ بھی دوسری موجودات ہی کی طرح ہوتا۔

---

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)

بارِ امانت

انسان کی بلندی اور اس کی خصوصیت اس بارِ امانت کا نتیجہ ہے جس کے قبول کرنے سے آسمان و زمین اور پہاڑوں نے دست بستہ معافی مانگی اور اس ظلوم و جہول انسان نے اسکو اپنے ناتواں کاندھوں پر اٹھا لیا، اس کی بے مائگی اور بے نوائی کام آئی، خاک کے ذرہ نے سوچا کہ اگر اس بارِ عظیم کے حقوق کی ادائگی میں کوتاہی ہوئی تو اس کے پاس کیا ہے جو لے لیا جائے گا، اور خاک کے نیچے کون سا مرتبہ ہے جس پر اُتار دیا جائیگا۔ وہ اپنی بلند ہمتی اور خود شناسی سے اب بھی "ھل من مزید" کا نعرہ لگا رہا ہے۔ ایک مکتوب میں جو ادب، زورِ بیان اور تاثیر کے اعلیٰ نمونوں میں سے ہے فرماتے ہیں :۔

"آب و خاک را کارے بلند ست و
ہمتے بس بزرگ، ہرچند فقر و فاقہ و گدائی
و بینوائی اصل اوست، چو آفتابِ امانت
در آسمان عرض نیافت ملائکہ ملکوت کہ
ہفصد ہزار سال در ریاض تقدیس و تسبیح
چریدہ بودند نعرۂ نحن نسبح بحمدک
زدہ مسکین وار رخت بینوائی بربستند
و بعجز خود معترف گشتند" فابین
ان یحملنہا" و ہمچنیں آسمان گفت
مرا صفت رفعت است و زمین گفت
مرا خلعت بسط است و کوہ گفت
مرا صفت ثبات است و معدن جواہر
گفت نشاید کہ در ما آفتے

آب و خاک کا مرتبہ بلند ہے اور ہمت
بڑی، ہر چند فقر و فاقہ گدائی و بینوائی
اس کے خمیر میں داخل ہے لیکن جب
آفتابِ امانت آسمان وجود میں درخشاں
ہوا ملائکہ ملکوت نے جو سات لاکھ سال
سے تقدیس و تسبیح کے چمنستان سے اپنی
غذا حاصل کر رہے تھے، عاجزانہ اپنی
بے بسی کا اظہار اور اپنے عجز کا اعتراف
کیا۔ " فابین ان یحملنہا"
اور اس بارِ گراں کے اٹھانے سے معذوری
ظاہر کی۔ آسمان نے کہا کہ میری صفت
رفعت ہے، زمین نے کہا کہ میرا خلعت
فرشِ خاکی ہے، پہاڑ نے کہا میرا منصب

راہ یابد، آں ذرۂ خاک بیباک دست
نیاز از آستین فقر و فاقہ بیروں آورد و آں
بارِ امانت بجان گرفت و از دو عالم
بذرۂ نیندیشید گفت مرا چیست کہ از
من بستانند چیزے را کہ خوار کنند
در خاک مالند خاک را در چہ مالند؟ مرد آں
پیش آمد بارے کہ اہل ہفت آسمان
و زمین نکشیدند بر خود نہادہ و نعرۂ
"ھل من مزید" زد[1]

پہرہ داری اور ایک پاؤں پر کھڑا رہنا
ہے، جواہرات نے عرض کیا کہ کہیں
ہمارے شیشہ میں بال نہ آجائے اس
خاکِ بیباک کے ذرہ نے فقر و فاقہ کی
آستین سے دستِ نیاز نکالا اور
اس بارِ امانت کو سینہ سے لگا لیا اور
دو عالم میں سے کسی چیز کا غم نہ کیا،
اس نے کہا میرے پاس کیا ہے جس کو
چھین لیں گے، جب کسی چیز کو ذلیل
کرنا چاہتے ہیں مٹی میں ملا دیتے ہیں، مٹی کو کس میں
ملائیں گے۔ مردانہ وار بڑھا اور اس بوجھ کو جس کو سات
آسمان و زمین نہ سہار سکے ہنسی خوشی اٹھا لیا اور
"ھل من مزید" کا نعرہ لگایا۔

ذرۂ خاک کا اقبال

ایک دوسری جگہ اسی آب و گل کی قسمت و قیمت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: ۔شہباز محبت کو سینۂ آدمؑ کے سوا کوئی آشیانہ نہ ملا، آسمان کی بلندی اور عرش و کرسی کی وسعت سے گذرتا ہوا اس نے دلِ عاشق کو اپنا نشیمن بنایا، اسی بلاغت طراز قلم سے تحریر فرماتے ہیں:۔

"آب و خاک را اندک مشمر ہر چہ — آب و خاک کو کم نہ سمجھو، جو کچھ کمالات ہیں

---

[1] مکتوب چہل و نہم (۴۹)

دارد آب و خاک دارد، ہر چہ آمدہ است
باآب و خاک آمدہ است و دیگر ہمہ نقش
بردیوار اند، آوردہ اند کہ چوں شہباز
محبت از آشیانۂ عزت بپرید بعرش رسید
عظمت دید در گذشت بہ کرسی رسید
وسعت دید در گذشت بآسمان رسید
رفعت دید در گذشت بہ خاک رسید
محنت دید فرود آمد"

آب و خاک ہی کے اندر ہیں، اور جو کچھ
اس دنیا میں آتا ہے آب و خاک ہی کے
ساتھ آیا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ نظر
آتا ہے نقش بدیوار سے زیادہ نہیں
کہنے والوں نے کہا ہے کہ شہباز محبت
نے آشیانہ عزت سے پرواز کی، عرش
کے پاس سے گزرا، عظمت دیکھی
گذر گیا، کرسی پر پہنچا وسعت
دیکھی گزر گیا، آسمان پر پہنچا رفعت دیکھی آگے بڑھ گیا
خاک پر پہنچا، محنت دیکھی اُتر آیا۔

اس مضمون کو کسی شاعر عارف نے انسان کا ترجمان بن کر یوں ادا کیا ہے۔

ارض و سما کہاں تری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ تو اس میں سما سکے

ایک دوسری جگہ انسان کا مرتبہ بیان کرتے ہوئے اور اسکے حال پر اس کے پیدا کرنے والے کی نظرِ عنایت اور نگاہِ محبت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اے برادر او را بایں آب و خاک
سرہا و کرمہا است، و در خبر است
کہ چوں عزرائیل آہنگ جان یکے
ازیں امت کند از حضرت عزت

اے بھائی خالق کا اس آب و خاک کے
ساتھ خاص معاملہ اور خاص عنایات
ہیں، ایک روایت میں آیا ہے کہ
جب ملک الموت اس امت میں

بدو خطاب رسد کہ سلام وتحیت ما
اول بدو رسان پس دست بجان او برد
در کلام مجید خواندہ کہ فردا حق تعالےٰ
بے واسطہ بر مومناں سلام گوید کہ "سلام
قولاً من رب رحیم" لا الٰہ
الا اللہ، کلام او ازلی، سلام او ازلی
اگر ارادت قدیم او را باین مشتے خاکیان
کرم نبودے در ازل بہ ایشاں سلام
نہ کردے عزیزے بدایں اشارت
کردہ است — رباعی ؎

آں را کہ ز محبوب سلامے باشد
وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر
قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

سے کسی کی روح قبض کرتا ہے تو
رب العزت کی طرف سے ان کو خطاب ہوتا ہے،
کہ پہلے میرا سلام پہنچانا پھر روح قبض
کرنا تم نے قرآن مجید میں پڑھا ہوگا کہ
قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بے واسطہ
مومنوں کو سلام کہے گا، فرمایا ہے:-
(سلام قولاً من رب رحیم)
جس طرح لا الٰہ الا اللہ، اس کا کلام
ازلی ہے، اس کا سلام بھی ازلی ہے، اگر
اس مشت خاک کے ساتھ یہ قدیم نظرِ عنایت
نہ ہوتی تو ازل میں اس کو سلام بھی نہ
کیا جاتا۔ ایک شاعر نے اس مضمون کو
بیان کیا ہے ؎

آنرا کہ ز محبوب سلامے باشد — وز حضرت او بدو پیامے باشد
در حلقۂ بندگانش خورشید منیر — قصہ چہ کنم کم از غلامے باشد

. . . .

سرّ الٰہی کا حامل

ایک دوسرے مکتوب میں انسان کی اشرفیت، اسکے منصبِ خلافت اور علوِ ہمت کا راز یہ بیان کرتے ہیں کہ وہ سرّ الٰہی کا حامل اور نفخت من روحی کے شرف سے مشرف ہے، رسالت صحفِ آسمانی اور دولتِ دیدار اس کی خصوصیات ہیں۔ فرماتے ہیں:-

لہ مکتوب پنجاہ ویکم (۵۱)

" حق تعالیٰ از میان ہژدہ ہزار عالم گروہے
نیافرید از آدمی بزرگ ہمت واین از انست
کہ ہیچ گروہے را نگفت ونفخت فیہ
من روحی مگر آدمیان را؟ ودر ہیچ
گروہے پیغامبران وکتابہا نفرستاد مگر
درگروہِ آدمیان، ودر ہیچ گروہ سلام
نکرد مگر بر آدمیاں، وہیچ کس را دولت
دیدار خود نداد مگر آدمیاں را، وآدمیاں بودند
کہ از قوت محبت خویش وبزرگی ہمت
خویش طاقت فراق نداشتند، بدنیا از
دل ایشاں حجاب برداشت وبعقبیٰ از
چشم ایشان حجاب برداشت تا در دنیا
جز ویرا نخواستند ودر عقبیٰ بجز وے
ننگریستند واین تختہ در مکتب ما زاغ
البصر وما طغیٰ آموختند عزیزے
گفتہ است۔ ے

مثنوی

الا اے مرغ حکمت دان زمانے
چو خواہی یافت بر زین آشیانے

حق تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم میں سے کوئی
گروہ انسان کے گروہ سے زیادہ عالی ہمت
نہیں پیدا کیا اور انسانوں کے سوا کسی گروہ
کے متعلق یہ ارشاد نہیں ہوا کہ " نفخت
فیہ من روحی " اور کسی گروہ میں
پیغمبروں کو مبعوث نہیں فرمایا، اور نہ
آسمانی کتابیں نازل کیں اور نہ کسی گروہ کو
سلام کہلایا، نہ کسی گروہ کو اپنے دیدار کی نعمت
عطا فرمائی، وہ آدمی ہی تھے جو اپنی محبت کی
قوت اور اپنی ہمت کی بلندی کی وجہ سے
طاقتِ فراق نہیں رکھتے تھے، دنیا میں
ان کے دل سے حجاب اٹھا لیا اور عقبیٰ میں
اُن کی آنکھوں سے پردہ اٹھایا، اسی کا نتیجہ ہے
کہ دنیا میں وہ اسکے سوا کسی کے طالب نہیں
اور عقبیٰ میں اسکے جمالِ جہاں آرا کے سوا
ان آنکھوں نے کچھ نہ دیکھا اور یہ سبق انھوں
نے مکتب ما زاغ البصر وما طغیٰ
میں پڑھا تھا۔ کسی شاعر عارف نے
خوب کہا ہے۔ ے

الا اے مرغ حکمت واں زمانے
بہ پروازِ معانی باز کن پر
چو خواہی یافت بہ زیں آشیانے
سرائے ہفت در را باز کن در
بہ پروازِ معانی باز کن پر
چوں تو برسدۂ حضرت نشینی
سرائے ہفت در را باز کن در
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی[1]
چوں تو برسدۂ حضرت نشینی
تو باشی جملہ و خود را نہ بینی

مسجود و محسود ایک دوسری جگہ انسان کا وہ مرتبہ بیان کرتے ہوئے جس کی وجہ سے وہ مسجودِ ملائک اور محسودِ خلائق بن گیا۔ تحریر فرماتے ہیں :۔

"اے برادر آں کہ ترا مسجودِ ملک کردہ است محسودِ فلک گردانیدہ است آں کارے عظیم است ہر آئینہ در وجود خاکی نکتہ معنی منور و مقدس است کہ اسرار ملکی و اوہام بشری از دریافت آں معنی عاجز و قاصر اند چوں شعاعِ ایں معنی طلوع نماید ملک حیران شود و فلک سرگرداں بود و او را تواضع و ایں تخاشع از لوازمات بود و دارد و اجبات باشد۔ خواجہ عطار رحمۃ اللہ علیہ اشارت کردہ است۔

"بھائی، جس چیز نے تم کو فرشتوں کا مسجود اور افلاک کا محسود بنا دیا ہے وہ بہت بڑی چیز ہے، انسان اپنے وجود خاکی میں کیسا ہی نکتہ ہو معنوی اعتبار سے ایسا منور و مقدس ہے کہ ملکوتی راز اور بشری اوہام اس کی حقیقت دریافت کرنے سے عاجز و قاصر ہیں جب اس معنی کی شعاع جلوہ فگن ہوتی ہے ملائک حیران اور آسمان سرگرداں ہوتا ہے، وہ تواضع سے سر بگریبان اور یہ ہیبت سے

---

[1] مکتوب پنجاہ و سوم (۵۳)۔

رباعی	لرزہ براندام۔ خواجہ فریدالدین عطارؒ نے
؎	اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ؎
فرشتہ گر بہ بیند جوہرِ تو	فرشتہ گر بہ بیند جوہرِ تو
وگر رہ سجدہ آرد بر درِ تو	وگرہ سجدہ آرد بر درِ تو
نہ مسجودِ ملائک جوہرِ تست؟	نہ مسجودِ ملائک جوہرِ تست
نہ تاجے از خلافت بر سرِ تست؟	نہ تاجے از خلافت بر سرِ تست
خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن	خلیفہ زادۂ گلخن رہا کن
بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن	بہ گلشن شو گدا طبعے رہا کن
بمصر اندر برائے تست شاہی	بمصر اندر برائے تست شاہی
تو چوں یوسف چرا در قعرِ چاہی[1]	تو چوں یوسف چرا در قعرِ چاہی

دل آگاہ لیکن انسان اور نوع انسانی کی شرفیت اور خصوصیت اس مضغۂ گوشت کی وجہ سے ہے جس کو دل کہتے ہیں اور دل کی قدر و قیمت اور زندگی و قوت اس جوہر کی وجہ سے ہے جس کو محبت کہتے ہیں۔ دل کے متعلق فرماتے ہیں:—

عرش بیافرید بمقربان داد بہشت بیافرید	عرش پیدا کیا مقربین کے سپرد کیا بہشت
بہ رضواں داد و دوزخ بیافرید بہ مالک داد	پیدا کی رضوان کو اس کا پاسبان بنایا اور دوزخ
چوں دل مومن را بیافرید گفت القلب	پیدا کی، مالک کو اس کا دربان بنایا، لیکن
بین اصبعین[2]	جب مومن کا دل پیدا کیا فرمایا، دل رحمٰن

کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔

---

[1] مکتوب پنجاہ و ہشتم (۵۸) [2] مکتوب چہل و سوم (۴۳)

ایک دوسرے مکتوب میں دل کی وسعت و قوت کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ہیچ چیز عزیز تر از دل بودے دُرِ معرفتِ
خویش آنجا نہادے این است معنی آنکہ
گفت لا یسعنی سمائی و لا ارضی
ولکن یسعنی قلب عبدی
المومن آسمانِ معرفت ما را نشایست
و زمین در خور نیامد دل بندہ مومن بود
کہ بار رخت ما کشید آرے رستم را ہم رخش
رستم کشید و آفتاب سلطنت او بہ کوہ
کہ در عالم اجسام و صور ثابت تر و عظیم تر
از وہیچ چیز نیست یکبار بیش نتافت
کہ ذرہ ذرہ گشت
"جعلہ دکا"
وہر روز سہ صد و شصت بار بر دلِ
مومن می تابد "ھل من مزید"
نعرہ می زند و فریاد می کند الغیاث
الغیاث تشنہ ام"[1]

اگر کوئی چیز دل سے زیادہ عزیز اور قیمتی
ہوتی تو اپنی معرفت کا موتی اسی میں رکھتا، یہی
معنی ہے اس ارشاد کے کہ:۔ نہ میرا آسمان
مجھے سما سکتا ہے نہ میری زمین، اگر میرے لئے
گنجائش ہے تو مومن بندہ کے دل میں، آسمان
میری معرفت کا اہل نہیں، زمین اس بات
کی متحمل نہیں، بندۂ مومن کا دل ہی ہے جس نے
اس بوجھ کو اٹھایا، رستم کا گھوڑا ہی رستم کو
اٹھا لیتا ہے، لیکن جلالِ الٰہی کا آفتاب
جب پہاڑ پر جس سے زیادہ عالم اجسام میں
جمنے والی اور عظیم کوئی چیز نہیں
جب ایک بار چمکا تو وہ بھی ریزہ ریزہ ہو گیا،
وجعلہ دکا، تین سو ساٹھ مرتبہ مومن کے دل پر
چمکتا ہے اور وہ "ھل من مزید" کا نعرہ لگاتا
رہتا ہے اور پکارتا رہتا ہے:۔ الغیاث الغیاث
پیاسا ہوں۔

---

[1] مکتوب سی و ہشتم (۳۸)

شکستہ تر، عزیز تر

دل کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ ہر چیز ٹوٹ کر بے قیمت ہو جاتی ہے، لیکن یہ جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے، اتنا ہی بیش قیمت ہوتا ہے[1]۔ فرماتے ہیں:۔

"اے برادر شکستہ چیز ہیچ قیمت نہ دارد	اے بھائی ٹوٹی ہوئی چیز کوئی قیمت نہیں رکھتی
مگر دل، ہر چند شکستہ تر با قیمت تر، موسیٰ	مگر دل جتنا ٹوٹا ہوا ہوتا ہے اتنا ہی بیش قیمت
علیہ السلام در مناجات خود گفت:۔	ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک
"الٰھی این اطلبک"، فرمان شد	سرگوشی میں فرمایا کہ:۔ "آپ کو کہاں تلاش
انا عند المنکسرۃ قلوبھم[2]"	کروں"، جواب ملا:۔ "میں ان لوگوں کے

پاس ہوتا ہوں جن کے دل میری وجہ سے ٹوٹے ہوئے ہوتے ہیں۔"

محبّت کی فرمانروائی

دل کا سرمایہ محبّت ہے، اور محبّت تمام عالم اور سارے زمانوں کو محیط ہے اِس عالم سے اُس عالم تک اس کا سکّہ رواں ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"اوّل ایں حدیث است و میانہ ایں	حدیث محبت تینوں زمانوں پر محیط ہے،
حدیث است و آخر ایں حدیث است	اوّل و آخر درمیان اسی کا دور دورہ ہے؛
امروز ایں حدیث است و فردا ایں حدیث	محققین نے کہا ہے کہ یہ عالم اور وہ عالم
است، محققاں گفتہ اند کہ ایں عالم	سب طلب کے لئے ہیں، اگر کوئی کہے کہ
و آں عالم ہر دو برائے طلب است	وہ عالم، عالم طلب نہیں ہے، یہ نا ممکن ہے۔

---

[1] اسی کو اقبالؔ نے اس طرح کہا ہے ؎

نہ بچا بچا کے تو رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ — جو شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

[2] مکتوب ششم (۶)

اگر کس گوید کہ آں عالم عالمِ طلب نیست
ایں محال است یکے نماز و روزہ نیست
اما طلب ہست فردا ہمہ شرائع را قلم
در کشند اما ایں دو چیز ابد الآباد بماند
"الحب للہ والحمد للہ"[1]

ہاں نماز روزہ نہیں ہوگا لیکن طلب ہوگی
روزِ قیامت تمام احکام پر قلمِ نسخ
پھر جائے گا، لیکن یہ دو[1] چیزیں ابد الآباد
تک رہیں گی: "الحب للہ
والحمد للہ۔"

---

[1] مکتوب چہل و ششم (۴۶)

باب نہم
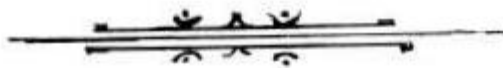
تحقیقات و علوم عالیہ

بلند و لطیف علوم و مضامین

حضرت شیخ شرف الدین کے مکتوبات میں نادر تحقیقات اور بلند و لطیف علوم و مضامین کا ایسا ذخیرہ ہے جو حقائق و معارف کی کم کتابوں میں دستیاب ہوتا ہے۔ اس کتاب کے صفحات پر جابجا ایسے لطیف نکتے اور ایسی تحقیقات بکھری ہوئی ہیں جو ذاتی تجربات کا نچوڑ اور سالہا سال کی ریاضتوں اور وہبی علوم کا نتیجہ ہیں، اور جن کو پڑھ کر وجد و سرور کی ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جو کسی بڑے سے بڑے طرب انگیز ادبی مقالے اور وجد آفریں شعر سے بھی حاصل نہیں ہو سکتی۔

وحدۃ الشہود

اس کتاب میں بعض ایسی تحقیقات بھی ملتی ہیں جن کے متعلق علمی حلقوں میں شہرت ہے کہ وہ کئی صدی بعد کی تحقیقات ہیں، اور جس صدی (آٹھویں صدی) میں مخدوم صاحب تھے اس میں کوئی شخص ان سے آشنا نہیں تھا۔ ان ہی تحقیقات میں سے ایک "توحید شہودی" یا "وحدۃ الشہود" کا نظریہ ہے، اس نظریہ اور تحقیق کا چرچا حقیقتاً گیارھویں صدی ہجری سے ہوا جب حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے وحدۃ الوجود کے متوازی اس کی دعوت اور وضاحت پیش فرمائی اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسکی تقریر و تبلیغ

اس کی اشاعت کا سہرا حضرت مجدد الف ثانیؒ ہی کے سر ہے اور اس بارے میں انھوں نے جس تفصیل و تکمیل اور جس قوت اور جرأت سے کام لیا وہ انھیں کا حصہ تھا اور وہ اس مسئلہ میں امام اور مجدد کی حیثیت رکھتے ہیں لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ دو ڈھائی سو برس پہلے مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰی منیریؒ کے مکتوبات میں بڑی خوبی کے ساتھ اس مسئلہ کا ذکر ملتا ہے، وہ اپنے ذاتی تجربہ اور اس مقام کی تحقیق کی روشنی میں جو اُن کو حاصل تھا یہ ثابت کرتے ہیں کہ عام طور پر جس کو وحدت وجود اور غیر حق کو عدم محض اور فنائے کامل سمجھا جاتا ہے وہ دراصل وجود حقیقی کے سامنے دوسری موجودات کا اس طرح ماند پڑ جانا اور مغلوب ہو جانا ہے جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے ستاروں کی روشنی اور ذرات کا وجود بے حقیقت ہو جاتا ہے، وہ دو لفظوں میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:۔

"نابودن دیگر است و نا دیدن دیگر"

کسی چیز کا نابود معدوم ہو جانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور چیز۔

اور فرماتے ہیں:۔ یہ ایک ایسا نازک مقام ہے جہاں اچھے اچھوں کے قدم لڑکھڑا گئے اور جہاں توفیق الٰہی اور خضرِ کامل کی رہبری کے بغیر جادۂ حقیقت پر قائم رہنا مشکل ہے۔

"چنداں از نو ظہور حق بر روندؔ آشکارا شود	ظہور حق کے نور سے سالک پر اس طرح ظاہر
کہ ہمہ ذراتِ وجود پیش دیدہ او در اشراق	ہوتا ہے کہ تمام ذراتِ وجود اس روشنی کی
آں نور متواری شوند بر مثال متواری شدن	آب و تاب میں اسکی نظر سے اوجھل ہو جاتے
ذرہ با ہوا در اشراق نور آفتاب و ذرہ در نور	ہیں جس طرح آفتاب کی روشنی کے سامنے
آفتاب نتواں دید نہ ازاں کہ ذرہ نیست شد،	ذرات ہوا چھپ جاتے ہیں اور ان ذرات کو
و نہ آنکہ ذرہ آفتاب شد بلکہ ازاں کہ	دیکھا نہیں جا سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ
با ظہور نور آفتاب ذرہ را جز متواری شدن	ذرہ موجود نہیں، اور نہ یہ کہ ذرہ آفتاب ہو گیا ہے،
روئے نیست ہمچنیں نہ آنکہ بندہ خدا	بلکہ بات یہ ہے کہ آفتاب کی روشنی کے ظاہر

گردد، تعالی اللہ عن ذلک علواً کبیرا

ونہ آں کہ بندہ بحقیقت نیست شود، نابودن

دیگراست ونادیدن دیگر۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نواست

ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

توچوں درآئینہ نگری آئینہ را نہ بینی زیراکہ

مستغرق جمال خودی وتوانی گفت آئینہ

نیست شد، یا آئینہ جمال شد، یا جمال

آئینہ شد، دیدن قدرت در مقدورات است

ہمچنیں بود بے تفاوت و ایں را صوفیاں

"الفناء فی التوحید" خوانند

بیت۔ ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول

کہ تجلی نہ داند از حلول

بسیار کس را ایں جا قدم بلغزیدہ است

جز بعد توفیق وعنایت ازلی وبدرقہ

پیر رسیدہ وصاحب دیدہ شدہ

وفراز ونشیب ایں راہ گذشتہ شربت

از قہر جلال ولطف جمال چشیدہ ایں بادیہ را

ہونے پر سوائے چھپ جانے کے ذرہ کا منہ

نہیں کہ وہ اپنی صورت دکھائے۔ اسی طرح سے

یہ بات نہیں کہ بندہ خدا ہوگیا، تعالی اللہ

عن ذلک علواً کبیرا، اور نہ یہ کہ بندہ

حقیقت میں معدوم ہوجاتا ہے، نابود اور

معدوم ہوجانا اور چیز ہے اور نظر نہ آنا اور

چیز۔ شاعر عارف نے صحیح کہا ہے۔ ؎

پیش توحید او نہ کہنہ است نہ نواست

ہمہ ہیچ اند ہیچ اوست کہ اوست

جب تم آئینہ دیکھتے ہو تو آئینہ کو نہیں دیکھتے

اس لئے کہ اپنے جمال میں مستغرق ہوتے ہو اور

یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ معدوم ہوگیا اور

یہ کہ آئینہ تمہارا جمال بن گیا ہے یا تمہارا جمال

آئینہ بن گیا ہے، قدرت کو مقدورات کے

اندر بالکل اسی طرح دیکھا جاتا ہے، اسکو صوفیہ

فنا فی التوحید کہتے ہیں۔ ؎

گوید آں کس دریں مقام فضول

کہ تجلی نہ داند از حلول

بہت لوگوں کا قدم اس جگہ پھسل گیا ہے،

کسے قطع نتواں کرد"[۵] توفیق الٰہی وعنایت ازلی اور مرشد کی رہنمائی کے بغیر جو مقام تحقیق پر فائز، صاحب نظر اس راستے کے نشیب و فراز سے گزرا ہوا تھر جلال اور لطف جمال کا مزہ چکھے ہوئے ہو اس بادیہ کو کوئی قطع نہیں کرسکتا۔

تغیر صفات میں ہے، نہ کہ ذات میں

اس موقع پر یہ شبہہ ہوتا ہے کہ آفتاب کے سامنے دوسری روشنی کے ماند ہونے کی جو مثال دی گئی ہے اور اس سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ روشنی معدوم نہیں ہوتی صرف آفتاب کے سامنے ماند پڑ جاتی ہے اور اس کا وجود ہیچ نظر آنے لگتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ آفتاب کے سامنے چراغ کی کوئی حقیقت نہیں رہتی، اسکے وجود کو وجود کہنا ہی صحیح نہیں ہے، وہ تو اسکے مقابلہ میں معدوم ہی ہوجاتا ہے، ایک ہی چیز بیک وقت موجود اور معدوم نہیں ہوسکتی، شیخ اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ تغیر صفات میں ہے نہ کہ ذات میں، آفتاب پانی کے چشمہ پر چمکتا ہے پانی کو گرم کردیتا ہے، اس سے پانی کی صفت بدلتی ہے پانی کی ذات نہیں بدلتی اور پانی کسی معنی میں بھی آفتاب نہیں بن جاتا، فرماتے ہیں:-

"ایں سخن آں بود کہ چراغ را با عین آفتاب	بعض لوگ کہتے ہیں کہ جرم آفتاب کے سامنے
ہیچ ولایتے نبود ولایت بکلی آفتاب را بود	چراغ کی کوئی ہستی نہیں رہتی، اس وقت
چوں از وجود او را اثرہ نبود وجود او چوں	آفتاب ہی کا دور دورہ ہوتا ہے، جب
عدم او بود اگر کسے گوید کہ عدم ضد وجود بود	چراغ کے وجود کا کوئی فائدہ نہیں تو
و وجود ضد عدم و یک چیز در یک حال ہم	اس کا وجود و عدم برابر ہوجاتا ہے، اگر
موجود بود و ہم عدم محال بود، جواب	کوئی کہے عدم وجود کا ضد ہوتا ہے اور وجود
آنست کہ ایں سخن در عین نیست	عدم کا ضد، اور ایک چیز کا ایک ہی وقت

---

۵ مکتوب ہشتاد و ششم (۸۶)

در صفات است کہ عین نگردد، صفات	میں معدوم وموجود ہونا محال ہے، اس
بگردد، خلق نگردد، آفتاب برآب تابد	کا جواب یہ ہے کہ گفتگو ذات کے متعلق
آب را گرم کند صفات آب بگردد و بدل	نہیں صفات کے متعلق ہے، ذات میں
شود و عین آب نگردد زیرا کہ عین آب	تغیر نہیں ہوتا صفات میں تغیر ہوتا ہے
برجائیست، آفتاب در صفات آب	فطرت میں تغیر نہیں ہوتا، آفتاب پانی
عمل کردنہ در ذات آب و در یں	پر چمکتا ہے پانی کو گرم کر دیتا ہے، پانی
اجتماع ضدین نیست[1]۔"	کی صفات بدل جاتی ہیں، لیکن پانی

کی ذات اور فطرت نہیں بدلتی وہ اپنی جگہ پر قائم رہتی ہے، آفتاب نے صفات میں عمل کیا نہ کہ ذات میں، ایسی حالت میں اجتماع ضدین کی کوئی بات نہیں۔

تیز رفتار کی حرکت نظر میں نہیں آتی

کاملین اور منتہیوں کی ترقی قطع مقامات اور ان کی باطنی کیفیات ایسی ہوتی ہیں جن کا بلندیوں کو اور بعض اوقات اُن کے ہم نشینوں کو بھی ادراک نہیں ہوتا، انبیاء علیہم السلام اور ان کے کمالات کے وارثوں اور اولیاء کاملین کے کمالات اور کیفیات ایسی لطیف، نازک اور مخفی ہوتی ہیں کہ اکثر اوقات اُن کے معاصر اور اُن کے صحبت میں رہنے والے اُن سے ناواقف اور بیگانہ رہتے ہیں، اور ان اہلِ وجد و شوق اور اہلِ جذب و سلوک کو ترجیح دیتے ہیں جو اُن کی گردِ پا کو بھی نہیں پہنچتے، یہ حضرات کاملین جن کو اللہ تعالیٰ اعلیٰ درجہ کا ظرف، علوِ حوصلہ اور قوتِ تحمل عطا فرماتا ہے، نہ گریبان چاک کرتے ہیں نہ دامن تار تار، نہ نعرے لگاتے ہیں، نہ وجد میں آکر رقص کرتے ہیں، نہ اُن سے کثرت سے

---

[1] مکتوب ہشتاد وششم (۸۶)

کرامات وخوارق کا صدور ہوتا ہے، نہ وہ دعویٰ کرتے ہیں، نہ کسی کیفیت کا اظہار ہونے دیتے ہیں، ان کا وہ حال ہوتا ہے جو عارف شیراز نے بیان کیا ہے ؎

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز	کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیاں در طلبش بے خبرانند	آں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت شیخ لکھتے ہیں کہ رفتار جتنی تیز ہوتی ہے اسی قدر اس کی حرکت نظر نہیں آتی، فرماتے ہیں :۔ تیز آندھی کو سب محسوس کرتے ہیں لیکن نسیم سحری جو دل کی کلیوں کے ساتھ مسیحائی کرتی ہے اور چمن کو حیات نو بخشتی ہے، اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

رفتن چوں تیز گردد دیدار بالعکس باز	رفتار جب تیز ہو جاتی ہے اس کا دیکھنا
گردد، نہ بینی کہ آں سنگ آسیا خراس	بند ہو جاتا ہے، دیکھتے نہیں بڑی چکی
کہ می گردد از غایت رفتن ہر کہ نظر کند	کے پتھر کی گردش جب تیز ہو جاتی ہے تو جو
گوید کہ ایستادہ است، خواجہ جنید را	شخص دیکھتا ہے سمجھتا ہے کہ چکی بند ہے
رحمۃ اللہ علیہ گفتند چرا اے پیر بسماع	اور اس کا پتھر گردش نہیں کر رہا ہے۔
برنخیزی، او ایں آیت برخواند وتری	حضرت جنید بغدادیؒ سے کسی نے کہا کہ آپ
الجبال تحسبہا جامدۃ وھی	سماع کے موقع پر اپنی جگہ سے جنبش نہیں
تمر مر السحاب شما رفتن ما نمی بینید	فرماتے، آپ نے یہ آیت پڑھی وتری
چوں رفتن تیز شود در دیدار نیاید نسیم	الجبال تحسبہا جامدۃ وھی تمر
سحر چناں گزرد کہ کس را خبر نباشد[1]	مر السحاب تم پہاڑوں کو دیکھو گے تو

---

[1] مکتوب چہارم (۴)

انکو کھڑا ہوا سمجھو گے حالانکہ وہ ابر کی طرح رواں دواں ہوں گے، تم ہماری رفتار نہیں دیکھتے جب رفتار تیز ہو جاتی ہے دیکھنے میں نہیں آتی، نسیم سحر اس طرح چلتی ہے کہ کسی کو خبر نہیں ہوتی۔

خواہشاتِ نفسانی کا ازالہ مقصود نہیں شکستگی مقصود ہے

تربیت و اصلاح کے سلسلہ میں ایک بڑا مغالطہ یہ ہے کہ بہت سے طالبین صادقین خواہشاتِ نفسانی کا سرے سے فنا ہو جانا اور اس کا استیصالِ کلی ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سالک کیلئے ضروری ہے کہ اس میں سرے سے کسی خواہش کا مادہ ہی باقی نہ رہے شیخ فرماتے ہیں کہ مقصود ازالۂ شہوات نہیں شکستگیٔ شہوات ہے، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی احیاء العلوم میں ثابت کیا ہے کہ اصلاح و تربیت کا مقصود غصہ وغیرہ کا جڑ سے نکل جانا اور اسکی صلاحیت کا مفقود ہو جانا نہیں، بلکہ اس پر قابو پانے کی صلاحیت اور اس کو مغلوب کرنے کی قوت ہے، اسلئے قرآن مجید میں تعریف کے موقع پر "والفاقدین الغیظ" نہیں کہا "والکاظمین الغیظ" فرمایا، اگر سرے سے غصہ ہی نہ آتا ہو تو غصہ کو پی جانے اور اسکو دبانے کا سوال کہاں پیدا ہو سکتا ہے؟ شیخ بڑی تفصیل سے لکھتے ہیں:۔

جہل و حماقت آں کسے است کہ چناں	یہ اس شخص کی جہالت و حماقت ہے جو یہ
می پندارد کہ شریعت فرمودہ است کہ	سمجھتا ہے کہ شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ خواہش،
از شہوات در صفات بشریت پاک می باید	نفس اور صفات بشریت سے مطلقاً
شد اصلاً و ایں قدر ندانستہ باشد کہ	پاک ہونا چاہیئے، اس نے یہ غور نہیں
چگونہ شریعت چناں فرماید کہ رسول اللہ	کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
صلی اللہ علیہ وسلم چنیں می گوید کہ بشرم	فرمایا کہ میں بشر ہوں، کسی وقت مجھے
و در خشم شوم و اثر خشم بروے بسیار	غصہ آجاتا ہے اور غصہ کا اثر بھی اکثر
دیدند و خداوند می فرماید	آپ پر ظاہر ہو جاتا تھا اور اللہ تعالیٰ کا

والکاظمین الغیظ ثنا می گوید آنرا
کہ خشم فرو خورد نہ آنرا کہ خشم ندارد و چگونہ
فرماید کہ شہوت نمی باید کہ حضرت رسالت
صلے اللہ علیہ وسلم نہ حرم داشت و اگر
کسے را شہوت ساقط شود علاج باید
کرد تا باز آید کہ رحم است بر اہل و فرزند
و دلیری در غزا کافران از خشم خیزد و کثرت
توالد و تناسل و ابقاء نام نیک از
شہوت خیزد و مطلوب پیغمبر آں بودہ است
توالد و تناسل لیکن فرمودہ است کہ ایں
ہر دو را زیر دست باید داشت چناں
بودہ باشد کہ در فرمان شرع باشد
مانند اسپ در فرمان رائض و سگ در
فرمان صیاد لیکن سگ باید کہ معلّم بود
و گرنہ در صیاد آویزد و بے اسپ تیز صید
نتواں کرد اما باید کہ ریاضت یافتہ باشند
و اگر نہ صیاد را بیفگند ازیں پس شہوت و خشم
ہمچو سگ و اسپ است و سعادت آخرت
صید نتواں کرد بے ایں ہر دو اما بشرط آنکہ زیر دست

ارشاد ہے والکاظمین الغیظ ۔
اللہ تعالیٰ انکی تعریف کرتا ہے کہ وہ غصہ کو
دباتے ہیں، اسکی تعریف نہیں کہ غصہ کا مادہ
ہی نہیں، اور کس طرح شریعت خواہش نفس
کے بالکل ازالہ کا مطالبہ کرسکتی ہے جب کہ
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں
اگر کسی کی خواہشِ نفس بالکل زائل ہو گئی
ہو تو اس کو علاج کرنا چاہیئے کہ پھر پیدا
ہو جائے اسلئے کہ گھر والوں اور اولاد پر
شفقت، جہاد میں کافروں پر غصہ اور اولاد
کا سلسلہ اور نیک نام کا بقا، یہ سب چیزیں نفس کے
احساسات اور خواہشات سے تعلق رکھتی ہیں،
پیغمبروں نے اسکی تمنا کی ہے کہ انکا سلسلۂ
نسبی چلے لیکن شریعت کا مطالبہ یہ ہے کہ
خواہشات کو مغلوب رکھا جائے اور احکام
شریعت کے ماتحت جس طرح گھوڑا سائیس اور
کتا شکاری کے قبضے میں ہوتا ہے کتا بھی ایسا
چاہیئے جس کی تربیت ہو چکی ہو ورنہ شکاری
ہی پر حملہ آور ہو جائے گا، شکار کے لئے

باشند کہ اگر غالب باشند سبب ہلاک بود، پس مقصود از ریاضت آن است کہ تا این ہر دو صفت شکستہ شوند و زیر دست باشند و این ممکن است۔[1]

گھوڑے کی بھی ضرورت ہے، لیکن ایسا گھوڑا درکار ہے جو رام کر لیا گیا ہو ورنہ اپنے سوار کو گرا دیگا، اسی طرح شہوت اور غصہ کتے اور گھوڑے کی طرح آخرت کی سعادت کو

ان دونوں کے بغیر شکار نہیں کیا جا سکتا لیکن شرط یہ ہے کہ ماتحت اور قابو کے ہوں، اگر غالب ہونگے تو ہلاکت کا سبب بن جائیں گے، پس ریاضت اور مجاہدہ کا مقصود یہ ہے کہ یہ دونوں صفتیں شکستہ اور مغلوب ہو جائیں اور یہ ممکن ہے۔

کرامت بھی ایک بت ہے،

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے حضرت مخدوم صاحبؒ کے زمانہ میں ہر طرف کرامات کا چرچا تھا اور عوام اسکو بزرگی کی شرط اور مقبولیت کا معیار سمجھتے تھے، حضرت مخدوم صاحبؒ اس مذاق عام اور شہرت عام کے برخلاف یہ ثابت کرتے ہیں کہ کرامات بھی اہل اللہ کے لئے ایک حجاب اور غیر اللہ کے ساتھ مشغولی کا حکم رکھتی ہیں اور اس طرح سے وہ بھی ایک طرح کا بت ہے جس کی نفی اور اس سے استغنا بعض اوقات ضروری ہوتا ہے :۔

یکے از بتاں کرامات است تا کافران بہ بت تعلق کنند، اعدا باشند چوں از بت تبرا کنند، اولیا گردند بت عارفاں کرامت است اگر با کرامت بازآیند محجوب و معزول

کرامات بھی ایک بت ہے جس طرح کافر بت سے تعلق رکھتے ہیں، دشمن ہوتے ہیں جب بت سے بے تعلقی اور برات کا اظہار کرتے ہیں دوست بن جاتے ہیں، عارفوں کا

---

[1] مکتوب ہشتم دہم

گردند و اگر از کرامات تبرا کنند مقرب گردند و موصول گردند عزیزے گفتہ است ؎

بت کرامت ہے اگر کرامت پر قانع اور مطمئن ہو جائیں محجوب اور معزول ہوں اور اگر کرامات سے بے تعلقی کا اظہار کریں مقرب اور واصل۔ کسی عارف نے کہا ہے ؎

قطعہ

زاہداں راجنت و فردوس باید نزنگاہ
عاشقاں را الذت اندر قصر زنداں است و بس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں است و کس

زاہداں راجنت و فردوس باید نزنگاہ
عاشقاں را الذت اندر قصر زنداں است و بس
لطف او را عام و خاص و نیک و بد یابندہ اند
قہر او را پیش رفتن کار مرداں است و کس

ازیں جا است کہ چوں خدائے عز و جل مر ایشاں را چیزے از کرامات پدید آمد اندر دل ایشاں خضوع و خشوع زیادہ گردد و ذل و تواضع بیش آں باشد کہ بود و ترس و خوف زیادت ازاں گردد۔

اسی وجہ سے جب اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں سے کرامات ظاہر فرماتا ہے تو ان کے دل میں خضوع و خشوع زیادہ ہو جاتا ہے فروتنی اور تواضع پہلے سے زیادہ بڑھ جاتی ہے اور ان کے خوف اور ڈر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

کشوف و کرامات اور استدراج :-

و برآنچہ بر صدیقاں از کشف و صدق فراست چیزے پدید می آید و از کارہائے

صدیقین پر کشف اور فراست صادقہ میں سے جو چیزیں ظاہر ہوتی ہیں اور

لہ مکتوب ہشتم (۸)

مستقبل کہ پیش خواہد آمد ایشاں را روشن
می گردد، باشد کہ بر بعضے ایں معنی نکشاید
وازایں جا قدحے لازم نیاید در حال
ایشاں کہ قدح در حال ایشاں گشتن کود
از استقامت وہر چہ بر صدیقان کشاید
آں سبب مزید یقین ایشاں باشد و داعی
بود بہ صدق مجاہدہ وخوے گرفتن با خلاق
حمیدہ باشد، واگر بر کسے کشاید کہ اندر
سیاستِ شرع نباشد آں سبب مزید
بعد غرور وحماقت بود و بر آں معانی مردم
را زیر دست وحقیر دارد وہمچنیں می باشد
تا رشتۂ اسلام از گردنش بیروں افتد
واز حدود احکام حلال وحرام منکر
گردد وپندارد مقصود از عبادت بجز
ذکرِ خدائی نیست ترک متابعت سنت
پیش گیرد تا در الحاد و زندقہ افتد،
نعوذ باللہ منہا۔[1]

ہونے والے واقعات ہیں سے جو واقعات
ان پر منکشف ہو جاتے ہیں ہو سکتا ہے کہ بعض
لوگوں پر اس طرح کی چیزیں منکشف نہ ہوں لیکن
اس سے ان پر کوئی اعتراض اور ان کے کمالات میں
کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا، اعتراض اور
نقص کی چیز جادۂ استقامت سے ہٹ جانا ہے،
صدیقین پر اس طرح کی جو چیزیں منکشف
ہوتی ہیں وہ ان کے یقین کے اضافہ کا سبب
ہوتی ہیں اور اس سے ان کے مجاہدہ میں اور پختگی
اور اخلاقِ حمیدہ میں اور ترقی ہوتی ہے، اگر
یہ حالات ایسے کسی شخص کو پیش آئیں
جو احکام شریعت کا پابند نہیں وہ اسکے بعد
کا سبب اور اس کے فریب و حماقت کا
ذریعہ بن جاتے ہیں، وہ اسکے دھوکا اور
غرور میں لوگوں کو مغلوب اور حقیر سمجھنے
لگتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اسلام
کا رشتہ اس کی گردن سے باہر ہو جاتا

---

[1] مکتوب نود وششم (۹۶)

ہے اور وہ احکامِ الٰہی کی حدود اور حلال و حرام کا منکر بن جاتا ہے، اور سمجھنے لگتا ہے، کہ عبادت کا مقصد ذکرِ الٰہی کے سوا کچھ نہیں، وہ سنت کی پیروی چھوڑ دیتا ہے اور الحاد و زندقہ کا شکار ہو جاتا ہے، **نعوذ باللہ منہا**۔

فضیلت خدمت :-

یک کار بزرگ مرید را خدمت است و در
خدمت فائدہا و خاصیتہا است کہ در
ہیچ عبادت و طاعت دیگر نیست یکے
آنست کہ نفس مردہ شود و کبر و نخوت
خواجگی را ببرد و تواضع و عجز در وے پدید
آید و او را مودب گرداند و اخلاقہا
را نیکو گرداند و علوم معین طریقت و سنت آموزد
و تیرگی و گرانی نفس از وے ببرد و او
لطیف و سبک روح گردد و ظاہر و باطنش
روشن شود و ایں فوائد مخصوص است
بخدمت، بزرگے را پرسیدند کہ راہ بحق
چند است گفت بعدد ہر ذرۂ از موجودات
راہے است بحق اما ہیچ راہ نیکوتر
و نزدیک تر از راحت رسانیدن

سالک کیلئے ایک اونچا کام خدمت ہے
خدمات میں وہ فوائد اور خاصیتیں ہیں
جو کسی دوسری عبادت و طاعت میں
نہیں، ایک یہ کہ نفس مردہ ہوتا ہے اور
بڑائی و سرداری کبر و نخوت نکال دیتی ہے اور
تواضع و عجز پیدا ہوتا ہے، خدمت اسکو
مہذب اور مودب بنا دیتی ہے، اخلاق کو
آراستہ کرتی ہے اور سنت و طریقت کے علوم
سکھاتی ہے، نفس کی ظلمت اور گرانی
کو دور کرتی ہے، انسان کو لطیف اور
سبک روح بناتی ہے اور اسکا ظاہر و
باطن روشن ہو جاتا ہے، یہ سب فوائد
خدمت کے ساتھ مخصوص ہیں، ایک بزرگ
نے کسی سے پوچھا خدا تک پہنچنے کے کتنے

بدلہا نیست درابدیں راہ یافتیم وبدیں مریدان را وصیت کردیم وگفتہ بزرگانست کہ اوراد وطاعات ایں طائفہ زیادت ازآنست کہ دربیاں آید وچوں ازاں ہمہ فارغ شوند ہیچ ورد وطاعت فاضل تر و بافائدتر از خدمت کہ دن یک دیگر نیستﹸ[1]

راستے ہیں انھوں نے جواب دیا کہ موجودات اور دنیا میں جتنے ذرات ہیں اتنی ہی خدا تک پہنچنے کی راہیں ہیں لیکن کوئی راستہ لوں کو راحت پہنچانے سے زیادہ بہتر اور نزدیک تر نہیں، اور ہم نے اسی راہ سے خدا کو پایا ہے اور اپنے تعلق والوں کو اسی کی وصیت کی ہے، بزرگوں نے کہا ہے کہ اس گروہ کے اوراد و طاعات بیان سے باہر ہیں، وہ جب ان سب سے فارغ ہوتے ہیں تو پھر کوئی ورد و طاعت ایک دوسرے کی خدمت کرنے سے زیادہ افضل اور مفید نہیں۔

نفس کی اصلاح کا معیار

نفس کی اصلاح کا معیار ان حضرات کی نظر میں بہت بلند ہے۔ حقیقتاً اس بات کا اطمینان بہت مشکل ہے کہ نفس دعویٰ خدائی سے دست بردار اور خواہشات و شہوات کی گرفتاری سے آزاد ہو گیا ہے اور تربیت و اصلاح کے اس مقام پر پہنچ گیا ہے کہ اب اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، حضرت شیخ شرف الدین کے نزدیک اس کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنی خواہش سے قدم نہ اٹھائے، شریعت کے حکم پر چلے اور احکام شریعت میں رخصت و تاویل سے کام نہ لے، اگر نفس پر کسی خاص نفسانی خواہش اور طبیعت کا غلبہ ہے تو حقیقتاً وہ اس جانور کے مشابہ ہے جو اس خواہش کا سب سے بڑا نمائندہ اور مظہر ہے۔

ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:۔

---

[1] مکتوب ہفتاد ویکم (۷۱)

"اے برادر نفس آدمی مکارہ و زبندہ است
ہمہ دعویٰ دروغ کند و لاف زند کہ ہوا زیر
دست منست او را برہان باید طلبید
و ہیچ برہانے نیست مگر آنکہ بحکم خود
قدمے نہ زند، بحکم شرع رود کہ اگر ہمیشہ
بطوع تن در تواند داد، راست می گوید
اگر در احکام شریعت رخصت و تاویل می طلبد
موافق ہوا و شہوت آں مدبر ہنوز اسیر
ہوا است اگر اسیر خشم است سگے است
در صورت آدمی و اگر اسیر شکم است
بہیمہ است و اگر اسیر شہوت ہائے زشت
است خوکے است و اگر اسیر جامہ
و تجمل است زنے است در صورت
مرد، مگر کسے کہ خود را با حکام و اوامر
شرع بسپارد و بیازماید
و عنان خود بدست شریعت دہد
تا چنانکہ آدمی گردد می تواند گشتن آنگاہ
صفات او اسیر او شدہ باشد
پس کسانیکہ ارباب بصیرت بودہ اند

میرے بھائی آدمی کا نفس مکار دھوکا دینے
والا ہے، وہ ہمیشہ جھوٹے دعوے اور
لاف زنی کرتا ہے کہ خواہش نفس میری
محکوم ہو گئی ہے، اس سے اس کا ثبوت
مانگنا چاہیئے اور اس کا ثبوت صرف یہ ہے
کہ وہ اپنے حکم سے ایک قدم نہ اٹھائے
شریعت کے حکم سے چلے، اگر ہمیشہ وہ
شریعت کی اطاعت میں سرگرمی دکھاتا ہے
تو صحیح کہتا ہے اور اگر احکام شریعت میں اپنی
ہوا و خواہش کے موافق رخصت و تاویل
چاہتا ہے تو وہ بے اقبال ابھی تک
اسیر کمند ہوا ہے، اگر غصہ کا غلام ہے
تو وہ ایک کتا ہے آدمی کی شکل میں،
اگر پیٹ کا غلام ہے تو ایک جانور ہے
اور اگر وہ فاسد خواہشات نفس کا اسیر ہے
تو وہ ایک سور خنزیر ہے، اور اگر وہ لباس
و زینت کا غلام ہے تو وہ عورت ہے مرد کی
صورت میں، لیکن جو شخص اپنے کو احکام شریعت
کے مطابق آراستہ کرتا ہے اور نفس کا

وکار ہارا چنانکہ بود بدیدتا نفسِ باز پسیں لگام تقویٰ از شر نفس خود فرود نیاورد ند لے

امتحان لیتا رہتا ہے اور اس نے اپنی باگ شریعت کے ہاتھ دے دی ہے جس طرف وہ پھیرتی ہے اسی طرف وہ پھر جاتا ہے اُس وقت اس کو کہا جا سکتا ہے کہ اس کی صفات اس کی محکوم اور زیر فرمان ہو گئی ہیں، پس جن لوگوں کو اللہ نے بصیرت دی تھی اور جو حقائق پر نظر رکھتے تھے وہ دم واپسیں تک اپنے نفس کو تقویٰ اور خوفِ الٰہی کی لگام دیئے رہے۔

لے مکتوب نود و ششم (۹۶)

باب دہم

حفاظتِ دین و حمایتِ شریعت

ایک اصلاحی و تجدیدی کارنامہ

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کا تمام تر کارنامہ یہی نہیں ہے کہ انھوں نے ہندوستان کے باشندوں کو خدا کا راستہ دکھایا معرفت الٰہی اور تعلق مع اللہ کی ضرورت و اہمیت دل نشین کی، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دلوں میں عشقِ الٰہی اور خدا طلبی کی حرارت پیدا کر دی اور سلوک و معرفت کے اسرار و نکات اور لطیف و بلند علوم کا اظہار فرمایا، بلکہ بعض دوسرے مصلحین امت اور محققین کی طرح اُن کا یہ بھی عظیم و روشن کارنامہ ہے کہ انھوں نے بروقت دین کی حفاظت کا فرض سرانجام دیا۔ مسلمانوں کے دین و ایمان کو غالی صوفیوں کی بے اعتدالیوں، ملحدین کی تحریفات اور باطنیت و زندقہ کے اثرات سے محفوظ رکھا اور ان مغالطوں کا پردہ چاک کیا جو بداعتقاد صوفیوں، جاہل مشائخ اور زندقہ و باطنیت سے متاثر اشراقین کی دعوت و تبلیغ سے ہندوستان جیسے دُور افتادہ مُلک میں (جہاں اسلام بہت چکر کاٹ کر پہنچا تھا اور جہاں کتاب و سنّت سے براہِ راست واقفیت پیدا کرنے کے وسائل شروع سے کمزور اور محدود رہے) سحر کا اثر رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے مکتوبات میں ان سب عقائد و خیالات پر ضرب لگائی، جس کے پردہ میں یہاں الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا۔

اور اسلامی عقائد متزلزل ہو رہے تھے، اور اسلام کے عقائد صحیحہ اور اہلِ سنّت کے مسلک کی نہایت مؤثر و طاقتور وکالت اور تبلیغ کی، وہ چونکہ حقائق و معارف میں بلند ترین پایہ رکھتے تھے، اشراق اور کشف و شہود کے اعلیٰ مقام پر پہنچ چکے تھے، ریاضات و مجاہدات کی طویل ترین و دشوار ترین گھاٹیاں طے کر چکے تھے اور اس میدان میں ان کا مرتبہ "امامت و اجتہاد" تک پہنچنا سب کو تسلیم تھا، اسلیئے اس بارے میں ان کی تصریحات و تحقیقات خاص وزن اور قیمت رکھتی ہیں اور ان کی تردید بلکہ تحقیر کسی بڑے سے بڑے صاحبِ "اشراق و کشف" کیلئے آسان نہیں تھی، ان کا معاملہ یہ تھا کہ ؎

ہوں اس کوچہ کے ہر ذرّہ سے آگاہ
ادھر سے مدّتوں آیا گیا ہوں

نبوّت ولایت سے افضل ہے

ایک عرصۂ دراز سے تصوّف کے بعض حلقوں میں اس خیال کی اشاعت ہو رہی تھی کہ ولایت کا مقام نبوت کے مقام سے افضل ہے، اور یہ کہ ولایت تمام تر توجہ الی الحق اور انقطاع عن الخلق کا نام ہے اور نبوت کا موضوع دعوت ہے جس کا تعلق خلائق سے ہے اسلیئے ولی رُو بحق ہوتا ہے اور نبی رُو بخلق اور رُو بحق ہونے کی حالت رُو بخلق ہونے کی حالت سے اعلیٰ اور افضل ہے، بعض لوگوں نے اس میں اتنی احتیاط کی تھی کہ انھوں نے یہ کہا کہ ولایت عام طور پر نبوت سے افضل نہیں، بلکہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اسکی نبوت سے افضل ہے اور نبی جب مشغول بالخالق ہوتا ہے، تو اس کی یہ حالت اس حالت سے افضل ہوتی ہے جب وہ دعوت کے سلسلہ میں مشغول بالخلق ہوتا ہے۔

لیکن اس کی جو بھی تاویل کی جائے اس عقیدہ و خیال سے نبوت کی تحقیر کا پہلو نکلتا تھا اس کی اہمیت و عظمت کم ہوتی تھی اور الحاد و زندقہ کا ایک دروازہ کھلتا تھا۔ حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے اس عقیدہ کی پرزور تردید فرمائی اور بڑی قوت و وضاحت سے ثابت فرمایا کہ نبوت کا مقام ولایت سے کہیں اعلیٰ و ارفع ہے، نبی کے تمام احوال و اوقات ولی کے احوال و اوقات سے افضل ہیں، بلکہ انبیاء کی ایک سانس اولیاء کی تمام عمر سے

افضل ہے، اسی سلسلہ میں انھوں نے بڑی محققانہ اور عارفانہ باتیں لکھی ہیں، اور چونکہ وہ خود ولایت و معرفت کے اعلیٰ مراتب پر فائز تھے، اس لئے ان کا فرمانا محض ذہانت اور علم کے زور کا نتیجہ نہیں، تجربہ اور مشاہدہ پر مبنی ہے کہ۔ ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

ایک مکتوب میں لکھتے ہیں :۔

"برادرِ عزیز شمس الدین کو معلوم ہو کہ باتفاق جملہ مشائخ طریقت رضوان اللہ علیہم اجمعین تمام اوقات و احوال میں اولیاء پیغمبر ﷺ کے تابع ہیں اور انبیاء اولیاء سے افضل ہیں، جو ولایت کی نیابت ہے، وہ نبوت کی ہدایت ہے، تمام انبیاء ولی ہوتے ہیں لیکن اولیاء میں سے کوئی نبی نہیں ہوتا، علماء اہلِ سنت والجماعت اور اس طریق کے محققین میں اس مسئلہ کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں، ہاں ملحدین کا ایک گروہ کہتا ہے کہ اولیاء انبیاء سے افضل ہیں اور دلیل یہ لاتے ہیں کہ اولیاء تمام اوقات میں مشغول بحق ہوتے ہیں اور انبیاء اکثر اوقات دعوت خلق میں مشغول رہتے ہیں، پس جو شخص مشغول بحق ہو وہ افضل ہوا اس سے جو کسی کسی وقت مشغول بحق ہوتا ہے، اگر وہ (جس کو صوفیہ سے محبت کا دعویٰ ہے اور وہ اُن سے نیک گمان رکھتا ہے، اور ان کی پیروی کا دم بھرتا ہے) اس کا قائل ہے کہ مقامِ ولایت مقامِ نبوت سے برتر ہے، نبی کو علم وحی ہوتا ہے اور ولی کو علم اسرار، ولی کو ایسے اسرار معلوم ہوتے ہیں جن سے انبیاء بے خبر ہوتے ہیں، انھوں نے اولیاء کے لئے علم لدنی ثابت کیا اور اس کا استنباط حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ

سے کیا، انھوں نے کہا کہ خضرؑ ولی تھے اور حضرت موسیٰؑ نبی، حضرت موسیٰؑ پر وحی ظاہر آتی تھی جب تک وحی نہ آتی اُن کو کسی واقعہ کا راز اور کسی بات کا بھید معلوم نہ ہوتا، حضرت خضرؑ کو علم لدنی حاصل تھا، اس کی وجہ سے وہ بغیر وحی کے غیب تک جان لیتے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ کو اُن کا شاگرد بننے کی ضرورت پیش آئی اور سب کو معلوم ہے کہ اُستاد شاگرد سے افضل ہوتا ہے ـــــ

لیکن یہ یاد رہے کہ اس طریق کے پیشواجن کے دین پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، وہ ایسے اقوال و عقائد سے بیزار ہیں اور اس کو ہرگز ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں کہ کسی کا مرتبہ انبیاء سے بلند ہو سکتا ہے یا ان کے برابر بھی ہو سکتا ہے باقی موسیٰؑ اور خضرؑ کے قصہ کا جواب یہ ہے کہ خضرؑ کو فضیلت جزئی حاصل تھی اور وہ خاص واقعات کا علم لدنی ہے، اور حضرت موسیٰؑ کو مطلق فضیلت حاصل تھی، فضیلت جزئی فضیلت مطلق کو منسوخ نہیں کرتی، جیسے کہ مریمؑ، کہ اُن کو ایک طرح کی فضیلت حاصل تھی کہ مرد کے تعلق کے بغیر حضرت عیسیٰؑ اُن سے پیدا ہوئے لیکن یہ فضیلت حضرت عائشہؓ و حضرت فاطمہؓ کی فضیلت پر غالب نہیں، اسلئے کہ اُن کو فضیلت مطلقہ حاصل تھی تمام دنیا کی عورتوں پر، یاد رکھو اگر تمام اولیاء کے تمام احوال و اعمال، انفاس و زندگی کو نبی کے ایک قدم کے مقابلہ میں تصوّر کیا جائے تو وہ ہیچ اور معدوم نظر آئیں گے۔ اولیاء جس چیز کے طالب ہیں اور جس چیز کے لئے سفر طے کرتے ہیں اور تحقیق کرتے ہیں، انبیاء اُس مقام پر پہنچ چکے ہیں اور اس کو پا چکے ہیں۔ انبیاء دعوت کا کام بحکم الٰہی انجام دیتے ہیں اور ہزار دل

لاکھوں بندگانِ خدا کو خدا رسیدہ اور واصل بناتے ہیں۔"

انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے :۔

پس انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی تمام زندگی اور عمر سے افضل ہے' اس لئے کہ جب اولیاء نہایت کو پہنچتے ہیں تو مشاہدہ کی خبر دیتے ہیں اور حجابِ بشریت سے خلاصی پاتے ہیں، اگرچہ وہ اس حالت میں بھی بشری رہتے ہیں پیغمبر پہلے قدم میں ہی مقامِ مشاہدہ پر فائز ہوتے ہیں جو اولیاء کی انتہا ہوتی ہے وہ انبیاء کی ابتدا۔ انبیاء کو اولیاء پر قیاس ہی نہیں کیا جاسکتا خواجہ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے کسی نے پوچھا کہ انبیاء کے حالات کے بارہ میں آپ کا کیا ارشاد ہے ؟۔ فرمایا: "توبہ توبہ ہمارا اس عالم میں کوئی دخل نہیں"۔ پس جس طرح اولیاء کا مرتبہ مخلوق کے ادراک و تصور سے مخفی ہے' اسی طرح انبیاء کا مرتبہ اولیاء کے ادراک سے بالاتر ہے۔ اولیاء انبیاء کی صفات میں اپنے قدموں سے تیز چلنے اور دوڑنے والے ہیں اور انبیاء اولیاء کے مقابلہ میں اُڑنے والے ہیں، دوڑنے والا اُڑنے والے کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

انبیاء کا جسم اور اولیاء کا قلب :۔

انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی اور پاکیزگی اور قربِ خداوندی میں اولیاء کرام کے دل اور ان کے سر اور راز دنیا نہ کے برابر ہے، پس عظیم الشان فرق ہے، اس شخص کے درمیان جس کے جسم کو وہاں لے جائیں، جہاں دوسرے کا

رازونیاز پہنچ سکتا ہے۔"[1]

شریعت کا لزوم و دوام

اسی طرح تصوف کے بعض حلقوں میں ایک مغالطہ یہ پھیلا ہوا تھا کہ شریعت کی پابندی اور پیروی کی ضرورت ایک خاص وقت اور ایک خاص حد تک رہتی ہے۔ جب سالک مقامِ تحقیق اور مرتبۂ یقین پر پہنچ جاتا ہے اور واصل باللہ ہو جاتا ہے تو پھر وہ شریعت کی پابندیوں اور فرائضِ شرعی سے آزاد اور مستغنی ہو جاتا ہے، اس عقیدہ نے اچھی خاصی مقبولیت حاصل کر لی تھی اور بہت سے ملحد اور بے عمل صوفیوں اور جاہل مشائخ نے اس کے ذریعہ بڑا فتنہ برپا کر رکھا تھا اور بعض حلقوں میں اس سے نہ صرف انتشار و بے عملی بلکہ الحاد و زندقہ پھیل رہا تھا، بعض پڑھے لکھے لوگ بھی اس عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید کی مشہور آیت "واعبد ربك حتى يأتيك اليقين[2]" سے استدلال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ عبادت و اتباعِ شریعت کا سلسلہ اس وقت تک قائم رہنا چاہیئے جب تک یقین حاصل ہو جائے، یقین حاصل ہو گیا تو پھر تمام تکالیف شرعیہ ساقط ہو جاتی ہے، حضرت شیخ شرف الدین نے اس گمراہ کن عقیدہ اور مغالطہ کی زبردست تردید کی، ان کے متعدد مکتوبات اس موضوع پر ہیں جن میں انھوں نے پوری قوت اور جوش کے ساتھ ثابت کیا کہ شریعت کی پابندی دمِ واپسیں تک رہتی ہے اور کسی حال اور کسی وقت بھی نہ تکالیفِ شرعیہ اور فرائض دینیہ ساقط ہوتے ہیں اور نہ کوئی انسان اس سے مستثنیٰ ہے۔

---

[1] مکتوب بستم

[2] اس آیت کی تفسیر کے لئے محققین کی تصنیفات (مستند تفاسیر ملاحظہ ہوں) مشہور تفسیر یہ ہے کہ یقین سے مراد موت ہے۔ ۱۲

شریعت کی پابندی ہمیشہ ضروری ہے

ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں :-

"برادر اعز شمس الدین کو معلوم ہو کہ شیطان کبھی کبھی صوفیوں اور اہلِ ریاضت پر یہ ظاہر کرتا ہے کہ ترک معصیت کا مقصد یہ ہے کہ خواہشاتِ نفس شکستہ اور صفاتِ بشریت مغلوب ہو جائیں اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی یاد اُن پر غالب آجائے اور دل ظلماتِ بشریت سے ذکر الٰہی کے اثر سے صاف ہو جائے اور اسکے نتیجہ میں معرفتِ خداوندی کی حقیقت اس کو حاصل ہو جائے، شریعت کی پابندی کعبۂ وصال تک پہنچنے کی ایک راہ ہے، جو شخص کعبۂ وصال کو پہنچ گیا، اُس کو راستہ، توشے اور سواری کی اب کیا ضرورت ہے۔ پس شیطان اس گروہ کو یہ سمجھاتا ہے کہ اگر وہ نماز پڑھیں گے تو وہ اُن کیلئے حجاب ہو جائے گی، اسلئے کہ اُن کو وصول حاصل ہو چکا ہے، ایسے لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو دائمی مشاہدہ میں رہتے ہیں اور نماز رُکوع و سجود کا مقصود یہ ہے کہ غافل دل کو حضوری ہو جائے۔ ہم تو خود ایک لمحہ بھر غافل نہیں ہوتے، عالم ملکوت کو آشکارا دیکھتے ہیں، انبیاء کے جوار مقدس میں رکھے جاتے ہیں، ہم کو ان عبادات اور فرائضِ شرعی کی کیا ضرورت ہے —

درحقیقت یہ خود ابلیس کا حال اور اس کا واقعہ ہے اس نے اپنا کمال قرب دیکھا اور کہا کہ آدمؑ کو سجدہ سے کیا حاصل، آدمؑ اس سے کم ہیں، مجھے اس کا سجدہ کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا قصہ افسانہ کے طور پر نہیں بیان کیا ہے، وہ اکھیں

لوگوں کی عبرت کے لئے بیان کیا جو اس مغالطہ شیطانی میں گرفتار ہیں، تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ کسی بھی مقرب کو شریعت کی فرمانبرداری سے چارہ نہیں، بزرگانِ دین نے جو یہ فرمایا ہے کہ شریعت کی پیروی حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ ہے، انھوں نے سچ فرمایا ہے۔

بقاءِ شریعت کا راز:۔

شیطان نے یہاں ایک نکتہ اس گروہ کی نظر سے پوشیدہ رکھا ہے، اس نے یہ باور کرایا کہ شریعت کا مقصود صرف اتنا ہے کہ (حضوری حاصل ہو جائے) لیکن یہ غلط ہے شریعت کا اسکے علاوہ بھی مقصود ہے، مثلاً پانچ وقت نمازیں ایسی ہیں جیسے کسی دریچۂ کمال میں پانچ کیلیں لگی ہوں، اگر کیلیں الگ ہو جائیں تو وہ دریچہ کمال سے جدا ہو کر گر جائے جیسے خود ابلیس گر گیا، اگر کوئی کہے کہ یہ پانچ نمازیں کس طرح پانچ کیلوں کی طرح ہیں جن سے کمال کا یہ دریچہ تھما ہوا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا پہچاننا انسان کی طاقت میں نہیں، یہ درحقیقت ایسا ہی ہے جیسے اشیاء اور ادویہ کے خواص، عقل اس کی وجہ دریافت نہیں کر سکتی، جیسے سنگِ مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور کوئی نہیں جانتا کہ اسکا سبب کیا ہے۔

ایک بلیغ مثال فرائض شرعی اور شریعت کے احکام کی پابندی میں کیا کیا حکمتیں ہیں اور وہ انسان کے دین و ایمان اور اپنے خالق کے ساتھ تعلق کی اور منصبِ بندگی کی کس طرح حفاظت کرتے ہیں، اور انکی زد سے کس طرح انسان کا دین و ایمان

اور اس کا تعلق برباد ہو جاتا ہے اور وہ کس طرح نفس و شیطان کا شکار، درجۂ اعتبار سے ساقط اور راندۂ درگاہ ہو جاتا ہے، اس کی ایک بلیغ مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اس کو ایسا سمجھو کہ ایک شخص نے ایک پہاڑ کی چوٹی پر محل تعمیر کیا، وہاں انواع و اقسام کی نعمتیں جمع کیں، جب اس کا اخیر وقت ہوا تو اس نے لڑکے کو وصیت کی کہ اس محل میں جو ترمیم و تصرف چاہنا کرنا، لیکن ایک خوشبودار گھاس کا ایک حصہ جو میں چھوڑ کر جا رہا ہوں وہ چاہے خشک ہو جائے اس کو باہر نہ کرنا۔ جب پہاڑ کی چوٹی پہ بہار آئی، تو پہاڑ و میدان سب سرسبز ہو گئے۔ بہت سی تازہ اور خوشبودار گھاس پیدا ہو گئی جو اس پرانی گھاس سے زیادہ تر و تازہ تھی، اس میں سے بہت سی گھاس اور پھول اس محل میں آئے جن کی خوشبو نے سارے محل کو معطر کر دیا، اور اسکے سامنے اس پرانی سوکھی ہوئی گھاس کی خوشبو دب گئی، لڑکے نے سوچا کہ میرے والد نے یہ پرانی گھاس اس محل میں اسلئے رکھی تھی کہ اس کی خوشبو پھیلے اور یہ جگہ اس سے معطر ہو، اب یہ سوکھی گھاس کس کام آئے گی، اس نے حکم دیا کہ اس گھاس کو باہر پھینک دیا جائے، جس وقت محل اس گھاس سے خالی ہو گیا۔ ایک کالے سانپ نے سوراخ سے سر نکالا اور لڑکے کو ڈس لیا اور اس کا کام تمام ہو گیا، سبب اس کا یہ تھا کہ اس گھاس کے دو بڑے فائدے تھے :- ایک یہ کہ وہ خوشبو دے، اور دوسرے اس میں یہ خاصیت تھی کہ وہ جہاں ہوتی ہے سانپ اس کے قریب نہیں جا سکتا، گویا وہ سانپ کا تریاق تھی، یہ خاصیت کسی کو معلوم نہیں تھی،

لڑکے کو اپنی ذہانت پر ناز تھا۔ وہ سمجھا کہ جو اس کے معلومات کے دائرہ میں نہ ہو گویا کہ قدرتِ خداوندی کے خزانہ میں ہی موجود نہیں ہے۔ اس کو اس آیت کا مفہوم نہیں معلوم تھا: " وما اوتیتم من العلم الا قلیلا "، وہ اپنی ذہانت کے غرہ میں مارا گیا۔

اسی طرح یہ صاحبِ کشف و کرامت گروہ اس مغالطہ کا شکار ہوا کہ شریعت کا جو راز ہم پر منکشف ہو گیا اور اس کی جتنی حکمت انھوں نے سمجھی، اسکے علاوہ نہ کوئی راز ہے اور نہ کوئی حکمت، حالانکہ یہ ایک بڑی زبردست غلطی ہے، جو اس راہ کے سالکین کو کبھی کبھی پیش آتی ہے، اور بہت سے لوگ اس کا شکار ہو کر ہلاک ہو چکے ہیں، ان لوگوں نے راہِ شریعت کا ایک ہی مقصود سمجھا اور یہ نہیں سمجھے کہ اس میں دوسرے اسرار بھی ہیں، انھوں نے یہ بھی خیال نہیں کیا کہ اگر دوسری حکمتیں نہ ہوتیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اتنی نمازوں کی کیا ضرورت تھی جس سے پائے مبارک میں ورم آجاتا تھا، آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اُمت پر واجب ہے پیغمبر پر نہیں[1]۔

علماء اور مشائخ کاملین کا اُسوہ :۔

وہ علماء و مشائخ و صوفی جو درجۂ کمال پر پہنچے، انھوں نے سمجھا کہ شریعت کی پابندی میں ہر پابندی ایک راز ہے جس سے آخرت کی سعادت مربوط اور وابستہ ہے، یہاں تک کہ ان بزرگوں نے اپنے دمِ واپسیں تک آدابِ شریعت

---

[1] مکتوب ہفتدہم ۔ ۱۲

میں سے ایک ادب بھی ترک نہیں کیا، یہاں تک کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ
کو ایک خادم انتقال کے وقت وضو کرا رہا تھا، وہ داڑھی میں خلال کرانا بھول گیا،
آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا کہ وہ سنّت بجا لائے، لوگوں نے کہا کہ حضرت ایسے
وقت میں اتنی بھی رخصت نہیں، فرمایا: "ہم خدا تک اسی کی برکت سے پہنچے
ہیں"، اہلِ کمال کا یہی شعار تھا اور فریب خوردہ لوگ جلدی دھوکہ میں
آجاتے ہیں، جس چیز کو وہ نہیں دیکھ سکے اور جو چیز ان کی سمجھ میں نہیں آئی
وہ سمجھے اس کا وجود نہیں، فجر کی نماز دو رکعت ہے، ظہر کی چار رکعتیں، عصر کی
نماز چار رکعتیں، مغرب کی تین، عشار کی چار، پھر ہر رکعت میں ایک رکوع اور
دو سجدے ہیں، ان سب میں ایک سر اور خاصیت ہے جن کا حصولِ
کمال میں خاص دخل ہے اور انتقال کے وقت تک اُن کی پابندی کرنے کا اثر
ظاہر ہوتا ہے، اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی کمال مفید نہیں، اگر سالک ان کو چھوڑ
دے گا اور دنیا سے چلا جائے گا، اپنے کو تباہ دیکھے گا، اُس وقت
کہے گا کہ وہ میرا کمال کیا ہوا؟ جواب دیا جائے گا کہ کمال کے تختے میں کیلیں
نہیں تھیں، مرنے کے وقت وہ جڑ سے اکھڑ گیا، جیسے کہ ابلیس کے تمام
کمالات ایک نافرمانی کی وجہ سے خاک میں مل گئے"[1]

حضرت شیخ شرف الدین اس بارہ میں اتنے راسخ الاعتقاد اور متشدّد تھے کہ ایک
مکتوب میں اس عقیدہ کی کہ شریعت کی پابندی خاص حالات و مقامات پر ضروری نہیں، تردید

---

[1] مکتوب ہژدہم - ۱۲

کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"داین غلط است ومذہب ملحدان	یہ غلط ہے اور ملحدین کا مذہب ہے جو کہتے ہیں
آنست کہ گویند یکے بے دیگرے روا باشد	ایک دوسرے کے بغیر روا ہے اور کہتے ہیں
وگویند چوں حال حقیقت کشف گشت	جب حقیقت تک رسائی ہوگئی اور کشف و
شریعت برخیزد ولعنت بریں اعتقاد	شہود حاصل ہو گیا تو شریعت کا حکم اٹھ گیا،
باد وبریں مذہب"[1]	لعنت ہے، اس عقیدہ اور اس مذہب پر۔

شریعت کی شرط

وہ تمام محققین صوفیہ کی طرح شدت کے ساتھ اس بات کے قائل اور داعی ہیں کہ سلوک و طریقت شریعت کی پیروی اور پابندی کے بغیر ممکن نہیں۔ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں:-

"جو شخص طریقت میں شریعت کا تابع نہیں ہوگا اس کو طریقت سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا، یہ ملحدین کا مذہب ہے کہ ایک دوسرے کے بغیر جائز ہے، وہ کہتے ہیں کہ جب حقیقت منکشف ہوگئی شریعت کی ضرورت باقی نہیں رہی، خدا کی لعنت ہو اس عقیدہ پر، ظاہر بے باطن نفاق ہے اور باطن بے ظاہر زندقہ، ظاہر شریعت بے باطن نقص ہے اور باطن بے ظاہر ہوس، ظاہر ہمیشہ باطن کے ساتھ پیوستہ ہے، ظاہر باطن کے ساتھ ایسا پیوستہ ہے کہ کوئی شخص اسکو علیحدہ نہیں کر سکتا"[2]

---

[1] مکتوب بست و ششم - ۱۲

[2] مکتوب بست و ششم (۲۶) - ۱۲

اتباعِ محمدیؐ سے چارہ نہیں

حضرت مخدومؒ مکتوبات میں بڑے جوش و خروش اور بڑے وثوق و یقین کیساتھ اس بات کی تبلیغ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں آپ کی پیروی کے بغیر نہ نجات ممکن ہے نہ حقیقت تک رسائی نہ کمالات و سعادتِ اخروی کا حصول۔ ایک مکتوب میں "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ" کی تلقین و تفسیر کرتے ہوئے کسی مبشر و شاعر عارف کے یہ اشعار جو خود اُن کے دلی جذبات اور کیفیات کے ترجمان ہیں نقل کرتے ہیں۔ ؎

او دلیل تو بس، تو رہ مجوئی — او زبانِ تو بس تو یاوہ مگوئی

ہرچہ او گفت نز راز مطلع اں — ہرچہ او کرد، کردۂ حق داں

خاک او باش پادشاہی کن — آن او باش ہرچہ خواہی کن

ہر کہ چوں خاک نیست بر در او — گر فرشتہ است خاک بر سر او[1]

---

[1] مکتوب ۷۸نہم - ۱۲

سلسلۂ فردوسیہ کی اشاعت اور اسکے بعض مرکز

حضرت مخدوم الملکؒ کے بعد سلسلۂ فردوسیہ نے کیا ترقی کی، اس کی تفصیل کسی کتاب میں مرتب طریقہ سے نظر سے نہیں گزری۔ آپ کے بعد مولانا مظفر بلخی (مدفون عدن) جانشین ہوئے اور بہار کی خانقاہ میں یہ سلسلہ جاری ہوا ـــ اپنے دور میں مخدوم شاہ شعیب فردوسی بن مخدوم جلال منیریؒ ابن عم مخدوم الملک نے شیخپورہ ضلع مونگیر (بہار) میں خانقاہ قائم کی، آپ کے خاندان کے افراد سے ابتک یہ سلسلہ وہاں قائم ہے۔ مخدوم شاہ شعیب فردوسی کی ایک کتاب بزرگانِ فردوسیہ کے حالات میں "مناقب الاصفیاء" ہے جو طبع ہو چکی ہے اور اس کتاب میں اس سے خاص مدد لی گئی ہے ـــ مخدوم الملک کے بعد منیر میں سلسلۂ فردوسیہ نے ترقی کی جن میں آپ کے خاندان کے مخدوم شاہ دولت منیری متوفی ۱۰۱۷ھ مشہور بزرگ گذرے۔ آپ کے ایک مرید و خلیفہ امان اللہ صدیقی عاصی سندیلہ یو۔پی سے سلسلہ جاری ہوا ـــ تقریباً دسویں صدی میں متوحا ضلع پٹنہ میں فردوسیہ سلسلے کی ایک خانقاہ قائم ہوئی اور اب تک سلسلہ جاری ہے۔ صوبہ بہار میں کوئی خانقاہ ایسی نہیں جہاں یہ سلسلہ نہیں ہے اور جہاں بھی یہ سلسلہ ہے مخدوم الملکؒ کی ذات سے ہے ـــ محلہ مشمار بھٹکل "میسور اسٹیٹ" میں بھی اس سلسلہ کی خانقاہ ہے۔

حضرت مخدوم صاحبؒ کے بعض دوہے اور ہندی فقرے[۱]:ـــ

بہار اور اس کے اطراف میں حضرت مخدوم صاحبؒ کے بہت سے دوہے اور ہندی فقرے زبان زد عوام ہیں ـــ جیسے :ـــ

شرفا بھٹکا مت پھرے اور جیت مت کرے اداس ٭ سائیں بسے سمر ریں میں کہ جیوں پھولن میں باس

---

[۱] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی ۔ ۱۲

شرفا گور ڈراؤنی اور نس اندھیاری رات ؛ واں نہ کوئی پوچھے کہ کون تو ہاری ذات

جہہ گنتا در در پھرے، در در ڈر ڈر ہوئے ؛ ایک در کو تھام لے کہے نہ ڈر ڈر کوئے[1]

مولانا سید سلیمان ندوی رح "نقوش سلیمانی" میں لکھتے ہیں:۔

"حضرت شیخ شرف الدین احمد منیری رح کے بہت سے ہندی دوہے ہیں، جن میں بعض بیماریوں کی مجرب دوائیں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً ؎

لودھ کیٹھ ٹکری مرداسنگ ؛ ہلدی زیرا ایک ایک ٹنگ

افیون چنا بھر، مرچیں چار ؛ ارد بھر تھوتھا اس میں ڈار

پوست کے پانی پوٹلی کرے نینا پیر اپل میں ہرے

ہمارے وطن (دیسنہ ضلع پٹنہ) کے کتب خانہ اصلاح میں ایک فالنامہ کے دو صفحے پرانے کاغذ کے ہیں جن میں اسی زبان میں مختلف اعداد کے جوابات بتائے گئے ہیں، اور اسکے سرنامہ پر اس فالنامہ کی نسبت حضرت مخدوم صاحب رح کی طرف کی گئی ہے، اس میں کل ستائیس ۲۷ فقرے ہیں جن میں سے بعض یہ ہیں:۔

۱۱۱۔ جو من کی منسی کیا ہوئی سو ہوئی۔

۱۱۳۔ ناہیں کچھ کرد نصیب لاگی بات ہے۔

۱۳۱۔ ا یہیں ابھیں ناہیں۔

۳۱۱۔ ابھیں تہیں ناہیں، سوت رہو جائے۔

۳۳۱۔ راج پاٹ اچل کے دیا تمکون۔

۲۳۲۔ ابھیں ناہیں آگو ہو یگا۔

۱۳۱۔ تورے دن کے اب سکھ سوجنا ناہیں۔[2]

---

[1] افادہ مولوی مراد اللہ صاحب منیری ندوی۔ ۱۲ [2] "نقوش سلیمانی" از مولانا سید سلیمان ندوی ص۴۸ و ص۴۹

اِشاریہ

(انڈکس)

مُرتبہ

شاہ محمد شبّیر عطا ندوی

اعلام

الف

ب

ص

ض

ط

ظ

ع

غ

ف

ق

ک

گ

کتابیات

الف

آثار الصنادید ۷۵

آئین اکبری ۳۰

اجمیر گزیٹیر ۲۶

اجوبہ ۲۳۹

احسن التقاسیم ۲۴

احیاء العلوم ۱۴۶، ۲۸۹

اخبار الاخیار ۳۴، ۴۱، ۴۶

ارشاد السالکین ۲۳۹

ارشاد الطالبین ۲۳۹

ازالۃ الخفا ۲۴۲

افضل الفوائد ۱۲

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۵۳

انیس الغربا ۱۵۲

ب

بحر المعانی ۲۳۹

بزم صوفیہ ۴۴، ۱۴۱

ت

تاریخ دعوت و عزیمت

تاریخ فرشتہ ۲۶، ۳۲، ۳۴، ۸۸، ۹۳، ۹۴، ۱۶۰، ۱۶۴

تاریخ فیروز شاہی (ضیاء برنی) ۲۰، ۲۱، ۵۵، ۸۵، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۶

تاریخ فیروز شاہی (سراج عفیف) ۱۵۱، ۱۶۰

تاریخ مشائخ چشت ۴۹، ۱۵۱، ۱۵۶

رسالہ تبصرہ ۱۸۷

تحفہ اثنا عشریہ ۲۴۲

تحفہ غیبی ۲۳۹

ترجمہ احیاء العلوم ۱۴۶

تذکرۃ الرشید ۱۵۴

تذکرۃ العاشقین ۴۵، ۶۶

تغلق نامہ ۸۸

تمہید ابو شکور سالمی ۶۲

ث

الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند ۱۲۷

ج

جغرافیۂ خلافت مشرقی ۲۴

جوامع الکلم ۱۲، ۷۳، ۱۳۱

ح

حسرت نامہ ۹۲، ۱۴۱

مقاماتِ وعمارات

مدرسے، خانقاہیں اور کتب خانے

سلسلے

مطابع